سُنّت کا تشریعی مُقام
قرآنِ عظیم کی روشنی میں
(تالیف)
مولینا محمد ادریس میرٹھی
استاذ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵
فون نمبر: ۲۹۵۷۸۰
بیت التوحید ۱۳۷/ای آصف کالونی. کراچی ۱۶

سُنّت کا تشریعی مُقام

قرآنِ عظیم کی روشنی میں

(تالیف)

مولانا محمد ادریس میرٹھی

استاذ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵

★

بدل اِشتراک ۲۸ روپے

فون نمبر ۷۹۵۷۸۰

(ناشر)

بیت التوحید ۱۳۷/ای آصف کالونی کراچی ۱۶

النبی الخاتم (عکسی) (مولانا مناظر احسن گیلانی)

سیرت النبی کے موضوع پر تاریخ کی سب سے جامع لیکن مختصر کتاب

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: مناظر احسن کے سارے مناظر احسن ہیں۔

مولانا ابو الکلام آزاد: "سیرت پر اتنی جامع اور عمدہ مگر مختصر کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔"

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: النبی الخاتم کے مطالعہ سے سیرت نبوی کے کئی پہلو سامنے آئے۔

سید سلیمان ندوی: مظہر اسلام حضرت سلطان القلم کا قلم کی روح اسلام کی محافظت میں تیغ دانی کا کام دیتی ہے۔

عطاء اللہ شاہ بخاری: النبی الخاتم کے ساڑھے چار سو عنوانات میں سے ہر عنوان پر ہفتہ تک تقریر کر سکتا ہوں۔

مولانا سید داؤد غزنوی: صرف النبی الخاتم کا مطالعہ سیرت کی بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے۔

مولانا ابو الخیر: النبی الخاتم عشق و محبت اور واردات و کیفیات پیدا کرنے میں عجیب اثر رکھتی ہے۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی فرماتے ہیں: میری نظر میں سیرت نبوی میں رحمۃ للعالمین اور النبی الخاتم سے زیادہ موثر کتاب نہیں پڑھی۔

مولانا منظور نعمانی فرماتے ہیں: حضور کی ذات کی شان دنیا کی کسی کتاب میں اس سے بہتر طور پر ثابت نہیں آتی۔

مولانا عبد الماجد دریابادی: ہر تحقیق میں قدامت کا استناد ہے اور ہر تعبیر میں جدت و تازگی

یہ عجیب حکیمانہ امتزاج ہے اور ان کی فضیلت کا طرۂ امتیاز۔

مولانا عبد المجید قریشی: سیرت کی لائبریری میں اس قسم کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔

قیمت مجلد ۱۸ روپے

فہرست

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نذرِ عقیدت

اے اللہ! تیرے دربار کا یہ فقیرِ بے نوا، شاہِ کونین حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مقدسہ کی خدمت کے لئے چند اوراق سیاہ کر کے "ناچیز تحفہ" لایا ہے۔

اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے اسے قبول فرما اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ پاک کی خوشنودی کا ذریعہ بنا

جئنا ببضاعۃ مزجاۃ فاوف لنا الکیل وتصدق علینا۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا

انک انت التواب الرحیم

ع "شاہا چہ عجب گر بنوازند گدا را"

ہاں خدا ہے

خدا کا وجود ایک فطری اٹل بات ہے

اس کے لئے

کیا خدا ہے؟ ——— پڑھ کر

پڑھو اور ایمان تازہ کرو

از حضرت مولانا مفتی عبد الحکیم سکھروی مدظلہ

ناشر:- بیت التوحید 137 جے آصف کالونی کراچی ۱۶

قیمت ۵۰/۷ روپے

خدا کا وجود ایک فطری اٹل بات ہے

مولف حضرت مولانا مفتی عبد الحکیم صاحب مدظلہ

قیمت ۵۰/۱۶

پیش لفظ

از حضرت مولینا محمد یوسف صاحب بنوری ادام اللہ فیوضہم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

تبارک الذی نزّل الفرقان لیکون للعالمین نذیرا وبعث سیدنا محمدا بالحق بشیرا ونذیرا وسراجا منیرا اللھم فصل وسلم وبارک علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ کثیرا کثیرا۔

امّا بعد: حق تعالیٰ شانہ نے جس طرح انسان کی مادی زندگی کے لئے ہر طرح کا سامان راحت و آسائش پیدا فرمایا ہے اسی طرح انسان کی روحانی زندگی کی فلاح کے لئے بھی سلسلۂ رشد و ہدایت جاری فرمایا ہے۔

یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔ آنے والی نسل اور اُمت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے ایک طرف صحیفۂ آسمانی — قرآن عظیم — نازل فرمایا دوسری طرف حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کو ذریعہ ہدایت قرار دیا۔ ان دونوں نعمتوں سے جو نظام حیات وجود میں آیا اسکا نام دین اسلام رکھا اور اعلان فرما دیا:۔

ان الدین عند اللہ الاسلام	بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور جو کوئی اسلام
ومن یبتغ غیر الاسلام دینا	کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا وہ ہرگز قبول نہیں
فلن یقبل منہ	کیا جائے گا۔

اس "دین اسلام" کو قیامت تک کے لئے "ابدی دین" قرار دیا ہے اسی لئے اس کی حفاظت کی تدبیر

بھی خود ہی فرما دی ہے تاکہ قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے "حجت" قائم رہے اور کسی کو شک و شبہ یا انکار و انحراف کی گنجائش نہ رہے ارشاد ہے:

وکیف تکفرون وانتم تتلیٰ علیکم آیات اللہ وفیکم رسولہ ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم	تم کیسے انکار کر سکتے ہو دراں حالیکہ تم پر ہمہ وقت اللہ کی آیات تلاوت کی جارہی ہیں اور اس کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے (یاد رکھو) جس نے اللہ کا سہارا لے لیا بیشک اس کو سیدھے راستہ کی ہدایت کر دی گئی

اس صحیفۂ آسمانی کی حفاظت کا اعلان تو خود اسی صحیفہ کی زبانی فرما دیا:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون	بیشک ہم ہی نے اس ذکر کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ، سیرتِ طیبہ اور انفاس قدسیہ کے ذریعہ اس صحیفہ کا عملی نقشہ — سُنّت — اس طرح محفوظ فرما دیا کہ اس پر عمل کرنے والوں کا سلسلہ تا قیامت باقی رہے اور اس عملی توارث و تواتر کے ذریعہ سُنّت رسول محفوظ رہے۔

بالفاظ دیگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود عملی قرآن تھا وکان خلقہ القرآن[1] — آپ کے اخلاق طیبہ عملی قرآن تھے — تو خاتم الانبیاء کی جانشینی کیلئے ایسی "مثالی" عامل بالقرآن "قوم روئے زمین پر پیدا فرما دی جن کے تعامل کے ذریعہ ان نقوش کتاب و سنت کو قیامت تک کے لئے بقاء دوام حاصل ہو گیا ارشاد ہے:

(۱) وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا	(۱) اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنا دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ (مشاہد نمونہ) بنو اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہو۔
(۲) کنتم خیر امۃ اخرجت للناس	(۲) تم وہ بہترین اُمت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے

---

[1] صحیح مسلم حدیث عائشہ رض ۱۲

تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر — پیدا کی گئی ہے تم ہر بھلے کام کا حکم دیتے ہو اور ہر بُرے کام سے منع کرتے ہو۔

چنانچہ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے جس طرح قرآن کریم کو سینوں[1] اور سفینوں[2] دونوں میں محفوظ کیا اسی طرح حدیث رسول اللہ کو اپنے خارق العادہ حفظ وضبط اور قول و عمل سے ایسا محفوظ کیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُس کا ایسا محفوظ مجموعہ پیش کر دیا کہ قیامت تک کے لئے اللہ کی حجت پوری ہو گئی۔

احادیث نبویہ کیا ہیں؟ قرآن کے اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص یا خصوص کی تعمیم، مبہم کی توضیح و تعیین غرض علماً و عملاً ہر پہلو سے قرآن کی عملی تشکیل اور تشریح و تبیین کا نام "حدیث رسول اللہ" ہے اور ثم ان علینا بیانہ — پھر ہمارے ہی ذمہ اس (کی مراد) کا بیان کرنا بھی ہے — کے بموجب یہ تشریح و تبیین بھی خود وحی ربانی کے ذریعہ بتلائی گئی ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی متکلم کے کلام کی وُہی تشریح و تعبیر معتبر ہو سکتی ہے جو خود اُس نے بتلائی ہو چہ جائیکہ اللہ جل وعلی کا وہ عقل انسانی کی رسائی سے بالاتر کلام جس کے علم کے متعلق ارشاد ہے ولا یحیطون بعلمہ الا بما شاء — اور انسان اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے بجز اس کے جو وہ خود چاہے — اور اگر کہیں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے نزول کا انتظار کرنے کے بعد خود — لتحکم بما اراک اللہ کے تحت — اپنے اجتہاد سے بھی تشریح و تشریع فرما دی اور وحی الٰہی اس پر خاموش رہی تو مآلاً اُس کو بھی وحی کا ہی درجہ حاصل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ رسول کا یہ بیان درحقیقت القاء ربانی ہی تھا۔

علاوہ ازیں قرآن کریم کو غور سے پڑھنے والا یقیناً یہ محسوس کرے گا کہ قرآن کریم دراصل رسول کی اطاعت واتباع کی دعوت ہے اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات معصوم ہی کو مدار قبولیت بنایا گیا ہے اور یہ بات واضح ہو جانے گی کہ قرآن کریم پر نہ صرف عمل بلکہ ایمان بھی ناممکن ہے جب تک حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات معصوم کو مدار نجات نہ تسلیم کیا جائے

---

[1] بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم [2] فیھا کتب قیمۃ

اور ان کے اقوال و افعال پر عمل نہ کیا جائے اور اُن کی حیات مقدسہ اور سیرت طیبہ کو نمونہ عمل نہ بنایا جائے اس لئے قرآن اور حدیث کے درمیان تفریق کا کوئی امکان ہی نہیں ان دونوں کا آپس میں ایسا شدید تعلق اور چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ان میں تفریق کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مگر تاریخ اسلام اور تاریخ " مذاہب و آراء " اس پر شاہد ہے کہ خوارج و معتزلہ، قدریہ و مرجیہ وغیرہ گمراہ فرقوں کی بنیاد ہی اس پر استوار ہوئی ہے کہ سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قرآن عظیم سے علیحدہ اور جدا کر دیا گیا ہے۔ اسی قرآن و سنت کی تفریق سے تحریف فی القرآن اور الحاد فی القرآن کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نہ صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جو اسلام کے بنیادی ارکان ہیں بلکہ پورے دین کے تفصیلی احکام عقائد ہوں یا عبادات یا معاملات جملہ احکام کی تفصیلات اُمت کو احادیث نبویہ کے ذریعہ سے ہی پہونچی ہیں اس لئے ہر دور اور ہر زمانہ میں ملحدین کا یہی وطیرہ اور یہی طریق کار رہا ہے کہ وہ بنیادی طور پر احادیث کی حجیت سے ہی انکار کرتے ہیں تاکہ نماز، روزہ، زکوٰۃ حج وغیرہ تمام عقائد و احکام شرعیہ سے جان چھڑانے کا موقع مل سکے اور اُن کی گرفت ڈھیلی ہو جائے

لیکن الحمد للہ خادمانِ دین اسلام اور پاسبانان شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے بھی حق جل وعلیٰ کی توفیق و اعانت سے ہر دور میں حدیث و سنت کی علمی اور عملی دونوں طریق پر کما حقہ حفاظت کی ہے اور اس حفاظت کے لئے وہ وہ عظیم محنتیں اور کاوشیں برداشت کی ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہمارے اس پُر آشوب دور میں بھی بغیر نام لئے " انکار حدیث " اور تحریف سنت کا فتنہ بڑے زور شور سے برپا ہے اس لئے عہد حاضر کے علماء اُمت نے بھی اس فتنہ کی سرکوبی میں اور مستشرقانہ دجل و فریب کا تار و پود بکھیرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ تصنیف و تالیف، تقریر و تحریر، دعوت و تبلیغ غرض ہر جہت سے حدیث کی حفاظت اور دفاع کا سامان مہیا کر دیا شکر اللہ مساعیہم

ان خوش قسمت نفوس میں امام العصر حضرت الشیخ مولانا محمد انور شاہ قدس اللہ روحہ کے خوشہ چیں اور قابل ذکر شاگرد ہمارے رفیق کار مولانا محمد ادریس میرٹھی بھی ہیں جنہوں نے اس تالیف

سنت کا تشریعی مقام قرآن عظیم کی روشنی میں" کو اول بصورت مقالات ماہنامہ بینات میں شائع کیا اور اب دوبارہ نظر ثانی اور ضروری اضافوں کے ساتھ تالیفی شکل میں ایک مبسوط کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اور بحمد اللہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے شعبہ نشر و اشاعت کو اس کتاب کی اشاعت کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔

حق جل وعلیٰ اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور مؤلف محترم کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے اس تاریک دور میں شمع ہدایت اور منارۂ نور بنا دیں۔ آمین

وصلی اللہ علی صفوۃ البریہ، سید بنی عدنان، من کان خلقہ القرآن واحادیثہ النبویہ خیر شرح للقرآن بواضح البیان۔ وعلی آلہ وصحبہ الذین اجتہدوا اجاھد والحفظ الاحادیث النبویہ والاسلام بنور الایمان والاخلاص والاتقان

———(۴)———

عرض مؤلف اور داعیہ تالیف

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ا

عرصہ چار سال سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے مہتمم و شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری بارک اللہ فی حیاتہ وحسناتہ نے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے درجہ "تخصص فی علوم الحدیث" کے طلبہ کی رہنمائی، مطالعہ کی نگرانی اور تحریر و انشاء کی مشق و تمرین کا کام اس خادم کے سپرد فرما کر خدمت حدیث و علوم حدیث کی سعادت حاصل کرنے کا زریں موقع بہم فرما دیا ہے

خادم نے ــ نا اہلیت کے باوجود ــ نبی رحمت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی

من فتح لہ باب خیر فلیغتنمہ فانہ — جس شخص کے لئے کوئی خیر کا دروازہ کھولدیا جائے چاہئے کہ موقعہ

لا یدری متی یغلق دونہ — کو غنیمت سمجھے اسلئے کہ نہ معلوم وہ کب بند کر دیا جائے۔

کے تحت اس توقع پر اس فرصت کو غنیمت سمجھا اور ہمہ تن مصروف ہو گیا کہ اگر ارحم الراحمین نے میری مستطاع جہود و مساعی اور بقدر مقدور کوشش و کاوش کو از راہ رحم و کرم حدیث قدسی:

سبقت رحمتی علی غضبی — میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

کے تحت قبولیت کے شرف سے نواز دیا تو نہ صرف یہ کہ انشاء اللہ العزیز خدام حدیث و سنت کی فہرست میں نام آجائے گا بلکہ آخرت میں نجات کا بھی محکم وسیلہ میسر آجائے گا۔

اس مقدس فرض کی انجام دہی کے سلسلہ میں علاوہ اور علوم حدیث کی تصنیفات و تالیفات کے مطالعہ کے قدیم و جدید مخالفین سنت و حدیث اور منکرین حجیت حدیث و سنت کے دلائل و اعتراضات اور شکوک و اوہام پر مشتمل کتابوں کے دیکھنے کی نوبت بھی آئی خصوصاً عہد حاضر کے امریکن اور یورپین یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ اور یہودی و نصرانی مستشرقین کے تربیت کردہ شاطر و طرار مخالفین و منکرین سنت و حدیث کے نام نہاد "تحقیقی" مضامین اور "علمی" مقالات جو وہ "علمی تحقیق" اور ریسرچ کے عنوان سے سادہ لوح اور ناواقف قارئین کے ذہن کو مسحور و مسموم کرنے کی غرض سے برابر لکھتے اور در پردہ تشریع اسلامی

کے عظیم "فتنہ سنت" سے عوام کو منحرف بنانے کی ناپاک کوشش کرتے رہتے ہیں اور احادیث رسول اللہ کو فہم کیے بغیر اور علانیہ سنت و حدیث کی حجیت سے انکار کئے بغیر محض اپنے مفروضات کی بنیاد پر سنت کو مسخ کرنے اور احادیث کو "زمانہ مابعد کی پیداوار" ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اس زمانہ میں ان مرعوب کن ڈگریوں کے مالک نام نہاد مسلمان مقالہ نگاروں کی تلبیس اور دسیسہ کاری کو بے نقاب کرنا خدام حدیث و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض اور اساتذہ و طلبہ درجہ تخصص فی علوم الحدیث کے ذمہ پر تو فرض عین ہے۔ چنانچہ اول اول تو طلبہ سے ان ملحدین کے خلاف تنقیدی و تحقیقی مقالات لکھانے اور علمی رسائل میں شائع کئے بعد ازاں جی میں آیا کہ خود میں اس سعادت سے کیوں محروم رہوں اور کیوں نہ خود کو درجہ "تخصص" کا ایک طالب علم سمجھ کر اس اہم ترین فریضہ وقت اور دینی خدمت کو انجام دوں اور حدیث و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کرنے والوں کی صف میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کروں۔ چنانچہ ماہنامہ بینات میں چار سال سے مختلف عنوانات سے اس "استشراقی فتنہ" انکار حدیث اور الحاد و ضلال کے علمبرداروں کے مفروضات و اوہام ــــ جن کا پُرفریب نام ان کی اصطلاح میں علمی اور تحقیقی دلائل ہے ــــ کے مسکت جوابات دینے الفاظ کی "علمی تحقیق" زیر بحث، کی پول کھولی "سنت جاریہ اور ائمہ مجتہدین"، "مستشرقین کا تصور سنت" ترجمہ از کتاب السنۃ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ وغیرہ مبسوط اور مسلسل مقالات و مضامین عرصہ دراز سے بالاقساط شائع ہو رہے ہیں۔

مگر یہ تمام کام "منفی" تھا یعنی مخالفین و منکرین کی تردید تک محدود تھا اسی اثنا میں "ملہم غیبی" جل و علی نے دل میں ڈالا اور بعض احباب نے توجہ بھی دلائی کہ ان دینی موضوعات خصوصاً حجیت حدیث و سنت پر "مثبت" انداز میں بھی کام ہونا چاہئیے اور صرف قرآن عظیم کی روشنی میں "سنت کا تشریعی مقام" ثابت کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہئیے ممکن ہے توفیق الٰہی مساعدت فرمائے اور کوئی مفید خدمت انجام پا جائے وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

اسی اثنا میں درجہ تخصص کے اصلی نگراں اور استاذ حضرت مولانا بنوری اطال اللہ بقاءہ کی ایک "قلمی یادداشت" ــــ جس میں موصوف نے اپنی جلیل القدر تالیف معارف السنن شرح جامع ترمذی کا ضخیم عربی "مقدمہ" لکھنے کے لئے پورے قرآن عظیم کے مکرر سہ کرر مطالعہ اور استقصاء کے بعد تقریباً سو آیات کریمہ جمع فرمائی ہیں ــــ کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوگئی۔

خادم نے حضرت والا کی اجازت سے اس یادداشت میں سے دس آیات کریمہ انتخاب کیں اور ان پر دس مقالے مرتب کر کے اول قسط وار ماہنامہ بینات میں شائع کئے تاکہ اگر کوتاہیٔ علم کی وجہ سے اس اہم دینی موضوع

کا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی یا فرد گزاشت رہ گئی ہو تو قارئین بینات خصوصاً اہل علم حضرات اس پر متنبہ فرماویں چنانچہ پہلے مقالہ ہی میں حضرات علماء سے بنظر تنقید پڑھنے اور خامیوں یا اغلاط پر متنبہ فرمانے کی درخواست کی گئی ہے

اب ان مقالات پر مکرر سہ کرر غور و فکر کے بعد اور ان مباحث کے اضافہ کے ساتھ جو اپنی طوالت کے لحاظ سے ماہنامہ بینات میں نہیں سما سکتے تھے کتابت کرا کے اور مکرر تصحیح کے بعد حضرت مولانا بنوری کی نظر سے آخری بار گذار کر قارئین کی خدمت میں بصورت تالیف سنت کا تشریعی مقام قرآن عظیم کی روشنی میں کے نام سے پیش ہے۔ انشاء اللہ العزیز اس ناچیز مگر مخلصانہ خدمت سنت و حدیث کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ شرف قبول سے نوازیں گے اور اس کے نتیجہ میں فیوضع لہ القبول فی الارض کے تحت اس تالیف کو حسن قبول میسر آئے گا۔

اس تالیف میں حتی الامکان مثبت انداز اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض مقالات کے آخر میں یا وسط میں یا حواشی میں مخالفین و منکرین حجیت حدیث و سنت کے مفروضات، اوہام و شکوک اور تحریفات و تلبیسات کا ذکر نہ صرف اس لئے کر دیا گیا ہے کہ ہر کتاب کے پڑھنے والے قاری کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ مستقل طور کا ماہنامہ بینات پڑھتا ہے اور تنقیدی و تردیدی مضامین پڑھ چکا ہے، بعید ہے۔ علاوہ ازیں عام قاری اتنے زود فہم اور دور رس نظر کے مالک نہیں ہوتے کہ وہ خود بخود سمجھ لیں کہ اس تحقیق سے مخالفین کے کن مفروضات و اوہام کی تردید ہوتی ہے، یا یہ دلائل کن اعتراضات کا جواب ہیں۔

آخر میں دعا کرتا ہوں اور قارئین سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ بھی آمین کہہ کر شریک ثواب ہوں۔

اللّٰهم بوجهك الكريم وفضلك العظيم، تقبل منی هذه المساعی واجعلها وسيلة لخدمة دينك وسنة نبيك وحبيبك سيدنا ومولينا محمد صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وبارك وسلم ومرضاة لك ثم لنبيك حبيبك صلى الله عليه وسلم وذريعة لنجاة المؤلف فی الآخرة بفضلك القديم ومنك العميم۔

———(✻)———

باب اوّل

لفظ سنت کی تحقیق اور استعمال

تمہید کتاب و سنت ایسی ہی خاص شرعی اصطلاحات ہیں جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج وغیرہ اسلامی تعلیمات میں جہاں بھی ان کا استعمال ہوگا ان کے حقیقی معنی قطعی طور پر وُہی ہوں گے جو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کی وحی کے ذریعہ قولاً یا فعلاً بتلائے ہیں۔ مثلاً صلوٰۃ کے معنی شریعت میں اس مخصوص عبادت کے ہیں جو قولاً و فعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو بتلائی اور سکھلائی ہے علیٰ ہذا زکوٰۃ، صوم اور حج کے معانی شرعیہ وُہی ہیں جو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے حکم سے امت کو بتلائے سکھلائے اور کر کے دکھلائے ہیں۔ لہٰذا جس طرح اسلامی تعلیمات اور اصول شرعیہ کے بیان میں کتاب کے حقیقی معنی "کتاب اللہ" اور "قرآن" کے متعین ہیں۔ اسی طرح سنت کے حقیقی معنی "سنت رسول اللہ" اور "حدیث" کے متعین ہیں۔ بلکہ اسلامی تعلیمات یعنی قرآن و حدیث میں بھی یہ اصطلاحاتِ شرعیہ جب لُغوی معنی میں استعمال ہوتی ہیں تو اس کو "مجازہ" کہا جاتا ہے اور کسی ایسے قرینے کی ضرورت ہوتی ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ یہاں یہ لفظ شرعاً مجازی معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں مثلاً صلوٰۃ کا لفظ "دعا" کے معنی میں مجازِ شرعی ہے چنانچہ آیت کریمہ:

صلِّ علیھم ان صلوٰتک سکن لھم (توبہ ع ۱۲) (اے نبی) تم اُن کے حق میں دُعا کرو بیشک تمہارا دُعا ان کے لئے موجب سکون ہے۔

میں لفظ صلوٰۃ اور اس سے مشتق فعل صَلِّ دُعا کے معنی میں مجازاً استعمال ہوا ہے علیٰ کا صلہ[1] اور

---

[1] عربیت کی اصطلاح میں کسی فعل کے ساتھ جو حرف جر آتا ہے اس کو "صلہ" کہتے ہیں اسی کے مذکور ہونے نہ ہونے یا بدلنے سے عموماً فعل کے معنی بدل جاتے ہیں ۱۲

آیت کریمہ کا سیاق و سباق اس کا قرینہ ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ:

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایہا الذین اٰمنوا صلّو علیہ وسلموا تسلیما۔	بیشک اللہ تعالیٰ نبی پر رحمت نسرماتا ہے اور اس کے فرشتے بھی دعائے رحمت کرتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی اس پر درود بھیجو اور سلام بھی۔

میں صلوٰۃ اللہ " اللہ کی رحمت " کے معنی میں ہے اور صلوٰۃ الملائکۃ " فرشتوں کی دُعاء رحمت " کے معنی میں اور " صلوٰۃ المومنین " اُس صلوٰۃ علی النبی " (درود) کے معنی میں مستعمل ہے جس کی تعلیم خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے اور اُمت شب و روز اور ہر نماز کے قعدۂ اخیرہ میں اس کو پڑھتی ہے۔ لفظ صلوٰۃ کے یہ استعمالات یقیناً " مجاز،، ہیں اور قرینہ اضافت ہے اور علی کا صلہ۔

لیکن یہی لفظ صلوٰۃ آیت کریمہ:

اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ	نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ کو ادا کرو

میں یا آیت کریمہ:

ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا (النساء)	بیشک نماز مومنوں پر ایک مقررہ وقت پر ادا کیا جانے والا فریضہ ہے۔

اور ان کے علاوہ صدہا آیات میں مطلقاً یعنی بغیر اضافت اور بغیر صلہ کے استعمال ہوا ہے۔ یقیناً ان آیات میں صلوٰۃ کے معنی " عبادت مخصوصہ،، کے متعین ہیں۔

اسی طرح اَدِلّۂ شرعیہ اور مصادر تشریع (احکام شرعیہ کے مأخذ) کے ذیل میں جب بھی لفظ سنت آئے گا اور بغیر اضافت یا کسی صفت وغیرہ کے استعمال ہو گا تو اس کے معنی " سنت رسول اللہ (یعنی حدیث) کے متعین ہوں گے جیسے کتاب کے معنی " کتاب اللہ " (یعنی قرآن) کے متعین ہیں۔

لیکن یہی لفظ سنت جب اسلامی تعلیمات میں اضافت کے ساتھ استعمال ہو گا مثلاً سنت اللہ، یا سنن الاولین، یا سنن من قبلنا یا سنت خلفاء راشدین رضی یا سنت صحابہ رضی، یا سنت اہل مدینہ، یا سنت اہلِ حجاز، یا سنت المسلمین، یا اہل السنت والجماعت تو یہ لفظ " سنت " کا استعمال مجازی ہو گا اور مضاف الیہ کے اعتبار سے الگ الگ معنی ہوں گے مثلاً سنت اللہ کے معنی ہیں " اللہ تعالیٰ

کا اپنے بندوں کے ساتھ وہ معاملہ جو دائمی اور مستمر (جاری) رہا ہے "سنن الاولین کے معنی ہیں" پہلے لوگوں کا طریق کار" سنن من قبلنا کے معنی ہیں "ہم سے پہلی اُمتوں کا طرزِ عمل" سنت خلفاء راشدین کے معنی ہیں "خلفاء اربعہ رضوان علیہم اجمعین کے وہ اجتہادی احکام اور فیصلے جو انھوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں استنباط کر کے نافذ کئے" سنت صحابہ کے معنی ہیں "مسائل شرعیہ میں صحابہ کا عمل" سنت اہل مدینہ کے معنی ہیں "مدینہ والوں کا وہ تعامل جو رسول اللہ صحابہ اور تابعین کے عمل و تعامل پر بطور توارث مبنی اور قائم رہا ہے" اسی طرح سنت اہل حجاز کے معنی ہیں "اہل حجاز کا وہ تعامل جو کتاب و سنت کی بنیادوں پر قائم تھا" اسی طرح سنت المسلمین یا اُمت مسلمہ کی سنت سے مراد وہ "اسلامی شعائر ہیں جو روز اول سے مسلمانوں کا شعار یعنی امتیازی نشان رہے ہیں" جن سے غیر مسلم تک بھی واقف ہیں۔ مثلاً پنجگانہ اذان یا عید الاضحیٰ کے تین دنوں میں قربانی کرنا وغیرہ۔ اسی طرح اہل السنت والجماعت کا مصداق وہ "اہل حق کی جماعت ہے جو جزوی اور فروعی اختلافات کے باوجود سنت رسول اللہ کی متبع اور تمام صحابہ کو اپنا مقتدیٰ مانتی رہی ہے" اس کے مقابل اهل الاهواء کا مصداق وہ تمام گمراہ فرقے ہیں جو اپنے عقائد باطلہ اور اغراض فاسدہ کی بنا پر سنت رسول اللہ اور جماعت صحابہ کے منکر ہیں اور اپنے علاوہ تمام اُمت کو کافر و گمراہ کہتے ہیں جیسے خوارج، غالی شیعہ اور رافضی وغیرہ۔

بہر حال لفظ سنت کے یہ تمام معنی اور استعمالات "مجازی" ہیں اور قرینہ اضافت ہے۔ اور جیسے لفظ صلوٰۃ کے مجازی معنی مضاف الیہ کے اعتبار سے الگ الگ ہیں اسی طرح لفظ سنت کے مجازی معنی بھی مضاف الیہ کے اعتبار سے الگ الگ ہیں (جس کی تفصیل ہم نے ابھی بتلائی ہے) باقی مطلق لفظ سنت کے معنی ان سب سے جدا اور متعین ہیں، ایسے ہی جیسے صلوٰۃ کے معنی۔ اور وہ ہیں صرف "سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

سنت کی تحقیق ازروئے لغت

چونکہ قرآن کریم حد اعجاز (معجزہ کی حد) تک پہونچی ہوئی فصیح عربی زبان میں نازل ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

انا انزلناہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون

بیشک ہم نے اس کو عربی قرآن (عربی زبان میں پڑھا جانے والا) اُتارا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔

نیز ارشاد ہے:

بلسان عربی مبین — واضح عربی زبان میں

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بطور معجزہ اوتیتُ جوامع الکلم (مجھے جامع اور ہمہ گیر کلام دیا گیا ہے) کے مالک ہونے کے ساتھ ہی افصح العرب والعجم (عرب وعجم (غیر عرب) میں سب سے زیادہ فصیح البیان) تھے اور سنت کا لفظ بھی عربی ہے

اقتباسات

اس لئے سنت کے لفظ کی تحقیق از روئے لغت ناگزیر ہے اس تحقیق کے بعد ہم قرآن حکیم میں لفظ سنت کے استعمال اور اس کے معنی و مصداق سے بحث کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

متقدمین و متاخرین ائمہ و ارباب لغت کے مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ابن دُرید (متوفی ۳۲۱ھ) کتاب الجمہرۃ میں لفظ سنت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

والسنة معروفة، وسَنّ فلان سنة حسنة اوقبيحة يسُنّها سنًّا	سنت کے معنی (عام راستہ) معروف ہیں (کہا جاتا ہے) فلاں شخص نے اچھی یا بُری سنت (طریقہ) جاری کی، مضارع یسُن آتا ہے اور مصدر سَنًّا

(۲) اسمٰعیل بن حماد "جوہری" (متوفی ۳۹۳ھ) اپنی کتاب صحاح میں لفظ سنت کے تحت لکھتے ہیں

والسنة السيرة، قال الهذلى ؎ فلا تجزعن من سيرة انت سرتها فاول راضٍ سنة من يسيرها	سنت کے معنی ہیں سیرت، ہذلی شاعر کہتا ہے ؎ جس خصلت کو تم نے خود اختیار کیا ہے اس سے مت گھبراؤ اس لئے کہ جو شخص کسی خصلت کو اختیار کرتا ہے وہی اس کو پہلا پسند کرنے والا ہوتا ہے۔

(۳) امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) اپنی کتاب مفردات میں لفظ سنت کے تحت لکھتے ہیں:

وسنة النبى طريقته التى كان يتحراها، وسنة الله تعالى قد تقال لطريقة حكمته وطريقة طاعته نحو: "سنة الله التى قد خلت من قبل ولن تجد لسنة الله تحويلا" فنبه	بنی کی سنت کے معنی ہیں آپ کا وہ طریقہ جو (بحیثیت پیغمبر) بالقصد والارادہ آپ اختیار فرماتے تھے اور اللہ کی سنت کے معنی کبھی تو اللہ کے طریقِ حکمت اور طریقِ طاعت کے ہوتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اللہ کا وہ طریقہ (عبادت و طاعت) جو پہلے سے چلا آرہا ہے اور تم اللہ

ان فروع الشرائع وان اختلف صورها فالغرض المقصود منها لا يختلف ولا يتبدل وهو تطهير النفوس وترشيحها للوصول الى ثواب الله تعالى وجواره۔

کہ اس طریقہ میں کوئی تغیر وتبدل نہ پاؤ گے" اس آیت میں، اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ (مختلف نبیوں کی) شریعتوں کے احکامات اگرچہ بظاہر مختلف ہیں لیکن ان سب کی غرض و غایت میں کوئی اختلاف اور تغیر وتبدل نہیں اور وہ (غرض وغایت) ہے نفوس انسانی کو (تمام آلودگیوں سے) پاک کرنا اور اللہ کے ثواب اور مقام قرب تک پہنچنے کی تربیت کرنا۔

(۴) علامہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) اپنی کتاب اساس میں لفظ سنت کے تحت لکھتے ہیں:-

سنّ سنة حسنة طرّق طريقة حسنة واستنّ بسنة فلان وتستّن عامل بسنته

(فلاں شخص نے) سنت حسنہ جاری کی یعنی اچھا طریقہ تجویز کیا اور فلاں شخص کی سنت کی پیروی کی یعنی اس کے طریقہ پر عمل کیا۔

(۵) حافظ مجد الدین ابن اثیر الجزری (متوفی ۶۰۶ھ) اپنی کتاب نہایہ میں لفظ سنت کے ذیل میں لکھتے ہیں:-

قد تكرر في الحديث ذكر السنة وما تصرف منها والاصل فيها الطريقة والسيرة، واذا اطلقت في الشرع فانما يراد بها ما امر به النبي صلى الله عليه وسلم ونهى عنه وندب اليه قولا وفعلا مما لم ينطق به الكتاب العزيز ولهذا يقال في ادلة الشرع الكتاب والسنة اى القرآن والحديث۔

حدیث میں سنت اور اس کے مشتقات کا بار بار ذکر آیا ہے اصل لغت میں تو سنت کے معنی طریقہ اور سیرت کے ہیں لیکن جب شریعت میں مطلقاً (اضافت کے بغیر) سنت کا لفظ آئے گا تو اس سے صرف وہ اوامر مراد ہوں گے جن کا آپ نے قولاً یا فعلاً حکم فرمایا ہے یا وہ نواہی جن سے آپ نے منع فرمایا ہے اور وہ امور جن پر عمل کرنے کی آپ نے ترغیب دلائی ہے جو قرآن حکیم میں صراحتاً مذکور نہیں۔ اسی لئے شرعی دلائل کے سلسلہ میں جب کتاب وسنت کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد قرآن و حدیث ہوتے ہیں۔

(۶) علامہ ابن منظور افریقی (مصری)، (متوفی ۷۱۱ھ) لسان العرب میں لفظ سنت کے تحت لکھتے ہیں:-

وسنة الله: احكامه وامره ونهيه هذه عن اللحياني وسنها الله بينها وسن الله سنة اي بين طريقا قويما قال تعالى سنة الله في الذين خلوا من قبل، والسنة السيرة حسنة كانت او قبيحة قال خالد بن عتبة الهذلي:

فلا تجزعن من سيرة انت سرتها
فاول راض سنة يسيرها

وفي الحديث: من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم شيء ومن سن سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من غير ان ينقص من اوزارهم شيء. وكل من ابتداء امرا عمل به قوم بعده قيل هو الذي سنه قال نُصَيب:

كاني سننت الحب اول عاشق
من الناس اذ حببت من بينهم وحدي

اور سنت اللہ کے معنی ہیں اللہ کے احکام خواہ اوامر ہوں خواہ نواہی، یہ لحیانی کا قول ہے اور سنّھا اللہ کے معنی ہیں اللہ نے ان کو بیان کیا نیز سن اللہ سنۃ کے معنی ہیں اللہ نے ایک پختہ اور محکم راستہ بتلایا آیت کریمہ سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل (اللہ کا وہ راستہ جو پہلے لوگوں میں جاری رہا ہے) کے معنی یہی ہیں۔ اور سنت بمعنی سیرت بھی آتا ہے خواہ اچھی ہو خواہ بُری، چنانچہ ہذلی شاعر کہتا ہے:-

جو سیرت تم نے اختیار کرلی اس سے ہرگز مت گھبراؤ اسلئے کہ جو شخص کوئی سیرت اختیار کرتا ہے وہی اسکو سب سے پہلا پسند کرنیوالا ہوتا ہے

حدیث میں آیا ہے: جس شخص نے کوئی اچھی سنت جاری کی اس کو اس پر عمل کا اجر بھی ملے گا اور دوسرے عمل کرنے والوں کا اجر بھی، اس کے بغیر کہ ان کے اجر میں کوئی کمی آئے۔ اور جس شخص نے کوئی بری سنت جاری کی اس پر اپنا گناہ بھی ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی، اسکے بغیر کہ ان کے گناہ میں کوئی کمی آئے۔ اور جو شخص کسی بھی کام کو اس لئے شروع کرتا ہے کہ اس کے بعد لوگ اس پر عمل کریں تو کہا جاتا ہے فلاں شخص نے یہ سنت جاری کی ہے نُصَیب شاعر کہتا ہے:-

گویا میں ہی دُنیا میں پہلا عاشق ہوں جس نے محبت کی سنت جاری کی اسلئے کہ میں ہی ان میں اکیلا محبت کرنے والا ہوں۔

وقد تكرر في الحديث ذكر "السنة" وما تصرف منها، والأصل فيه "الطريقة" و"السيرة"، وإذا أطلقت في الشرع فإنما يراد بها ما أمر به النبي صلى الله عليه وسلم ونهى عنه وندب إليه قولا وفعلا مما لم ينطق به الكتاب العزيز ولهذا يقال في أدلة الشرع الكتاب والسنة أي القرآن والحديث (وبعد أسطر) السنة الطريقة والسنن أيضا وفي الحديث: ألا رجل يردعنا من سنن هؤلاء. التهذيب (لأبي منصور الأزهري المتوفى ٣٧٠ه) السنة الطريقة المحمودة المستقيمة وهي مأخوذة من السنن وهو الطريق (وبعد أسطر) شمر بن حمدويه المتوفى ٢٥٦ه: السنة في الأصل سنة الطريق وهو طريق سنه أوائل الناس فصار مسلكا لمن بعدهم وسن فلان طريقا من الخير يسنه إذا ابتدأ أمرا من البر لم يعرفه قومه فاستسنوا به وسلكوه۔

حدیث میں بھی بار بار سنت اور اس کے مشتقات کا ذکر آتا ہے۔ اصل لغت میں سنت بمعنی "طریقہ" اور "سیرت" آتا ہے لیکن شریعت میں جب مطلقاً سنت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی صرف ان اوامر و نواہی کے ہوتے ہیں جن کا آپ نے قولاً یا فعلاً حکم دیا اور ان کی طرف دعوت دی جو قرآن میں صراحتاً مذکور نہیں اسی لئے دلائل شرعیہ میں جب کتاب و سنت کا ذکر آتا ہے تو اس سے قرآن و حدیث مراد ہوتے ہیں۔ سنت اور سُنَن کے معنی (مطلقاً) "طریقہ" کے ہیں چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "کوئی ایسا بہادر نہیں ہے؟ جو انہی کے طریق پر ہماری طرف سے جواب دے"۔ تہذیب اللغۃ ازہری (متوفی ۲۵۶ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں، سنت کے معنی "قابل ستائش سیدھا راستہ" بھی آتے ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اہل سنت میں سے ہے یعنی سیدھے راستہ پر چلنے والوں میں سے ہے یہ استعمال سُنَن سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "راستہ" شمر بن حمدویہ لغوی (متوفی ۲۵۶ھ) کہتا ہے لغت میں سنت کے معنی راستہ کے نشان کے ہیں یہ وہ راستہ ہوتا ہے جس پر پہلے لوگ چلتے آئے ہیں حتیٰ کہ وہ بعد میں آنے والوں کے لئے مسلک بن جاتا ہے محاورہ ہے "فلاں شخص نے خیر کا راستہ جاری کیا"۔ یہ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جس نے کسی ایسے نیک کام کی ابتدا کی ہو، جس سے لوگ واقف نہ ہوں اور اس کو دیکھ کر سب نے وہ کام اختیار کیا ہو اور اس کی پیروی کی ہو۔

(۷) علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی (متوفی ۱۲۰۵ھ) تاج العروس شرح قاموس میں لفظ سنت کے تحت لکھتے ہیں :-

(و) السنۃ (من اللہ) اذا اطلقت فی الشرع فانما یراد بہا (حکمہ وامرہ ونہیہ) مما امر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونہی عنہ وندب الیہ قولا وفعلا مما لم ینطق بہ الکتاب العزیز ولہذا یقال فی ادلۃ الشرع الکتاب والسنۃ ای القرآن والحدیث (ثم ذکر قول الراغب الاصفہانی و الشمر بن حمدویہ)

(اور) سنت (اللہ کی جانب سے) جب شریعت میں مطلقاً استعمال ہوتی ہے تو اس سے مراد صرف (اللہ تعالیٰ کے احکام اور امر ونہی) ہوتے ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً یا فعلاً امر فرمایا اور ان سے منع فرمایا اور جن کی ترغیب دلائی جو قرآن عزیز میں صراحتاً مذکور نہیں اسی لئے شریعت کے دلائل کے سلسلہ میں کتاب وسنت سے مراد قرآن وحدیث ہوتے ہیں (اس کے بعد امام راغب اصفہانی اور شمر بن حمدویہ کے وہ اقوال نقل کئے ہیں جن کا "مفردات" اور "لسان العرب" کے حوالوں میں ذکر آچکا ہے۔

ان اقتباسات کا تجزیہ

قدیم وجدید ائمہ وارباب لغت کے مذکورہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ (۱) ازروئے لغت لفظ سنت کے معنی ہیں الطریقۃ المسلوکۃ (عام راستہ) خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا جیسا کہ ابن درید کے بیان سے واضح ہے لیکن جن حضرات نے سنت کے لغوی معنی طریقہ حسنہ یا طریقہ مستقیمہ کئے ہیں اور اس کو "خیر" کے ساتھ مخصوص کیا ہے جیسا کہ ابو المنصور ازہری اور علامہ زمخشری کے بیان سے ظاہر ہے وہ اس لفظ سنت کے طریقہ سیئہ یا سیرت سیئہ میں استعمال کو توسّع اور مشاکلت پر مبنی قرار دیں گے جیسے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا میں جزاء کے لئے سیئہ کے لفظ کا استعمال۔ حدیث میں بھی لفظ سنت اس لغوی معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے جیسا کہ ابو منظور افریقی وغیرہ کے بیان اور کتب حدیث سے واضح ہے۔ قرآن حکیم میں بھی عموماً لفظ سنت اسی لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن ابو الحسن لحیانی صاحب النوادر اور صاحب قاموس فیروزآبادی اور صاحب تاج العروس حافظ مرتضیٰ زبیدی کے بیان کے مطابق رسول اللہ کے جاری کردہ وہ احکامات جو قرآن کریم میں صراحتاً مذکور نہیں وہ بھی سنت اللہ کا مصداق ہیں اس لئے کہ آپ

نے وہ احکام اللہ کے حکم سے ہی جاری کئے ہیں جیسا کہ آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

سنت من ارسلنا قبلك من رسلنا ولن تجد لسنتنا تحویلا (سورۂ بنی اسرائیل)

تم سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے ان کی سنت (شریعت) اور تم ہماری سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے "سُنّتِ رسل" کو اپنی سنت قرار دیا ہے۔

قرآن کریم میں لفظ سُنّت کا استعمال

قرآن کریم میں لفظ سنت یا اس کی جمع سُنن، مندرجہ ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) سورۂ آل عمران میں غزوۂ احد کے سلسلہ میں ارشاد ہے :-

قد خلت من قبلکم سُنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین (آل عمران ع ۱۴)

بیشک تم سے پہلے (انبیا اور اُن کی فرمانبردار، نافرمان اُمتوں کے) بہت سے طریقے (اور واقعات) گذر چکے ہیں (ذرا) زمین میں گھوم پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا ہے؟

اس آیت کریمہ میں سنن سے مراد امم سابقہ کی سرکش و نافرماں قوموں کے وہ طریق کار اور طرزِ عمل ہیں جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت اور تکذیب میں وہ ہمیشہ اختیار کرتی اور اُن کے اور ان کے پیروؤں کے ساتھ جنگ کرتی رہی ہیں اور انجام کار اس کی پاداش میں وہ ہلاک و برباد ہوئی ہیں۔

(۲) سورۂ نساء میں عورتوں کی تحریم و تحلیل کے احکام تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

یرید اللہ لیبین لکم ویھدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم واللہ علیم حکیم (النساء ع ۵)

اللہ چاہتا ہے کہ بیان کردے اور بتلادے تم کو تم سے پہلی اُمتوں کے طریقے (اور احکام) اور تمہیں (گناہوں اور نافرمانیوں سے) توبہ کی راہ بتادے اور اللہ تو وسیع علم اور بڑی حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں سنن کا مصداق امم سابقہ کی مطیع و فرمانبردار قوموں کے وہ طریقے

اور "احکام شرعیہ،، مراد ہیں جو شرائع سابقہ (پہلی شریعتوں) میں نافذ اور جاری رہے ہیں اور اُن پر چل کر انہوں نے دینوی اور اخروی فوز و فلاح حاصل کی ہے۔

(۳) سورۂ انفال میں غزوۂ بدر کے پیش آمدہ عواقب و نتائج پر متنبہ فرمانے کے بعد ارشاد ہے:

قل للذین کفروا:	(اے نبی) ان کافروں سے کہدو: اگر وہ (اب بھی کفر اور
ان ینتھوا یغفر لھم	اسلام دشمنی سے) باز آجائیں تو جو (اب تک) ہو چکا ہے
ما قد سلف	وہ معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ (باز نہ آئے اور پھر
وان یعودوا فقد مضت	لڑنے کے لئے) لوٹے تو (بدر و احد میں) پہلوں کا طریقہ
سنۃ الاولین	(اور انجام) گذر چکا ہے (جو اُن کا حشر ہوا وہی ان کا
(انفال ع ۵)	بھی ہوگا)

اس آیت کریمہ میں سُنت الاولین سے امم سابقہ نیز اس اُمت کے کفار و مشرکین مکہ کا وہ طرز عمل مراد ہے جو انہوں نے انبیاء سابقین نیز رسول اللہ (صلی اللہ علیہم اجمعین) کی مخالفت و عداوت میں اختیار کیا جس کے نتیجہ میں وہ لڑائیوں میں مارے گئے اور جہنم رسید ہوئے۔

(۴) سورۃ الحجر میں مکذبین اُمم سابقہ کے کفر و استہزاء کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہے:

کذلک نسلکہ فی قلوب	ہم اسی طرح اس (کفر و استہزاء) کو مجرموں کے دلوں
المجرمین لا یومنون بہ	میں داخل (جاگزیں) کر دیتے ہیں وہ اس (نبی)
وقد خلت سنۃ الاولین	پر ایمان نہیں لاتے پہلی قوموں کی راہ پڑ چکی ہے
(الحجر ع ۱)	(اسی پر یہ بھی چل رہے ہیں)

اس آیت کریمہ میں بھی سنت الاولین سے کفار اُمم ماضیہ (گذری ہوئی اُمتوں کے کافروں) کا طریق کار کفر و استہزاء مراد ہے جس کی پاداش میں وہ قہر خداوندی میں پکڑے گئے اور ہلاک و برباد ہوئے۔

(۵) سورۃ الاسراء میں مشرکین مکہ کے آپکو گمراہ کرنے یا مکہ سے نکال دینے کی کوشش اور آپکی راہ حق پر ثابت قدمی کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہے:۔

سنۃ من قد ارسلنا	تم سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے ان کی سُنت اور تمہارے
قبلک من رسلنا ولا تجد	طریق کار میں کوئی تغیر نہ پاؤ گے۔

لسنتنا تحویلا

(الاسراء ع ۸)

اس آیت کریمہ میں دو جگہ لفظ سنت آیا ہے (۱) ایک سنۃ من قد ارسلنا من رسلنا میں اس سے مراد سنن انبیاء سابقین ہیں جن میں راہ حق پر ثابت قدمی اور اللہ تعالیٰ کی تثبیت (ان کو ثابت قدم رکھنا) بھی شامل ہے مزید امور کا ذکر احادیث میں سنن المرسلین کے عنوان سے آتا ہے (۲) اور دوسرے لسنتنا میں اس سے سنت اللہ مراد ہے یعنے انبیاء کرام کی حفاظت وحمایت فرمانا اور اُن کے مخالف کفار ومشرکین کو ذلیل وخوار کر کے ہلاک کر دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ابتداء بعثت انبیاء ورسل سے دائمی اور مستمر طرز عمل اور طریق کار چلا آتا ہے

(۶) سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ کفار ومشرکین مکہ پر اتمام حجت کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں:

وما منع الناس ان	اور نہیں روکا لوگوں کو۔ جبکہ ان کے پاس ہدایت
یومنوا اذ جاءھم الھدیٰ	آگئی۔ اُس پر ایمان لانے اور اپنے پروردگار سے
ویستغفروا ربھم	معافی چاہنے سے اس کے سوا کسی چیز نے کہ انکے پاس
الا ان تاتیھم سنۃ	پہلی (کافر) قوموں (کے ساتھ اللہ) کا طریق کار آجائے،
الاولین او یاتیھم	(ان کا سا معاملہ ان کے ساتھ بھی کیا جائے) یا
العذاب قبلا (الکہف ع ۸)	عذاب ان کے رُو دررُو آجائے۔

اس آیت کریمہ میں سنت الاولین سے اللہ تعالیٰ کا وہ معاملہ مراد ہے جو وہ پہلی قوموں کے شرک وکفر اور جحود وعناد کی پاداش میں ہمیشہ سے ان کے ساتھ کرتا رہا ہے اور اُس کے نتیجہ میں وہ ہلاک وبرباد ہوتی رہی ہیں۔

(۷) سورۃ الاحزاب میں بھی سنت کا لفظ دو جگہ آیا ہے (۱) ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب مطلقۂ زید بن حارثہ کے ساتھ نکاح کر دینے کے بعد معترضین کا منہ بند کرنے کی غرض سے ارشاد ہے:

ما کان علی النبی من حرج فیما	نبی پر اُس کام میں کوئی حرج (اور مضائقہ) نہیں جو
فرض اللہ لہ سنۃ اللہ فی الذین	اللہ نے اس کے لئے مقرر فرما دیا۔ اللہ کا طریقہ

خلوا من قبل وکان امر اللہ قدرا مقدورا (الاحزاب ع ۵)
(رہا ہے) ان (نبیوں) کے بارے میں جو پہلے گذر چکے ہیں اور اللہ کا طے شدہ حکم تو ہو کر رہتا ہے

اس آیت کریمہ میں الذین خلوا من قبل سے انبیاء سابقین مراد ہیں اور ان کے بارے میں اللہ کی سنت سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ خصوصی احکام ہیں جن کا تشریعی یا تکوینی مصالح کے تحت ان کو حکم دیا جاتا ہے اور وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں جیسے اس واقعہ میں اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کا آپ کو نہ صرف حکم دیا گیا بلکہ تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے خود ہی نکاح بھی کر دیا تاکہ نبی کی ذات سے ہی اس حکم شرعی کا نفاذ ہو جائے کہ متبنیٰ بیٹے کی بیوی حرام نہیں ہوتی چنانچہ ارشاد ہے:

زوجناکہا لکیلا یکون علی المومنین حرج (الاحزاب ع ۵)
ہم نے (خود) اس (زینب) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ ایمان والوں پر کوئی تنگی نہ (باقی) رہے۔

دوسری جگہ اسی سورت میں منافقین اور مرجفین (جھوٹی خبریں اڑانے والوں) کو سختی کے ساتھ مسلمان عورتوں کو ستانے، چھیڑ چھاڑ کرنے یا مسلمانوں کے متعلق جھوٹی خبریں اڑانے سے منع فرمانے کے بعد ارشاد ہے:

لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبہم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بہم ثم لا یجاورونک فیہا الا قلیلا ملعونین، اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (الاحزاب ع ۱۲)

یقیناً اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے، اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے (اپنی حرکات سے) باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے (اور مدینہ سے ان کو نکال دینے پر مامور کر دیں گے) پھر وہ چند دن سے زیادہ (مدینہ میں) تمہارے ساتھ نہ رہ پائیں گے (وہ بھی) پھٹکار مارے۔ جہاں بھی وہ پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور بُری طرح قتل کر دیے جائیں گے (جیسا کہ) اللہ کا طریقہ گذری ہوئی قوموں میں (رہا ہے) اور اللہ کے طریقہ (اور دستور) میں تم تبدیلی ہرگز نہ پاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں دونوں جگہ سنت اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا مفسدوں کو اخراج بلد

(شہر بدر کرنے) اور قتل کرڈالنے کا حکم ہے یعنے مفسدوں اور فتنہ انگیز لوگوں کو اپنی حرکات سے باز نہ آنے کی صورت میں شہر بدر کرنے اور قتل کرڈالنے کا حکم اُدیان واُمم سابقہ میں بھی معمول رہا ہے

(۸) سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ کے ایک فریب اور جھوٹ کی — کہ اگر ہمارے لئے نبی بھیجا گیا تو ہم سب امتوں سے زیادہ اس کی پیروی کریں گے — حقیقت بے نقاب کردینے کے بعد فرماتے ہیں:

فهل ينظرون الا سنة الاولين؟ فلن تجد لسنة الله تبديلا ولن تجد لسنة الله تحويلا (فاطر ع ۵)

تو کیا وہ پہلی قوموں کے طریق کار ہی کا انتظار کر رہے ہیں؟ تو (یاد رکھو تم اللہ کے (مستمر) طریق کار میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور نہ تم اللہ کے طریق کار کو ٹلتا ہوا پاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں بھی سنت الاولین سے کفار اُمم سابقہ کا مستمر طریق کار اور دائمی طرز عمل مراد ہے یعنے مکروفریب اور جھوٹ بولنا اور سنت اللہ سے ایسی اُمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دائمی طرز عمل اور طریق کار مراد ہے یعنے ان کو رسوا کرنا اور دُنیا وآخرت میں اس مکروفریب اور جھوٹ کی عبرتناک سزائیں دینا کہ دونوں معاملے ہمیشہ ہوئے ہیں آج کوئی نئی بات نہیں ہے۔

(۹) سورۃ المومن میں اللہ تعالیٰ عذاب الٰہی کے آجانے کے بعد ایمان لانے کے بیکار اور غیر مفید ہونے کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہمیشہ تم جیسی کافر و سرکش قومیں عذاب الٰہی کو دیکھ کر ایمان لائی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت کا ایمان کبھی مقبول و معتبر نہیں ہوا۔ یہی اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ کا دستور العمل اور معمول رہا ہے ارشاد ہے:

فلم يك ينفعهم ايمانهم لما رأوا بأسنا سنت الله التى قد خلت فى عباده (المومن ع ۹)

پس ان کا اس وقت ایمان لانا جبکہ انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا کچھ ان کے لئے مفید نہیں ہوا اللہ کے اُس طریق کار (اور معمول) کے مطابق جو اس کے بندوں کے درمیان چلا آیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں سنۃ اللہ سے اللہ کا وہ ازلی و ابدی حکم مراد ہے جو تمام اُمم سابقہ میں معمول رہا ہے کہ ایمان عند البأس (عذاب سامنے آجانے کے وقت کا ایمان) معتبر نہیں ہے۔

(۱۰) سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ حملہ آور کفار مکہ کے حملے سے بچانے کے انعام واحسان کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

ولو قاتلکم الذین کفروا لولّوا الادبار	اور اگر ان کافروں نے تم سے جنگ کی تو یقیناً وہ پشت
ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا سنۃ	پھیر کر بھاگیں گے اور پھر وہ نہ اپنا کوئی حامی پائیں گے
اللہ التی قد خلت من قبل ولن	نہ مددگار۔ یہ اللہ کا (دائمی) طریق کار ہے اور تم اللہ کے
تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (الفتح ۲۳)	معمول اور طریق کار میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں بھی سنت اللہ سے اللہ تعالیٰ کا ایک دائمی اور مستمر معاملہ اور دستور العمل مراد ہے کہ جب بھی اہل حق اور اہل ایمان کے مقابلہ پر کفار ومنکرین میدان جنگ میں آئے ہیں آخر کار سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے ہیں۔ میدان جنگ میں مومنوں اور فرمانبرداروں کو فتح وظفر اور کافروں اور سرکش نافرمانوں کو شکست دینا اللہ تعالیٰ کا دائمی دستور العمل ہے۔

تحلیل وتجزیہ

قرآن عظیم کی مذکورہ بالا دس سورتوں میں سولہ[۱۶] جگہ لفظ سنت یا اس کی جمع سُنن آیا ہے ان استعمالات پر غور کرنے سے، پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ سنت یا سُنن کا لفظ اضافت کے بغیر استعمال نہیں ہوتا جہاں لفظوں میں اضافت نہیں ہے وہاں معنی کے اعتبار سے اضافت ضرور ہے سیاق وسباق (آگے پیچھے کے بیان) سے معلوم ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ قرآن کریم میں سنت یا سنن کی اضافت یا اللہ کی طرف ہوئی ہے یا، الاولین اور الذین خلوا من قبل کیطرف لیکن اس لفظ کے دو مصداق ہیں ایک انبیاء ومرسلین دوسرے اُمم سابقہ۔ اُمم سابقہ کے پھر دو مصداق ہیں ایک مومنین ومطیعین دوسرے کفار ومنکرین۔ لہذا اضافت کے اعتبار سے قرآن کریم میں سُنّت کی چار قسمیں ہیں (۱) سنت اللہ (۲) سنت المرسلین (۳) سنت المومنین (۴) سنت المنکرین۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

سنت اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے نافرماں یا فرمانبردار بندوں کے ساتھ وہ دائمی اور مستمر معاملہ ہے جو تمام اُمم سابقہ میں بھی اور اس اُمت میں بھی برابر جاری وساری رہا ہے (۱) نافرمانوں اور منکروں کو ان کی سرکشی ونافرمانی اور کفر وشرک پر دُنیوی سزائیں دینا، ذلیل ورسوا کرنا، اہل ایمان

کے ساتھ لڑائیوں میں ان کو پسپا کرنا، شکست دینا، مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے متعلق مناسب اور ضروری احکام — اخراج بلد، گرفتاری، قتل وغیرہ — نافذ کرنا۔

(۲) ایمان لانے والوں اور فرمانبرداروں کی دینوی اور اخروی فوز و فلاح کے لئے "احکامات شرعیہ" نازل فرمانا اور کفار و معاندین کے مقابلہ پر ان کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمانا۔

اُمم سابقہ میں — اور اس امت میں بھی — دونوں قسم کے لوگ ہوئے ہیں، منکرین و مکذبین بھی اور مطیعین و مومنین بھی مگر دونوں کے طریق کار اور طرز عمل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوئے ہیں۔ سرکش و نافرماں کافر قوموں نے ہمیشہ انبیاء و مرسلین کی تکذیب اور احکام الٰہیہ کی مخالفت و نافرمانی کی ہے اور اس کی پاداشں میں تباہ و برباد ہوئی ہیں۔ مومنین و مطیعین نے ہمیشہ انبیاء و رُسُل کی تصدیق کی ہے اُن پر ایمان لائی ہیں اور احکام الٰہیہ کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں دینوی اور اخروی فوز و فلاح سے سرفراز ہوئی ہیں لہٰذا ہر گروہ کی سنت سے اس گروہ کا طریق کار اور طرز عمل مراد ہے جسکی تفصیل اللہ تعالیٰ نے تذکیر بایّام اللہ کے تحت نہایت وضاحت اور دلائل و براہین کے ساتھ بیان کی ہے اور یہی لفظ سنت کے لغوی معنی ہیں جس کی تفصیل آپ لغوی تحقیق کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔ آیات نمبر (۱) و (۳) و (۴) و (۵) و (۶) و (۸) و (۹) و (۱۰) میں

آیت کریمہ نمبر (۲) میں — سیاق و سباق کے قرینہ سے — سنن الذین من قبلکم سے اُمم سابقہ کے وہ احکام شرعیہ — خصوصاً عورتوں کی تحریم و تحلیل سے متعلق احکام — مراد ہیں جو اں اُمتوں میں جاری اور نافذ رہے ہیں اس اعتبار سے کہ ان کو اں امتوں میں انبیاء مرسلین لیکر آئے ہیں ان کو سنن مرسلین بھی کہا جا سکتا ہے بہرحال ان سُنن کا مصداق امم سابقہ کے احکام شرعیہ ہیں۔

آیت کریمہ نمبر (۵) میں سنۃ من قد ارسلنا من رسلنا سے انبیاء مرسلین کی سنتیں یعنی احکام شرعیہ مراد ہیں جن کو وہ لیکر آئے ہیں اور خود بھی انہوں نے اُن پر عمل کیا ہے اور ان کی امتوں نے بھی — جن میں راہ حق پر ثابت قدمی اور اعداء دین کے کھنے میں نہ آنا بھی داخل ہے —

---

۵ سنتنا میں ۱۲

انبیاء مرسلین کے انھیں احکام شرعیہ کو احادیث میں سنن المرسلین سے تعبیر کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ احکام کی نشاندہی فرمائی ہے۔

آیت کریمہ نمبر (۷) میں بھی سنت اللہ فی الذین خلوا من قبل سے انبیاء سابقین علیہم السلام سے متعلق خصوصی احکام الٰہیہ مراد ہیں اور اسی سورۃ کی آیت نمبر (۷) میں — سنۃ اللہ سے ایک حکم خداوندی — مفسدین کا اخراج بلد، گرفتاری اور قتل مراد ہے جو اُمم سابقہ میں جاری رہا ہے۔

واضح ہو کہ یہ سنت یا سنن وہی اُمم سابقہ کے احکام شرعیہ ہیں جن کو انبیاء مرسلین اپنے اپنے عہد میں لیکر آئے ہیں اور ہر امت ان احکام شرعیہ کی پابند اور متبع رہی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا (مائدہ ع ۷)	ہم نے تم میں سے ہر ایک امت کے لئے ایک شریعت اور دستور العمل تجویز کیا ہے۔

اور آخر میں انبیاء سابقین و اُمم سابقہ کی شرائع (شریعتوں) کی طرح خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک مستقل شریعت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے جس کو آپ لیکر آئے ہیں اور اسی نسبت سے آپ صاحب شریعت رسول ہیں ارشاد ہے۔

ثم جعلناك علی شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یومنون (الجاثیہ ع ۲)	پھر (سب کے بعد) ہم نے تم کو دین کی ایک مستقل شریعت پر مامور کیا ہے پس تم اس کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کرو جو ایمان نہیں لاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شریعت (سنت) جس کے اتباع کے آپ مامور ہیں اور آپ کی اُمت بھی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے سنت کے بجائے ما اتاکم الرسول یا اسوۃ حسنۃ یا الحکمت یا ما انزل الیك یا ما نزل الیھم وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں اس کی تفصیل اور ان تعبیرات کی حکمت و مصلحت کا بیان قرآن کریم میں سنت رسول کا مصداق کے ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

*****

شریعت کی اصطلاح میں، لفظ سنت کے معنی اور مصداق

شریعت کی اصطلاح میں مطلقاً سنت کے معنی صرف "سنت رسول اللہ" کے ہیں۔ سنت کے اصطلاحی معنی ہیں جیسا کہ امام راغب اصفہانی ابن اثیر جزری اور ابو منظور افریقی کی تصریحات سے واضح ہے کہ جس طرح اصطلاحِ شریعت میں "کتاب" سے مراد کتاب اللہ اور قرآن ہے اسی طرح "سنت" سے مراد سنت رسول اللہ اور حدیث ہے۔ وھٰذا اما کنا بصدد
اس سنت کے مصادیق و مشمولات یعنی وہ امور جو اس سنت کے ذیل میں آتے ہیں حافظ ابن اثیر جزری علامہ ابن منظور افریقی اور حافظ مرتضیٰ زبیدی کے بیان کے مطابق تو "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر و نواہی اور افعال و اعمال ہیں خصوصاً وہ جو قرآن میں مذکور نہیں" لیکن امام راغب سنۃ النبی کی تعبیر "طریقتہ التی کان یتحراھا" سے کرتے ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ پیغمبرانہ اعمال و اخلاق جو آپ بالقصد والارادہ اختیار فرماتے تھے اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ بھی سنت کا مصداق ہوگی جس کو قرآن حکیم میں "اسوۂ حسنۃ" سے تعبیر فرمایا ہے۔
لیکن جمہور محدثین و فقہاء کا مختار یہی ہے کہ سنت اور حدیث (مرفوع) مترادف ہیں اور وہ سنت کو حدیث کے معنی میں ہی استعمال کرتے ہیں چنانچہ بیشتر محدثین کی کتب حدیث کے نام اسی بنا پر "سنن" پر رکھے گئے ہیں جیسے سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن دارمی، سنن دارقطنی وغیرہ، اور متعدد قدیم وجدید محدثین نے اپنی تصانیف کا نام کتاب السنۃ رکھا ہے۔

سنت اور حدیث میں فرق

لیکن جو حضرات محدثین سنت اور حدیث میں فرق کرتے ہیں وہ حدیث کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ وحی ترجمان سے نکلے ہوئے اقوال (اوامر و نواہی) کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں بالفاظ دیگر صرف "قولی یا تقریری" روایات کو "حدیث" کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر شدہ اعمال و اخلاق کو "سنت" کہتے ہیں بالفاظ دیگر صرف فعلی روایات کو سنت کہتے ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ قول و فعل و خلق جو نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے سرزد یا ثابت ہو وہ آپ کی نسبت سے آپ کی "سنت" ہے اور جب کوئی صحابی یا راوی زبان مبارک

سے اس بات کو سنکر یا ذات گرامی کو وہ کام کرتا ہوا دیکھکر روایت کرے تو وہ ہی "حدیث" کہلاتی ہے۔ (یہی حدیث کے لغوی اور عرفی معنی کا تقاضا ہے)

اس تحقیق کے اعتبار سے سنت و حدیث میں فرق صرف مفہوم کے اعتبار سے ہے مصداق دونوں کا بالکل ایک ہے یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل اور عمل و خلق نیز ہر بیان سکوتی (تقریر) آپکی سُنّت ہے اور وہی حدیث ہے

مذکورہ بالا بیان کے اعتبار سے ایک حدیث اگر آپ کے متعدد اقوال یا افعال یا اخلاق کے بیان پر مشتمل ہو تو چند سنتوں پر مشتمل ہوسکتی ہے۔ یہی مطلب ہے امام احمدؒ کے اس قول کا "یہ حدیث پانچ سنتوں پر مشتمل ہے"[1]

محدثین اور ائمہ مجتہدین و فقہا کے نزدیک سُنّت کے اصطلاحی معنی

چونکہ علماء دین یعنی محدثین، ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کے اغراض و مقاصد اور موضوع بحث الگ الگ ہیں اس لئے ان حضرات کی اصطلاح میں سنت کی تعریف میں بھی کسی قدر فرق اور اختلاف ہے

۱۔ وہ محدثین و ارباب سیر جن کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل حیات طیبہ کو محفوظ و مرتب کرنا ہے وہ سنت کی حسب ذیل تعریف کرتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمامتر اقوال و افعال، اعمال و اخلاق اور ظاہری و باطنی جسمانی و روحانی محاسن و شمائل اور ولادت سے لیکر وفات تک کے تمامتر احوال کا مجموعہ "سنت" ہے خواہ ان سے کوئی حکم شرعی ثابت ہو یا نہ ہو۔ اس تعریف کے اعتبار سے رسول اللہ کی سیرت طیبہ بھی سنت کے تحت آجاتی ہے۔

۲۔ وہ محدثین اور ائمہ مجتہدین جن کا مطمح نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی زندگی کو مدوّن و مرتب کرنا اور اُس سے احکام شرعیہ کا استخراج و استنباط کرنا ہے وہ سنت کی تعریف حسب ذیل کرتے ہیں:

---

[1] واضح ہو کہ دشمنان سنت و حدیث مستشرقین اور ان کی نقالی کرنے والے مستغربین یعنے ڈاکٹر شاخت اور انکے معنوی و روحانی شاگرد ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے امام احمدؒ کے اسی قول سے حدیث و سنت کے درمیان فرق اور تغایر ثابت کرکے علم مصطلح حدیث سے اپنی ناواقفیت و جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ ۱۲ (ملاحظہ فرمائیے فکر و نظر ص ۱۶۱ ش ۳ ج ۲ ماہ ستمبر ۱۹۶۲ء)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام اقوال و افعال اور تقریر ا بیان سکوتی کا
جو احکام شرعیہ کا ماخذ ہوں خواہ وہ احکام صراحتاً قرآن حکیم میں مذکور ہوں یا نہ
ہوں - مجموعہ سنت ہے ای معنی اصطلاحی کے تحت کتاب اللہ "(قرآن) کے بعد دوسرا مصدر
تشریع یعنی ماخذ احکام شرعیہ "سنت" ہے".

۳- فقہاء امت کا موضوع معرفۃ النفس مالھا وما علیھا یعنی فعل اور ترک کے اعتبار سے بندہ کے افعال سے بحث کرنا ہے اس لئے وہ سنت کی تعریف حسب ذیل کرتے ہیں :-

"ہر وہ عمل جس کے ترک کرنے پر آخرت کا کوئی مواخذہ یعنی عذاب نہ ہو اور عمل کرنے
پر اجر و ثواب خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور شفاعت نصیب
ہو وہ "سنت" ہے۔ اسی طرح ہر وہ حکم جو سنت سے ثابت ہوا س کو بھی فقہاء "سنت"
کہتے ہیں"

ہمارا موضوع بحث تو اگرچہ "سنت کا مرتبہ بحیثیت ماخذ احکام شرعیہ" ہے لیکن رسول اللہ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کے واجب الاتباع یا لائق اتباع ہونے کو بھی ہم دلائل سے ثابت کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب .

تنبیہ :- تعریف سنت کے اس فرق و اختلاف سے یہ توہم ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ سنت کے معنی میں علماء دین میں کوئی اختلاف ہے - اس پر تو اُمت کا اتفاق و اجماع ہے کہ سنت سے مراد "سنت رسول اللہ" ہے مگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف شئون وحیثیات اور مختلف پہلو ہیں جس طبقہ نے جس حیثیت کو موضوع بحث بنانے کی سعادت حاصل کرنی چاہی اسی کی رعایت سے سنت کی تعریف کی تاکہ موضوع بحث کی طرف بھی اشارہ ہو جائے۔

ولقد صدق من قال : عباراتنا شتی وحسنك واحد

سنت خلفاء راشدین خلفاء اربعہ (حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی بن ابی طالب) رضوان اللہ علیہم اجمعین کے وہ اجتہادات جو یقیناً کتاب و سنت سے ہی ماخوذ و مستنبط ہوتے ہیں ان کے لئے بھی شریعت کی اصطلاح میں سنت کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی دو وجہ ہیں :-

۱۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عرباض بن ساریہ کی مذکورہ ذیل حدیث میں خلفاء راشدین کے لئے لفظ سنت استعمال فرمایا ہے اور انتہائی تاکید کے ساتھ اس کے اتباع کا حکم دیا ہے

فانہ من یعش بعدی فسیری	بیشک جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بکثرت (دین میں)
اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ	اختلافات دیکھے گا پس تم اپنے اوپر لازم کر لینا میری سنت
الخلفاء الراشدین المھتدین	کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو اسی سے
تمسکوا بھا وعضوا علیھا	استدلال کرنا اور اسکو دانتوں سے پکڑ لینا (مضبوطی کے
بالنواجذ۔ (اخرجہ ابوداؤد فی سننہ ج ۲ ص ۲۸۵)	ساتھ اس پر قائم رہنا)

۲۔ حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طول مصاحبت، ہمہ وقتی رفاقت، اور علوم وحی والہام سے غیر معمولی فطری مناسبت کی وجہ سے ایسا روحانی قرب و اتحاد حاصل ہو گیا تھا کہ ان کا علمی اور ذہنی مزاج تشریعی بن چکا تھا اور علل و اغراض تشریع احکام سے بخوبی واقف ہو چکے تھے بلکہ درحقیقت یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خارق العادۃ تعلیم و تربیت کا "زندہ معجزہ" تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا ارشاد گرامی اور وصیت اسی کی شہادت و توثیق ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی پیروی اور اتباع کا۔ ان کے ناموں کی تصریح کے ساتھ۔ حکم فرما دیا تھا بالفاظ دیگر اپنے بعد تشریع احکام شرعیہ کے منصب کے لئے ان کو نامزد کر دیا تھا۔ ارشاد ہے۔

عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ	حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صلی اللہ علیہ وسلم۔ لاادری	وسلم نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں میں کتنی مدت اور تمہارے
مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین	درمیان زندہ رہوں گا (موت زندگی کا کوئی بھروسہ
بعدی ابا بکر وعمر وفی روایۃ	نہیں) لہٰذا تم میرے بعد (دینی امور میں) ابوبکر و عمر کی
واشار الی ابی بکر وعمر	پیروی کرنا ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں
(اخرجہ الترمذی فی جامعہ ج ۲ ص ۲۲۹)	حضرات کی جانب اشارہ کرکے بتلایا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تشریعی مزاج کا تو یہ عالم ہے کہ آپ کی حیات میں ہی تقدیباً بیس

احکام — جو "موافقات عمرؓ" کے نام سے معروف ہیں — ایسے ہیں کہ ان کی مشروعیت سے پہلے حضرت عمر نے ان احکام کے نافذ کرنے کی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی اور اس کے موافق قرآن کریم کی آیات نازل ہوئی ہیں جن میں سے تین کا ذکر وہ خود اپنے رب جلّ مجدہ کے امتنان کے طور پر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

عن انس وابن عمر ان عمر قال وافقت ربی فی ثلٰث فقلت یارسول اللہ: لو اتخذنا من مقام ابراھیم مصلی فنزلت واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی وقلت: یارسول اللہ! یدخل علی نساءك البر و الفاجر فلو امرتھن تحتجبن فنزلت آیة الحجاب واجتمع نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الغیرة فقلت عسٰی ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن فنزلت کذلك وفی روایة فی اساری بدر (متفق علیہ)	حضرت انس رضؓ اور حضرت ابن عمر حضرت عمر فاروق رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے تین امور (احکام شرعیہ) میں اپنے رب سے موافقت کی ہے (یعنی جو میرے خیال میں آیا وہی اللہ کا حکم نازل ہوا) (۱) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اچھا ہو اگر ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالیں تو آیت کریمہ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی نازل ہوگی۔ (۲) میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کی ازواج مطہرات کے مکانات میں ہر طرح کے نیک و بد بُرے بھلے لوگ آتے جاتے ہیں اچھا ہو اگر آپ ان کو پردہ کا حکم دیدیں تو آیت حجاب نازل ہوگئی (۳) ازواج مطہرات نے اپنے نفقات میں اضافہ کا سختی کے ساتھ مطالبہ کیا اس پر میں نے ان سے کہا: کچھ بعید نہیں کہ آپ تم سب کو طلاق دیدیں اور اللہ تمہاری جگہ تم سے بہتر بیویاں آپ کو دیدے چنانچہ ایسے ہی آیت (احزاب ع۴) نازل ہوگی اور ایک روایت میں تیسرا واقعہ بدر کے قیدیوں کا ہے۔

نہ صرف یہ موافقت بلکہ خود رسول اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس تشریعی مزاج کی ذیل کے الفاظ میں شہادت دی ہے، ارشاد ہے:

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ	حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ (رواہ الترمذی) وفی روایۃ ابی داؤد: وضع الحق علی لسان عمر یقول بہ۔

فرمایا: اللہ نے حق کو عمر کی زبان و دل پر مسلط کر دیا ہے اور ایک روایت میں ہے: حق کو عمر کی زبان پر رکھدیا ہے (اس لیے) وہ ہمیشہ حق بات ہی کہتے ہیں۔

اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا

لو کان بعدی نبی لکان عمر (رواہ)

اگر (بالفرض) میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

چنانچہ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ (امام العصر حضرت مولانا وسیدنا الشیخ محمد انور شاہ الکشمیری قدس اللہ روحہ) جامع ترمذی کے امالی میں مذکورہ بالا حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

وفی شرح ھذا الحدیث قولان: (۱) قیل ان سنۃ الخلفاء الراشدین و الطریقۃ المسلوکۃ عنھم ایضا سنۃ ولیس ببدعۃ (۲) وقیل ان سنۃ الخلفاء فی الواقع سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما ظھرت علی ایدیھم (۳) ویمکن لنا ان نقول ان الخلفاء الراشدین مجازون فی اجراء المصالح المرسلۃ وھذہ المرتبۃ فوق مرتبۃ الاجتھاد ودون مرتبۃ التشریع والمصالح المرسلۃ الحکم علی اعتبار علۃ لم یثبت اعتبارھا من الشارع وھذا جائز للخلفاء الراشدین لا لمجتھدین (۴) وزعم البعض ان الخلفاء الراشدین

اس حدیث کی شرح میں (علماء کے) دو قول (مشہور) ہیں (۱) بعض نے کہا ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت اور ان کا مختار طریقہ بھی (رسول اللہ کے فرمان کی بنا پر) سنت ہی ہے بدعت نہیں (۲) بعض نے کہا ہے کہ سنت خلفاء درحقیقت رسول اللہ کی سنت ہی ہوتی ہے صرف اس کا ظہور خلفاء کے ہاتھ پر ہوتا ہے (۳) ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں (یہ تیسرا اور تحقیقی قول ہے) کہ خلفاء راشدین مصالح مرسلہ (کی بنا پر احکام) کے اجرا کے مجاز ہیں۔ یہ مرتبہ "اجتہاد" سے اوپر اور "تشریع" سے نیچے ایک مرتبہ ہے (اور خلفاء راشدین کے ساتھ مخصوص ہے) مصالح مرسلہ کے اعتبار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی علت کی بنا پر احکام جاری کر دینا جس کا اعتبار کرنا (اور اس کے تحت احکام جاری کرنا) شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہ ہو، یہ (تصرف) صرف خلفاء راشدین کے لئے جائز ہے مجتہدین اس کے مجاز نہیں (۴) بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ خلفاء راشدین صرف اسی کے

لیس لهما الا ما للمجتهدین وهذا غیر صحیح وبعض مسائل ابی حنیفة تدل علی ان لهم مساغ فی اجراء المصالح المرسلة وعض علیها بالنواجذ۔
(العرف الشذی ص)

مجاز ہیں جس کے مجتہدین مجاز ہیں (اور ان میں اور مجتہدین میں کوئی فرق نہیں) یہ قول صحیح نہیں ہے، نصوص شرعیہ کے خلاف ہے، تام ابوحنیفہ رہ کے بعض مسائل اس پر دال ہیں کہ خلفاء اربعہ مصالح مرسلہ کے اجرا کے مجاز ہیں اور اس اصل کو امام ابوحنیفہ رہ نے دانتوں سے پکڑا ہوا ہے (اور سختی سے اس پر کاربند ہیں)

بہرصورت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد گرامی کے مطابق سنت خلفاء راشدین پر بھی شرعاً سنت کے لفظ کا اطلاق جائز اور سنت رسول میں شامل ہے۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کا مانعین زکوٰۃ (زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں) کو مرتد قرار دے کر ان سے قتال کرنا اور فرمانا۔

واللہ لو منعو نی عقالا کانوا یودونها الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتهم (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸)

خدا کی قسم کہ وہ (اونٹ تو کیا) اگر ایک اونٹ کی رسی بھی دینے سے انکار کریں گے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا کرتے تھے (اور مجھے نہ دیں گے) تو میں ان سے جنگ کرونگا

"سنت صدیقی" ہے اور انکا یہ فیصلہ دین میں "قطع و برید" کا سدباب کر کے دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داخلی حفاظت کے سلسلہ میں عظیم الشان کارنامہ ہے۔

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کا رمضان المبارک کی راتوں میں علیحدہ علیحدہ قیام اللیل کرنے والوں کو اول شب میں ایک امام کے پیچھے جمع کر کے بیس رکعت تراویح مقرر فرما دینا "سنت فاروقی" کی متعدد مشہور و معروف مثالوں میں سے ایک مثال ہے اور مقبول ترین سنت، جو آج تک تمام عالم اسلامی میں دائر و سائر ہے۔

۳۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ کا نماز جمعہ کے لئے ایک اذان کا اضافہ فرمانا اور عالم اسلامی کے تمام مسلمانوں کو "علی لغۃ قریش" ایک مصحف امام پر جمع کر دینا اور باقی اُحْرف ستّہ (چھ لغات) اور دوسرے مصاحف سے تلاوت کو ممنوع قرار دیدینا اور مراکز اسلام مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں "مصحف امام" کی مصدقہ نقول بھجوا دینا "سنت عثمانی" ہے۔ جو کتاب اللہ کی وحدت

اور حفاظت کے سلسلہ میں محکم ترین کارنامہ ہے چنانچہ تمام دنیا میں اسی "مصحف امامؓ" کے مطابق قرآن پڑھا پڑھایا اور حفظ کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ رسم الخط بھی وہی محفوظ و برقرار ہے۔

۴۔ خوارج کو کافر و مرتد قرار دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ان سے قتال کرنا اور قرآن کریم کو "مؤولین" کی "تاویلوں اور تحریفوں" سے محفوظ کر دینا "سنت علی ابن ابی طالبؓ" ہے۔ اور یہ قرآن کے "معنی و مراد" کو نام نہاد مسلمان ملحدوں اور زندیقوں کی دستبرد اور دراندازی سے محفوظ کر دینا حضرت علی رضؓ کا ایسا عظیم کارنامہ ہے کہ رہتی دنیا تک اُمت کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے گا۔

سنت صحابہؓ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم[1] (رواہ فی المشکوٰۃ عن رزین باب مناقب الصحابہ)

لہٰذا عہد صحابہ میں مختلف فیہ مسائل میں صحابہ کرامؓ کا کسی امر پر اتفاق کر لینا اگرچہ وہ امر قرآن و حدیث میں منصوص نہ ہو قوی ترین اجماع اور حجت قطعی ہے اور سنت صحابہ رضؓ کا قوی ترین مصداق ہے اور اس کا خلاف کرنا ائمہ مجتہدین میں سے کسی بھی امام کے مذہب میں جائز نہیں، اس سنت صحابہؓ کی روشن ترین مثال "بیعت ابوبکر صدیق" رضی اللہ عنہ پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق و اجماع ہے چنانچہ باتفاق اُمت منکر خلافت ابوبکر رضؓ کافر ہے۔ باقی عدم اتفاق کی صورت میں بھی چونکہ صحابی کے قول اور فتوے کا مدار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نہ کسی حدیث پر ہی ہوتا ہے اگرچہ دوسرے صحابہ نے کسی بھی وجہ سے اُس حدیث پر عمل نہ کیا ہو یا وہ حدیث ان کو نہ پہنچی ہو اس لئے اُس کا اقتدا بھی درحقیقت اتباع سنت رسول اور موجب ہدایت ہے۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مذکورہ ذیل حدیث قدسی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مذکورہ بالا شرف اور منصب "اقتدا" اللہ تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے عطا ہوا ہے۔

---

[1] (ترجمہ) میرے صحابی ستاروں کی مانند (دنیا کو ضیا پاش) ہیں پس ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

روی الخطیب بسندہ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سألت ربی فیما اختلف فیہ اصحابی من بعدی فاوحی اللہ الی یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضہا اضوء من بعض (ولکل نور) مشکوٰۃ) فمن اخذ بشئی مما ھم علیہ من اختلافھم فھو عندی علی ھدی (کفایۃ للخطیب البغدادی ص ۴۸)

خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) اپنی کتاب کفایہ میں ص ۴۸ پر بسند حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی وفات کے بعد صحابہ کے اختلافات کے متعلق دریافت کیا تو میرے رب نے میرے پاس وحی بھیجی کہ: اے محمد تمہارے صحابی ہمارے نزدیک آسمان کے روشن اور ضیا پاش ستاروں کی مانند ہیں بعض، بعض سے زیادہ روشنی میں ہیں۔ (اور نور تو ہر ایک کے لئے ہے) لہٰذا ان کے درمیان مختلف فیہ امور میں جو شخص ان میں سے کسی کا قول بھی اختیار کریگا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔

اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تو اصول یہ ہے کہ مجتہد کے لئے خروج عن مذاہب الصحابہ جائز نہیں یعنی غیر منصوص، اور صحابہ میں مختلف فیہ مسائل میں تمام صحابہ کے اقوال و مذاہب کو یکسر ترک کر دینا اور اپنے اجتہاد و قیاس پر عمل کرنا جائز نہیں ہاں یہ اختیار ہے کہ ان میں سے جس صحابی کے قول اور مذہب کو زیادہ صحیح اور اقرب الی القیاس پائے اس کو ترجیح دے اور اختیار کرے یہی مطلب ہے امام صاحب کے مشہور و معروف مقولہ کا:

ما جاءنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلنا ہ علی الراس والعین وما جاءنا عن اصحابہ رحمہم اللہ اخترنا منہ ولم نخرج عن قولھم وما جاءنا عن التابعین فھم رجال ونحن رجال (اخرجہ ابن عبد البر

جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمارے پاس آئے گی ہم اسے سر آنکھوں پر قبول کریں گے، اور جو آثار صحابہ رحمہم اللہ کے ہمارے سامنے آئیں گے ہم ان میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دے کر اختیار کریں گے اور ان کے اقوال سے باہر نہیں نکلیں گے (یعنی ان سب کو چھوڑ کر اپنی رائے اور قیاس کو اختیار کرلیں ایسا نہیں کریں گے، اور جو اقوال تابعین رح کے ہمارے سامنے آئیں گے تو وہ بھی مرد میدان ہیں اور ہم بھی جیسے

فی الانتقاء ص ۲۳۴ باسانید مختلفة) | انھوں نے اجتہاد کیا ہے ہم بھی اجتہاد کریں گے۔ واضح ہو کہ امام صاحب خود بھی تابعین میں سے ہیں)

حافظ ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب الانتقاء ص ۱۴۴ پر مختلف اسانید کے ساتھ اس مقولہ کو امام ابو حنیفہ رح سے روایت کیا ہے۔

صحابہ کرام کی تعدیل وتزکیہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

محمد رسول الله والذین	محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار
معه اشداء علی الکفار	کے حق میں بہت سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر
رحماء بینهم تراهم رکعا	بغایت مہربان ہیں تم ان کو رکوع اور سجدہ کرتے
سجدا یبتغون فضلا من	(نماز پڑھتے) دیکھو گے (یہی ان کا شعار ہے) ان کا
الله ورضوانا سیماهم فی	مطلوب اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی ہے ان کی
وجوههم من اثر السجود۔ (سورۃ الفتح ۴)	شناخت ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان (انوار) ہیں

بہر حال قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا نصوص کی بنا پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتہادات وآراء، اُمت کے لئے سرچشمۂ ہدایت اور واجب الاتباع ہیں اسی لئے شریعت کی اصطلاح میں ان پر بھی سنت کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے مگر بہت کم اور خال خال[1]

سنت اہل مدینہ ائمہ مجتہدین میں سے صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ چونکہ مدینہ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دار ہجرت اور مہبط وحی الٰہی ہے اور بیشتر احکام شرعیہ کی تشریع اور نفاذ مدینہ سے ہی ہوا ہے اور اہل مدینہ ہی ان احکام کے سب سے پہلے مخاطب اور ان پر سب سے پہلے عمل کرنے والے ہیں اس لئے اہل مدینہ کا تعامل بھی مستقل، حجت شرعیہ اور سنت کا مصداق ہے یعنی کسی امر کا مدینہ میں معمول بہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ سنت رسول اللہ ہے اور توارث وتعامل کی بنا پر حدیث مشہور کے حکم میں ہے اسی لئے وہ اس

---

[1] جیسے کہ زید بن ثابت رض صحابی کے قول کو سعید بن مسیبؒ نے "سنت" سے تعبیر کیا جب کہ ربیعہ نے ان سے "أرش اصابع المرأة" (عورت کی انگلیوں کی دیت) کے متعلق دریافت کیا اور کہا کہ انها السنة یا ابن اخی۔ معانی الآثار طحاوی ص ۲۲۱ باب صفة الجلوس فی الصلوٰة۔

کے مقابلہ پر کسی بھی صحیح خبرِ واحد کے ترک کر دینے کو جائز سمجھتے ہیں چنانچہ وہ خود اپنی کتاب موطا میں — جو حدیث نہیں بلکہ فقہ مالکی کی سب سے پہلی مدون کتاب ہے — حدیث صحیح کو روایت کرتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے اور اس کے مقابلہ پر تعامل اہل مدینہ کو اختیار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ وھو السنۃ عندنا اسی لئے جتنی کثرت سے لفظ سنت موطا میں استعمال ہوا ہے، اور کسی بھی محدث یا امام مجتہد کی کتاب میں آپ کو نہ ملے گا اس لئے کہ کوئی بھی امام مجتہد اپنے اجتہاد یا اپنے اہل ملک کے "تعامل" کو سنت نہیں کہتا۔

مگر امام مالک اسی کے ساتھ ساتھ اس منزلت کو صرف مدینہ اور اہل مدینہ کی خصوصیت قرار دیتے ہیں اور کسی بھی اسلامی مرکز مثلاً اہل شام، اہل عراق، اہل مصر حتی کہ اہل مکہ کے تعامل کو بھی حجت نہیں مانتے (ملاحظہ فرمائیے مکتوب امام مالکؒ بنام امام لیث بن سعد امام مصر از ابوزہرہ کی کتاب مالک)

بہرحال یہ صرف امام مالکؒ کی رائے اور انہی کا مسلک ہے ائمہ مجتہدین میں سے بجز امام اوزاعی کے — کہ وہ بھی تعامل اہل شام و حجاز کو حجت مانتے ہیں — اور کوئی ان کا ہمنوا نہیں چنانچہ ان کے ہمعصر امام لیث بن سعدؒ نے (جو مجتہد مصر ہیں) اور امام شافعی رح (امام حجاز) نے جو ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں بڑی سختی سے اس کی مخالفت بلکہ تردید کی ہے (ملاحظہ فرمائیے امام شافعی کی کتاب الرسالۃ اور کتاب الام نیز مکتوب امام لیث رضؓ بنام امام مالکؒ)

تعامل اہل مدینہ کے حجت ہونے اور اس کے لئے لفظ "سنت" استعمال کرنے کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ تعامل اہل مدینہ چونکہ بطور توارث سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہوتا ہے اس لئے وہ ایک طرح سے سنت رسول اللہ کی حکایت اور بیان سکوتی ہے اور جب ایک صحابی کے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا و فعل کذا کی بنا پر اس کو سنت کہا جاتا ہے حالانکہ وہ خبر واحد ہے تو اہل مدینہ جو ہر زمانہ میں ایک جماعت کثیر اور جم غفیر ہوئے ہیں اُن کے اس تعامل اور سکوتی بیان کو سنت کیوں نہ کہا جائے۔ درحقیقت یہ تعامل حدیث مستفیض اور خبر مشہور کے حکم میں ہے۔ اسی لئے امام مالکؒ موطا میں تعامل مدینہ کے لئے کثرت سے وھو السنۃ عندنا اور ھکذا السنت عندنا کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور جب مسئلہ میں علماء و فقہاء اہل مدینہ متفق ہوتے ہیں وہاں

۔ ھو الامر المجمع علیہ عندنا کے الفاظ لاتے ہیں۔

امام مالکؒ کے اس استدلال سے یہ قطعی طور پر واضح ہے کہ وہ نہ سنت کے شرعی معنی میں کوئی تصرف کرتے ہیں اور نہ سنت کے ان کے نزدیک وہ مفہوم ہیں بلکہ انکے نزدیک بھی سنت کا مفہوم و مصداق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کچھ نہیں وہ صرف تعامل اہل مدینہ کو حکایت سنت قرار دے کر جس طرح ہم ایک حدیث اور خبر واحد کو سنت کہتے ہیں اسی طرح وہ اس تعامل کو سنت کہتے ہیں اور جس مسئلہ میں اہلِ مدینہ کا اتفاق و اجماع ہوتا ہے اس کو وہ الامر المجمع علیہ عندنا کہتے ہیں یعنی اس متفق علیہ تعامل کو اجماع سے تعبیر کرتے ہیں (مراجعت کیجئے الدیباج المذہب ص۱۵)

اور جب امام مالک رح اپنے زمانے کے دیگر مراکز بلاد اسلامیہ کے تعامل کو حجت اور "سنت" کہنے کے لئے تیار نہیں تو موطا میں ان کے لفظ سنت یا الامر المجمع علیہ کو دیکھ کر آج تیرہ سو برس بعد کسی شخص کا "عامۃ المسلمین" یا "جمہور مسلمین" کے تعامل کو سنت کہنا اور حجت ماننا، قائل کی کوتاہ نظری اور محدثین و مجتہدین کے علوم سے ناواقفیت و بے خبری کی دلیل ہے۔ انسان جب اپنے دائرہ سے باہر قدم رکھتا ہے تو ایسی ہی ٹھوکریں کھاتا ہے

بہرحال جمہور مجتہدین "تعامل" کو سنت کا مصداق اور حجت ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں (ملاحظہ فرمائیے امام شافعیؒ کی کتاب الام، الرسالہ اور قاضی ابو یوسفؒ کی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی)

اہل السنت والجماعت

مشہور و معروف حدیث "افتراق امت" مختلف الفاظ اور مختلف طرق (اسانید) سے چودہ[۱۴] صحابہ کرام سے مروی ہے اس حدیث میں "فرقۂ ناجیہ" (نجات پانے والا فرقہ) کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا علیہ واصحابی بیان فرمایا ہے، ما انا علیہ کا مصداق "سنت رسول اللہ" ہے اور ما علیہ اصحابی کا مصداق ہے "تعامل صحابہ"۔ اس لئے ما انا علیہ واصحابی کا مصداق وہی جماعت ہو سکتی ہے جو سنت رسول اللہ اور تعامل صحابہ کو حجت اور واجب الاتباع مانتی ہو۔

قرن اول کے وسط سے ہی خوارج، روافض اور غالی شیعہ وغیرہ گمراہ فرقوں کی ریشہ دوانیاں اور فتنہ سامانیاں ایک طرف محاذ جنگ پر مسلمانوں کے ساتھ قتل و قتال اور خونریزی کی شکل میں، دوسری طرف میدان مباحثہ و مناظرہ میں علماء حق کے ساتھ مناظروں اور مجادلوں کی شکل میں

رونما ہونے اور زور پکڑنے لگی تھیں اس لئے اہل حق نے اُمت کے اس "سوادِ اعظم" کے لئے جو ان فرقِ زائغہ سے دونوں محاذوں پر دست وگریباں اور ان کے استیصال و بیخ کنی میں مصروف تھا "اہل السنت والجماعت" کا نام بطور اصطلاح استعمال کرنا شروع کر دیا۔

اس لئے کہ خوارج تو واقعہ تحکیم (ثالث کا فیصلہ مان لینے) کی بنا پر تمام صحابہ اور عام مسلمانوں کو اسلام سے خارج اور کافر قرار دے چکے تھے۔ کافر کی روایت قبول کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لہٰذا خوارج نے سرے سے سنت اور حدیث رسول اللہ کی حجیت اور جماعتِ صحابہ کے ایمان و اسلام سے انکار کر دیا۔ روافض اور غالی شیعہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے محروم کر دینے پر بجز ائمہ اہلبیت کے باقی تمام صحابہ کو غاصب، خائن اور فاسق قرار دے چکے تھے۔ اور کسی راوی کی حدیث کے معتبر و مقبول ہونے کی پہلی شرط راوی کی عدالت ہے۔ فاسقِ مجاہر کی شہادت و روایت باتفاق امت مردود ہے لہٰذا انہوں نے بھی علاوہ ائمہ اہل بیت کے باقی تمام صحابہ کی عدالت و دیانت اور ان کی روایت کی حجیت سے انکار کر دیا۔ اسلام کی تاریخ میں سنت رسول اللہ اور جماعت صحابہ کی دیانت و عدالت کا سب سے پہلے انکار کرنے والے یہی دو فرقے ہیں۔ معتزلہ بھی چونکہ مرتکب گناہِ کبیرہ مسلمان کو اسلام سے خارج کہنے میں خوارج کے ہمنوا ہیں اس لئے اُن تمام احادیث کی صحت سے انکار کرنا ان کے لئے بھی ناگزیر تھا جو ان کے معتقدات کے خلاف ہیں خصوصاً گنہگاروں کی مغفرت اور شفاعت کی احادیث، اس لئے انہوں نے بھی سرے سے احادیث و اخبار آحاد کی حجیت سے انکار کر دینے میں ہی عافیت سمجھی۔ معتزلہ کے مدمقابل اور حریف نمبر سخت مرجئہ ہیں جو صرف ایمان کو نجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں ان کا کہنا ہے لا یضر مع الایمان معصیة کما لا ینفع مع الکفر طاعة۔ اس لئے وہ اُن تمام احادیث کے انکار پر مجبور ہوئے جو ترک اعمال صالحہ پر وعید اور عذاب جہنم کی خبر دیتی ہیں۔

غرض تمام فرقِ زائغہ آپس میں ایک دوسرے سے شدید ترین اختلافات کے باوجود عموماً حدیث رسول اللہ اور عدالت و دیانت جماعت صحابہ کے انکار پر سب متفق تھے ان کے مقابلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق۔

لا یزال طائفة من امتی یقاتلون میری اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ حق کی حمایت میں

علی الحق ظاہرین الی یوم القیامۃ (اخرجہ مسلم عن جابر بن عبد اللہ فی الصحیح) (عص)

جنگ کرتی رہے گی قیامت تک باقی اور نمایاں رہے گی

وایضا قال یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین (اخرجہ البیہقی فی المدخل عن)

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر آنے والی نسل کے ثقہ عالم اس علم دین کے حامل اور علمبردار بنتے رہیں گے غالی گمراہوں کی تحریفوں، باطل پرستوں کی افترا پردازیوں اور جاہلوں کی تاویلوں کی تردید وبیخ کنی کرتے رہیں گے (قیامت تک) (ابراہیم بن عبد الرحمن العذری)

علماء حق اور امت کا سواد اعظم تھا جو آپس میں فروعی اور جزوی اختلافات کے باوجود سنت رسول اللہ کی حجیت اور جماعت صحابہ کی عدالت و دیانت پر متفق و متحد تھا خواہ محدثین اور اہل ظاہر ہوں خواہ مجتہدین و فقہاء خواہ اشاعرہ ہوں خواہ ماتریدیہ، سب اس پر متفق تھے: السنۃ حجۃ شرعیۃ والصحابۃ کلھم عدول۔ اسی لئے اُمت نے ان کو "اہل السنت والجماعت" کے نام سے یاد کیا۔ خصوصاً جب تیسری صدی کے اواخر میں امام ابوالحسن اشعریؒ نے معتزلہ سے علیحدگی اختیار کرکے ان کی سرکوبی کا بیڑا اُٹھایا تو انھوں نے اپنی جماعت کا نام "اہل السنت والجماعت" رکھا اور اس وقت سے اس نام نے اہلِ حق اور سواد اعظم کے لئے ایک شائع ذائع اور مقبول اصطلاح کی حیثیت اختیار کرلی چنانچہ دستور العلماء کے مصنف عبد النبی احمد نگری اس لفظ کے تحت لکھتے ہیں:

اعلم ان الامام الاشعری رحمہ اللہ لما ترک مذھب استاذہ ابی علی الجبائی واشتغل ھو ومن تبعہ بابطال رای المعتزلۃ واثبات ما وردت بہ السنۃ ومضی علیہ الجماعۃ فسموا انفسھم اھل السنۃ والجماعۃ۔

واضح ہو کہ جب امام ابوالحسن اشعری نے اپنے استاد ابوعلی جبائی (امام الاعتزال) کا مذہب ترک کردیا اور وہ خود اور ان کے متبعین معتزلہ کے عقائد کے ابطال و تردید اور اس کے مقابلہ پر عقائد ثابتہ بالسنہ اور معتقدات صحابہ کا اثبات و تائید کے لئے کمربستہ ہوگئے تو انھوں نے اپنی جماعت کا نام "اہل السنت والجماعت" تجویز کیا۔

تنقیح و تجزیہ

لفظ سنت کے تمام مذکورہ بالا استعمالات کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ لفظ "سنت" کے حقیقی معنی شریعت کی اصطلاح میں صرف سنت رسول اللہ

کے ہیں، سنت خلفاء راشدین نص شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنا پر اس میں داخل ہے اور اسی معنی کے اعتبار سے سنت حجت اور ماخذ احکام شرعیہ ہے اس کے علاوہ جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے خواہ قرآن وحدیث میں ہو خواہ کسی امام مجتہد کے کلام میں وہ توسع اور تجوز پر مبنی ہے، یعنے سنت رسول اللہ سے کسی ادنیٰ مناسبت، یا تلابست (تعلق) کی بنا پر سنت کہہ دیا گیا ہے یا لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ وہ سنت کے حقیقی معنی ہیں اور نہ حجت شرعیہ۔

اجماع امت

تمام صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، فقہا، اصولیین، متکلمین، مورخین ارباب سیرت ولغت غرض جملہ طبقات اہل علم اس پر متفق ہیں اور ان کی تصانیف اس پر شاہد ہیں کہ شریعت کی اصطلاح میں جیسے کتاب کے معنی صرف کتاب اللہ اور قرآن کے ہیں اسی طرح سنت کے معنی صرف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور یہی سنت حجت شرعیہ اور کتاب اللہ کے بعد دوسرا ماخذ احکام شرعیہ ہے۔

ایک نئی مگر انتہائی خطرناک "دریافت"

ایسی صورت میں" اسلام کے ابتدائی عہد میں سنت کے دو مفہوم اور معنی قرار دینا ایک سنت رسول اللہ دوسرے عامۃ المسلمین کی سنت یعنی "مسلمانوں کی رائے عامہ"، یا "جمہور امت کی رائے"، اور اس کو احکام شرعیہ کا ماخذ قرار دینا چودھویں صدی کی ایک نئی مگر بیحد خطرناک "دریافت" ہے اور دین کی بنیادوں میں زبردست رخنہ اندازی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہر کس و ناکس خود کو مجتہد سمجھتا ہے اور "فقہ اسلامی کی از سر نو تدوین اور تجدید"، کا نعرہ لگا رہا ہے اور نہایت بیباکی کے ساتھ حرام کو حلال، حلال کو حرام کرنے میں مصروف ہے العیاذ باللہ

علماء امت کا فرض

اگر اس وقت علماء امت نے متفق ومتحد ہو کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح پوری قوت کے ساتھ اس (نام نہاد) "فکر اسلامی" کے دھارے کی آزاد روانی، (اور بے راہ روی) کو روکنے کے لئے "کامیاب مداخلت نہ کی" اور استحکام سنت اور حفاظت حجیت حدیث کا "مضبوط بند"، نہ باندھا تو اس لادینی دور میں "اسلامی قانون فقہ کی بنیادیں"، (خاکم بدہن) یقیناً اس طوفان بے تمیزی میں بہہ جائیں گی، اور دین اسلام اسی طرح بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ تشتت وانتشار اور فوضویت (انارکی) کا نشانہ بن جائیگا جیسے

امام شافعی علیہ الرحمہ کے عہد میں بن گیا تھا۔ آزمودہ را آزمودن جہل است۔

"جدتِ فکر" اور "تخلیق افکارِ نو" بالفاظ دیگر "فکر اسلامی کی آزادروانی"، "استحکامِ دین" اور "فقہ اسلامی کی استواری" کی تباہ کن دشمن ہے اور "ازسرِنو تدوین فقہ اسلامی" اور "تجدید فقہ" کا نعرہ لگانے والے دانستہ یا نادانستہ طور پر دین کے "خانہ برانداز دشمن" ہیں اور اسلام کے لئے "مارِ آستین" کا مصداق ہیں۔

ایک غلط فہمی یا تلبیس کا ازالہ

اکابر علماء امت اور محققین علماء دین نے جن فقہی مسائل میں غور و فکر کی ضرورت کا اظہار فرمایا ہے وہ فقہ کی اصطلاح میں "حوادث" و "نوازل" کہلاتے ہیں یعنی وہ فروعی اور جزوی مسائل جو نہ کتاب و سنت میں منصوص ہیں اور نہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء اُمت کے زمانے میں موجود تھے بلکہ وہ صرف عہد حاضر اور اس صنعتی ترقی کے دور بلکہ مغربی تہذیب و معاشرت کے عروج و استیلاء کی پیداوار ہیں۔ اُن پر غور و فکر اور استنباط احکام کی اجازت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورہ ذیل شرائط کے ساتھ دی ہے:۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال قلت یارسول اللہ اذا نزل بنا امر لم یکن فیہ بیان الامرولانہی، فما تامرنی فیہ؟ قال شاوروا الفقہاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ جب ہمارے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آئے جس کے متعلق کوئی واضح بیان (نص کتاب و سنت) موجود نہ ہو نہ امر ہو نہ نہی (نہ حکم ہو نہ ممانعت) تو ایسے مسئلہ کے متعلق آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں (ہم کیا کریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے مسئلے میں تم فقہا اور ارباب ورع و تقویٰ سے رجوع کرو اور کسی بھی شخصی رائے پر تکیہ نہ کرو۔

فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق حوادث و نوازل میں اجتہاد کے لئے حسب ذیل شرائط ضروری ہیں۔

۱۔ صرف ایسے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہے جن میں (کوئی نص صریح نہ ہو) نہ رسول اللہ کی کوئی سنت (حدیث) ہو نہ وحی الٰہی (آیت قرآنی) ہو۔

۲۔ ایسے مسائل کا فیصلہ لابدی طور پر جماعت علماء کے مشورہ سے کیا جائے نہ کہ شخصی رائے سے۔

۳۔ اس جماعت کے اراکین میں دو وصف ضرور ہونے چاہئیں ایک تفقہ فی الدین دوسرے تقویٰ و عبادت گذاری۔

مذکورہ بالا شرائط کے خلاف جو بھی اسلامی قانون بنے گا یا مروجہ قانون کو کتاب وسنت کے مطابق جو بھی اصلاح وترمیم کی جائے گی خواہ کسی فرد واحد کی جانب سے ہو خواہ کسی ادارہ کی جانب سے، نہ وہ اسلامی قانون ہوگا نہ ہی دستور پاکستان کی مشہور ومعروف دفعہ: "پاکستان کا قانون کتاب وسنت پر مبنی ہوگا"، کے مطابق پاکستان کا اسلامی قانون کہلا سکے گا۔

غرض مذکورہ بالا تجدد پسند بلکہ مغرب زدہ طبقہ ازراہ تلبیس آئے دن ان اکابر علما کی مذکورہ "تصریح وتحدید" کو نظر انداز کر کے اپنی تائید میں ان بزرگان دین کے اقوال پیش کرتا اور حوالے دیتا رہتا ہے کہ "دیکھو فلاں بزرگ عالم دین بھی تجدید فقہ کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں"۔ یہ محض دھوکا اور فریب ہے۔ ان بزرگوں کے مکمل بیانات کی مراجعت اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔

ممالک اسلامیہ کی نظیریں اور اُن کی حقیقت

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس لادینی عہد کے اسلامی ممالک اور انکی آزاد حکومتیں یورپین اقوام کی صنعتی اور اقتصادی ترقیات سے اور مغربی ثقافت ومعاشرت کی جلوہ ریزیوں اور سحر کاریوں سے مرعوب ومسحور ہوتے ہیں، کہئے "مغرب زدگی" میں، ہمارے ملک سے بہت تیز رو (فارورڈ) اور منزلوں آگے بڑھی ہوئی ہیں، ان ممالک میں مذہبی اور دیندار طبقہ بے بس یا بے حس تھا اور یہ تجدد پسند طبقہ برسر اقتدار اور خود مختار، اس لئے وہ دین اسلام کے عمل جراحی (پوسٹ مارٹم) سے اور دین کا نام لیکر دین کو مسخ کرنے کے "فرض" سے ہمارے ملک کے متجددین ومتفرنجین سے بہت پہلے فارغ ہو چکے ہیں، ان کے مرتب کردہ نام نہاد "اسلامی قانون" ہمارے سامنے ہیں، کوئی بھی صاحب بصیرت عالم دین اگر صرف ان مدونین کے تدوین کردہ قانون کے "ماخذوں" اور "تمہیدی بیانات" کا بنظر غائر جائزہ[۱] لے تو روز روشن کی طرح اس پر واضح ہو جائے گا کہ اسلامی قانون میں یہ تمام قطع وبرید صرف یورپین ممالک کے رائج الوقت قانونوں سے مطابقت پیدا کرنے اور دین

---

[۱] ملاحظہ المبادئ الاحوال الشخصیہ۔ شام ومصر

کی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے کی گئی ہے اعاذنا اللہ منہ۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کا یہ دشمن دین وایمان طبقہ دیندار عوام کو گمراہ کرنے، دھوکہ دینے اور علماء دین کو ان کی نظروں سے گرانے اور بغاوت پر آمادہ کرنے کی غرض سے کبھی ٹرکی کے قانون کا حوالہ دیتا ہے اور کبھی مصر وشام وعراق کے قانون کا۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اگر علماء امت نے اس پرفتن دور میں پوری قوت کے ساتھ متفق ومتحد ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور ان کے صبر واستقامت اور ثبات واستقلال میں فرق نہ آیا اور اعجاب کل ذی رأی برأیہ کی لعنت سے پاک وآزاد ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل وصیت پر قائم رہے تو ان کو ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔

فانہ من یعش بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ

(اخرجہ ابوداؤد)

پس بیشک میرے بعد جو لوگ زندہ رہیں گے وہ کثرت سے اختلافات دیکھیں گے (پس ایسے اختلاف کے وقت) تم لازم کر لینا اپنے اوپر میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو اس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لینا اور دانتوں سے پکڑ لینا۔

تمسک بالکتاب والسنۃ، وہ حبل اللہ المتین۔ ہے کہ اسکو مضبوطی کے ساتھ اگر پکڑے رہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت اور فتح مبین انشاء اللہ ان کو حاصل ہوگی، کم از کم وہ آخرت کی مسئولیت سے ضرور بچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ان اللہ لمع المحسنین

(عنکبوت آخری آیت)

جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے اور بیشک اللہ ایسے مخلصین کے ساتھ ہے۔

مسئولیت یہ ہے:۔

لولا ینھاھم الربنیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون (۔ مائدہ ع ۱۱)

کیوں نہیں منع کرتے ان کو اللہ والے اور علماء، گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے، بہت ہی برا کام کر رہے ہیں وہ۔

واللہ الموفق وھو الھادی الی الصراط المستقیم۔

بابُ دوم

سنت کا مصداق قرآن حکیم میں

آیت کریمہ نمبر (۱) ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

کے اوامر و نواہی

قرآن عظیم میں "سنت" کا مصداق اور تشریعِ احکام اسلامی ــــ اسلامی قانون سازی ــــ میں اُس کا مرتبہ و مقام معلوم کرنے کے لئے اب ہم قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ یہی ہمارا اصل "موضوع" ہے۔

قرآن کریم نے زیرِ بحث سنت کے لئے لفظ "سنت" کے بجائے اُس سے زیادہ بلیغ اور جامع لفظ اُسوۃ حسنہ استعمال فرمایا ہے سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں:

ولکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ	اور تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی ذاتِ مقدس)
لمن کان یرجو اللہ والیوم	میں بہترین نمونہ (موجود) ہے (یعنی) اُس شخص کے لئے
الآخر وذکر اللہ کثیرا	جو اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد
(احزاب رکوع ۳)	کرتا ہے۔

اس لئے کہ "اسوۃ" کے معنی از روئے لغت ما یتاسی بہ ہیں (جس کی پیروی کیجائے) یعنے "پیروی کیا جانا لغتًا اس کے مفہوم میں داخل ہے علاوہ ازیں اسوۃ از روئے لغت اسوۂ حسنۃ کو ہی کہتے ہیں اسوۂ سیّئہ کے لئے اُسوۃ کا لفظ لغتِ عربی میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ اس لحاظ سے اسوۃ کے ساتھ حسنۃ کا اضافہ عند اللہ اس کے استحسان کی تصریح اور مزید تاکید کے لئے ہے۔ اسی لئے اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی

"سنت" کے لئے اسوۃ حسنۃ کا لفظ استعمال فرمایا تاکہ استحسان کے ساتھ ساتھ وجوب اتباع کی طرف بھی اشارہ ہو جائے اور "دعوی مع دلیل" کا مصداق بن جائے واللہ اعلم بمرادہ — مزید تفصیل آیت مذکورہ بالا کے ذیل میں انشاء اللہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

قرآن حکیم نے دوسرا لفظ اس زیر بحث سنت کے لئے حکمۃ استعمال فرمایا ہے ارشاد ہے:

وانزل اللہ الیک الکتاب والحکمۃ	اور (اے نبی) اللہ نے تم پر کتاب نازل فرمائی اور حکمت،
وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل	اور تم کو وہ (کچھ) سکھلایا جو تم نہیں جانتے تھے اور اللہ (تعالیٰ)
اللہ علیک عظیما۔ (النساء ع ۱۷)	تمہارے اوپر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

تاکہ سنت کی حجیت کی طرف بھی اشارہ ہو جائے جس کی تفصیل آپ مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں انشاء اللہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

لیکن اس سنت کا مدلول و مصداق اور اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے ہم نے اصولی طور پر قرآن کریم کی دس[1] آیات انتخاب کی ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل آیت کریمہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قوی اور محکم دلیل و حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ حشر میں ارشاد فرماتے ہیں:

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم	اور جو لائے تمہارے پاس (اللہ کا) رسول اسکو لیلو
عنہ فانتھوا واتقوا اللہ فان اللہ	اور جس سے تم کو منع کرے اس سے باز رہو اور (رسول
شدید العقاب	کی نافرمانی کرنے میں) اللہ سے ڈرو اس لئے کہ اللہ کی
(حشر ع ۱)	سزا (عذاب) بہت شدید (ہوتی) ہے

اس آیت کریمہ میں ما اتاکم اور ما نھاکم کے عموم کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اوامر و نواہی کا "مجموعہ" ما اتی بہ الرسول اور سنت الرسول کا مصداق ہے خواہ آپ نے صراحتاً کسی امر معروف کا حکم دیا ہو اور امر منکر سے منع فرمایا ہو خواہ کسی فعل کے مشاہدہ یا علم میں آنے کے بعد اس پر "سکوت" فرمایا ہو — جس کو محدثین اور علم اصول حدیث کی اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں — اردو میں اس کو "بیان سکوتی" کہنا مناسب ہے — نیز وہ

[1] ہم نے ان دس آیات کریمہ کو مدار استدلال قرار دیا ہے۔ بقیہ آیات و احادیث یا آثار صحابہ و اقوال مفسرین کا تذکرہ ان آیات کی تفسیر و تشریح کی غرض سے بطور تائید و تقویت کیا گیا ہے ۱۲۔

اوامر و نواہی خواہ قرآن کریم میں صراحتاً مذکور ہوں، خواہ قرآن سے مستنبط ہوں خواہ قرآن میں بالکل مذکور نہ ہوں بلکہ وحی غیر متلو (وحی خفی) کے ذریعہ آپ نے امت کو بتلائے ہوں اور خواہ کتاب (قرآن)، اور سنت (وحی غیر متلو) میں صریح حکم خداوندی نہ ہونے یا اختیار دیئے جانے پر آپ نے خود یا بمشورۂ صحابہ اجتہاد کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے خلاف کوئی "تنبیہ" نہ کی گئی ہو۔ نیز وہ اوامر و نواہی خواہ لساناً و قولاً ہوں خواہ فعلاً و عملاً، یعنے بغرض تعلیم امت آپ نے ان پر عمل کر کے دکھلایا ہو۔ یہ تمام "مجموعۂ احکام" ما اتی به الرسول اور ما جاء به الرسول کا مصداق ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "اصول تشریع احکام" اور "تشریعی اختیارات" کے ذیل میں — جس کی تفصیل آیت نمبر (۶) کے تحت انشاء اللہ پڑھیں گے — خبر دی ہے:

یأمرھم بالمعروف وینھاھم	اور وہ (نبی اُمی) اُن کو معروف (ہر شرعاً اچھے اور بھلے
عن المنکر ویحل لھم الطیبات	کام) کا حکم دیتا ہے اور منکر (ہر شرعاً برے اور بد کام)
ویحرم علیھم الخبائث الآیہ	سے منع کرتا ہے اور طیب (پاک و عمدہ) چیزوں کو حلال
(اعراف ع ۱۹)	کرتا ہے اور خبیث (گندی اور غلیظ) چیزوں کو حرام کرتا ہے

القرآن یفسر بعضه بعضا (قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے) کے اصول کے تحت سورۂ اعراف کی آیت میں یأمرھم بالمعروف کا لفظ اس امر کی دلیل ہے کہ زیر نظر آیت سورۂ حشر میں ما اتاکم کے معنی ما امرکم ہیں خواہ یہ امر عطاءِ اموال سے متعلق ہو — جیسا کہ "خصوص مورد" یعنے شان نزول اور سیاق و سباق آیت کا تقاضہ ہے خواہ اس کے علاوہ اور دوسرے اقوال و اعمال وغیرہ سے۔

علاوہ ازیں خود اسی آیت میں ما نھاکم عنه فانتھوا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ما اتاکم کے معنی ما امرکم ہیں نہ کہ ما اعطاکم — جیسا کہ بعض[1] مفسرین نے آیت کے شان نزول اور سیاق و سباق کو دیکھکر جو "اموال فیئ" سے متعلق ہے ما اتاکم کے معنی ما اعطاکم کئے ہیں — اس لئے کہ ما نھاکم کے مقابل ما امرکم ہی ہو سکتا ہے اگر ما اتاکم کے معنی ما اعطاکم

---

[1] متقدمین میں صرف حضرت حسن بصری رحمہ سے یہ تفسیر منقول ہے۔

ہوتے تو اس کے مقابل ما منعکم ہوتا اس لئے کہ لغت عرب میں عطا کا مقابل منع آتا ہے جیسا کہ مشہور و معروف ادعیہ ماثورہ میں وارد ہے لا معطی لما منعت ولا مانع لما اعطیت۔ اور نہی کے مقابل امر آتا ہے ۔ جیسا کہ قدم قدم پر قرآن کریم میں آیا ہے مثلاً تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر الآیۃ وغیرہ ۔ نیز فانتھوا میں " انتہاء " کا لفظ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ فخذوہ میں "اخذ" سے مراد اختیار و امتثال امر ہے اسلئے کہ انتہاء ۔ باز آنا ۔ ہمیشہ اعمال و اخلاق محرمہ و منہیہ سے ہوتا ہے لہٰذا اس کے مقابل اخذ بھی اختیار اعمال و اخلاق مرضیہ کے معنی میں ہونا چاہیئے نہ کہ اخذ مال کے معنی میں ۔

کبار ائمہ تفسیر نے تصریح کی ہے کہ " خصوص مورد " یعنے کسی خاص " شان نزول " یا مخصوص " سیاق و سباق " کی وجہ سے قرآن کریم کی عام آیت اور اُس کا حکم اس " مورد " کے ساتھ مخصوص نہیں ہو جاتا بلکہ وہ آیت اور اس کا حکم اپنے عموم پر باقی رہتا ہے ۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس آیت کا اولین مصداق وہ " مورد " (محل) ہوتا ہے[1] اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جن بعض مفسرین نے ما آتاکم کے معنی ما اعطاکم کئے ہیں وہ دراصل اس مورد یعنے " تقسیم اموال فئ " میں ' ما آتاکم ' کے جو معنی مراد ہیں یعنے عطاء مال وہ تبلانا چاہتے ہیں نہ کہ لفظ ما آتاکم کے عام معنی چنانچہ[2] جمہور مفسرین ما آتاکم کے معنی ما امرکم کر رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس امر کا اولین مصداق " امر عطاء مال " ہے ۔

یہ تمام کاوش صرف اس لئے ہے کہ ہم قرآن کریم سے ہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر و نواہی[3] کا " مجموعہ " ہے اور ان تمام اوامر و نواہی

۱؎ چنانچہ آیت کریمہ لمسجد اسس على التقوى الآیہ کا شان نزول باتفاق مفسرین و محدثین مسجد قبا ہے مگر اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صحابیوں کے اختلاف کے موقعہ پر مسجد نبوی کو اس کا مصداق قرار دیا ۔ تفصیل کے لئے کتب تفسیر و حدیث کی مراجعت کیجئے ۲؎ متقدمین میں سعید بن جبیر، قتادہ، مجاہد وغیرہ کبار تابعین سے یہی تفسیر منقول ہے ۳؎ یہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی ما نہاکم کے مقابلہ پر ما امرکم فرما دیتے تو بات صاف ہو جاتی ۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے اسرار و غوامض ، ہم تو کیا بڑی سی بڑی معقول انسان کی رسائی بھی اُن تک نہیں ہو سکتی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا اس احکم الحاکمین کا فیصلہ ہے (باقی صفحہ ۵۵ پر)

پر۔ ایمان لانا فرض ہے اور ان کا انکار کفر ہے اور ان کی مخالفت شدید ترین عذاب کا موجب ہے جیسا کہ آیت کریمہ کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔

ورنہ تو خود اُس ذاتِ مقدس (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے جس کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس آیت کریمہ کا مصداق اپنے "تمام اوامر ونواہی" کو قرار دیا ہے

چنانچہ مشہور محدث ومفسر حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں ۔۔ اور ان کے علاوہ تمام مفسرین بھی ۔۔ سورۂ حشر کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کے ذیل میں عبد اللہ ابن مسعودؓ کی واشمہ و مستوشمہ والی صحیحین کی حدیث ۔۔ جو عنقریب آپ کے سامنے آئے گی ۔۔ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وقد ثبت فی الصحیحین[ا] ایضا عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا امرتکم بامر	صحیحین (بخاری ومسلم) میں بھی ابو ہریرہ کی روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو تم اپنے مقدور بھر اس پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴ سے آگے) تاہم اتنا تو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ الرسول (پیغام لانے والے) کے ساتھ ما آتاکم (جو تمہارے پاس لایا) ہی صحیح ہو سکتا ہے اس لئے کہ "پیغام رساں" کا کام پیغام لانا ہی ہوتا ہے "پیغام" تو پیغام بھیجنے والے" کا ہوتا ہے اسی طرح "اوامر ونواھی" تو سب اللہ تعالیٰ کے ہیں "آمر وناھی" درحقیقت وہی ہے ان الحکم الا للہ (نہیں ہے حکم مگر اللہ کا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان اوامر ونواھی کے "لانے والے" ہی ہیں اسی لئے صحیح مسلم کی آنے والی روایت میں بما جئت بہ (جو دین میں لایا ہوں) وارد ہوا ہے۔

علاوہ ازیں ما آتاکم کے تحت وہ اموال غنیمت بھی داخل ہیں جن کا "دینے والا" تو اللہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے "پہونچانے والے" ہیں۔ اسی حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انما انا قاسم واللہ یعطی کے حقیقت افروز کلمات میں ظاہر فرمایا ہے۔ ما امرکم اگر ہوتا تو یہ اموال ما امرکم کے تحت داخل نہ ہوتے حالانکہ آیت کریمہ کا شان نزول اور اوّلین مصداق یہی اموال فئی ہیں اور اگر ما اعطاکم فرماتے تو رسول اللہ علیہ وسلم کے "لائے ہوئے بقیہ تمام اوامر ونواھی شرعیہ ۔۔ جن پر ایمان لانا صحیح مسلم کی آنے والی روایت کی بنا پر فرض ہے ۔۔ اس کے تحت داخل نہ ہوتے۔ لہٰذا ما آتاکم کی جگہ نہ ما امرکم آسکتا ہے اور نہ ما اعطاکم کیونکہ رسول اللہ حقیقتاً نہ "آمر وناھی" ہیں نہ "معطی وعافی" آپ تو صرف "لانے والے" اور "پہونچانے" والے ہیں اس لئے ما آتاکم الرسول فرمایا۔ [ا] صحیح بخاری میں ابو ہریرۃ کی یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے (باقی صفحہ ۵۶ پر)،

فاتوا منه ما استطعتم وما نهیتکم منه فاجتنبوہ (تفسیر ابن کثیر سورہ حشر ص)

عمل کرو اور جس چیز سے منع کروں اس سے احتراز کرو۔

طبرانی میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں

اذا امرتکم بشی فأتوہ واذا نهیتکم عن شی فاجتنبوہ ما استطعتم

جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس سے جہاں تک تم سے ہوسکے بچو

یہ تو صحیحین کا حال ہے امام نسائی سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس سے حسب ذیل روایت نقل کرتے ہیں۔

عن ابن عمر وابن عباس انهما شهدا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم انه نهی عن الدباء والحنتم والنقیر والمزفت ثم تلی رسول الله صلی الله علیه وسلم وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نهاکم عنه فانتهوا وقوله تعالی واتقوا الله ان الله شدید العقاب

(سنن نسائی ج ۲ ص ۳۲۸)

حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں نے اس کی شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بنوں، روغنی مٹکوں اور کھجور کے تنے سے بنائے ہوئے برتنوں اور تارکول ملے ہوئے برتنوں (کے استعمال) سے منع فرمایا (اس لئے کہ یہ شراب کشید کرنے کے مخصوص برتن ہیں) پھر (منع فرمانے کے بعد) یہ آیت تلاوت فرمائی ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نهاکم عنه فانتهوا اور یہ آیت بھی پڑھی واتقوا الله ان الله شدید العقاب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵ سے آگے)

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: دعونی ما ترکتکم انما اهلك من کان قبلکم سؤالهم واختلافهم علی انبیاءهم فاذا نهیتکم من شیٔ فاجتنبوہ واذا امرتکم بامر فأتوا منه ما استطعتم

(البخاری کتاب الاعتصام بالسنة ص ۱۰۸۲ ج ۲)

ابوہریرۃ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جبتک میں تمکو چھوڑے رکھوں (اور کوئی حکم نہ دوں) اسوقت تک تم بھی مجھے (میری حالت پہ) چھوڑ دو۔ (اور بلا ضرورت کوئی سوال نہ کرو) تم سے پہلی قوموں کو ہلاک ہی صرف اس چیز نے کیا کہ وہ اپنے نبیوں سے بکثرت سوال کرتے اور پھر انکی مخالفت کرتے لہذا جب میں خود تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس سے بچو اور جب کسی امر کا حکم دوں تو اپنے مقدور بھر اس پر عمل کرو۔ ۱۲۔

یہ دونوں حدیثیں صریح اور قطعی ثبوت ہیں اس امر کا کہ رسول اللہ صلی اللہ کے "تمام اوامر ونواہی" آیت زیر بحث کا مصداق ہیں اگرچہ قرآن کریم میں وہ مذکور نہ ہوں چنانچہ شراب کشید کرنے کے ان مخصوص برتنوں کے استعمال کی ممانعت قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔

"مصداق" کے ساتھ ہی "حکم" بھی معلوم ہو گیا کہ ان اوامر ونواہی پر عمل نہ کرنا عقاب شدید کا موجب ہے۔

اسی طرح صحیح مسلم کی حسب ذیل حدیث میں اس "مجموعہ احکام (اوامر ونواہی) کو بما جئت بہ" سے تعبیر کیا گیا ہے یعنے ان اوامر ونواہی کا نہ صرف اتباع ضروری ہے بلکہ ان کے برحق ہونے پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ ویومنوا بی وبما جئت بہ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں تا آنکہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دیں اور مجھ پر اور اس (شریعت) پر ایمان لے آئیں جس کو میں لایا ہوں۔ جب انہوں نے اس پر عمل کر لیا تو اپنے جان ومال کو مجھ سے بچا لیا (یعنے وہ مسلمان اور ان کے جان ومال محفوظ ہو گئے) بجز اسلام کے حق کے (یعنے بجز اس کے کہ

ف اور جو لوگ اُن پر ایمان نہ لائیں وہ واجب القتل ہیں ان کی جان ومال مباح ہے اگر لڑنے کے لئے آمادہ ہوں تو ان سے جنگ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے چنانچہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام کا سب سے پہلا "اجماع" اسی آیت وحدیث کے تحت مانعین زکوٰۃ (زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرنیوالوں) سے جنگ کرنے پر منعقد ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں نے سب سے پہلی جنگ انہی اھل الردۃ (مرتدین) اور مانعین زکوٰۃ سے کی ہے اور اس فتنہ — انکار ماجاء بہ النبی — کی بیخ کنی کر کے اسلام کو داخلی اعتبار سے محفوظ ومستحکم بنایا ہے تاکہ آئندہ کسی بھی ملحد کو ماجاء بہ الرسول سے انکار کرنے کی جرأت نہ ہو سکے یہ وہ تاریخی واقعات وحقائق ہیں جو نہ صرف کتب حدیث میں بلکہ تمام قدیم ترین تاریخ وسیر کی کتابوں میں مذکور رہیں، جن کو آج کل کے منکرین حدیث بھی حجت مانتے ہیں۔۱۲

علی اللہ
(صحیح مسلم ص ۳۰، ج ۱)

وہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب کریں جس کی سزا اسلام نے ہی قتل تجویز کی ہو مثلاً مرتد ہو جائیں، یا قتل عمد کا ارتکاب کریں یا شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کریں اور ان (کے دلوں) کا حساب (کہ وہ دل سے مسلمان ہوئے ہیں یا نہیں) اللہ کے سپرد ہے (وہی دلوں کا حال جانتا ہے)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے — جن کی شان میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے — اسی مجموعہ احکام یعنی دین و شریعت کو ماجئت بہ کے لفظ سے تعبیر فرما کر خود ما اتاکم الرسول کی تفسیر ماجاءکم الرسول سے فرما دی تاکہ آیت کریمہ میں ما اتاکم الرسول کے معنی ما امرکم الرسول متعین ہو جائیں۔

اسی طرح شرح السنۃ کی مذکورہ ذیل روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ماجاء بہ الرسول کا اتباع کئے بغیر ایمان معتبر نہیں ہوتا۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ، رواہ فی شرح السنۃ وقال النووی فی اربعینہ ھذا حدیث صحیح رویناہ فی کتاب الحجۃ باسناد صحیح (مشکوٰۃ ص ۳۰ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک کہ اس کی اپنی "خواہش" اُس (دین اور شریعت) کے تابع نہ ہو جائے۔ جو میں لایا ہوں

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین — جنہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم پڑھا اور مشکوٰۃ نبوت سے علوم قرآن کو حاصل کیا ہے — ان تمام مامورات و منہیات کو جو مصدر تشریع دوم یعنی سنت و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہیں خواہ قولی ہوں خواہ فعلی سب کو ما اتاکم الرسول اور ما نھاکم الرسول کا مصداق سمجھا ہے اور موقعہ بموقعہ حسب ضرورت مذکورۃ الصدر آیت کریمہ کو بطور استدلال و

استشہاد پیش کیا ہے۔
خصوصاً حدیث ذیل جسکے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جن کا نام نامی ان چار صحابۂ کرام میں سرفہرست ہے جن سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ذیل حدیث میں دیا ہے اور انہوں نے اپنی تمام عمر صرف کتاب وسنت کی تعلیم میں ہی صرف کی ہے۔

خذوا القرآن من اربعة من ابن ام عبد (ابن مسعود) وابی بن کعب ومعاذ بن جبل وسالم مولی حذیفة (اخرجه البخاری وغیرہ عن عبد اللہ بن عمرو)

چار آدمیوں سے قرآن (کا علم) حاصل کرو (۱) ابن ام عبد یعنے ابن مسعود رض (۲) ابی بن کعب رض (۳) معاذ بن جبل رض (۴) سالم مولی حذیفہ رض

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ ھ) اپنی کتاب جامع بیان العلم میں ص ۱۸۸ ج ۱ پر انہی عبداللہ بن مسعود کی روایت نقل کرتے ہیں (اس کے علاوہ بخاری، مسلم وغیرہ تمام کتب صحاح میں بھی کسی قدر لفظی فرق اور کمی بیشی کے ساتھ یہ روایت موجود ہے)

روی الحافظ ابن عبد البر بسندہ المتصل عن علقمة قال قال ابن مسعود: لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ قال فبلغ ذلك امرأة من بنی اسد یقال لها ام یعقوب فقالت: یا ابا عبد الرحمن بلغنی انك تلعن کیت وکیت؟ فقال: ومالی ان لا العن من لعنه

حافظ ابن عبدالبر بسند متصل علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو (مصنوعی) حسن (وآرائش) کی غرض سے بدن کی کھال گودتی اور گدواتی ہیں (اور رنگ برنگے پھول پتیاں بناتی اور بنواتی ہیں) اور جو ابروؤں کی زینت کے لئے) بال نوچتی اور اکھاڑتی ہیں اور جو دانتوں (کو گھس کر ان) میں درازیں (ریخیں) کھولتی ہیں اور اس طرح اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں (یعنے پیدائشی حسن کو بناوٹی آرائش سے مسخ کرتی ہیں)، علقمہ کہتے ہیں کہ: بنی اسد کی ایک عورت — جس کا نام،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن ھو فی کتاب اللہ؟ قالت: انی لاقرأ ما بین اللوحین فما اجدہ، قال: ان کنت قارئۃ لقد وجدتیہ اما قرأت وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا قالت: بلی، قال: فانہ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث

آم یعقوب تھا — کو جب یہ خبر پہونچی تو (وہ ابن مسعود کے پاس آئی اور) اس نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن، میں نے سُنا ہے تم فلاں فلاں عورتوں کو ملعون کہا ہے" ابن مسعود نے کہا: میں اس عورت پر کیسے لعنت نہ بھیجوں جس پر خدا کے رسول نے لعنت بھیجی ہے اور جس پر لعنت کتاب اللہ میں موجود ہے تو اس عورت نے کہا: میں نے تو الحمد سے والناس تک پورا قرآن پڑھا ہے مجھے تو قرآن میں اس کا ذکر نہیں ملا" تو ابن مسعود نے کہا: اگر تو نے قرآن پڑھا (اور سمجھا) ہوتا تو تجھے ضرور مل جاتا کیا تو نے آیت کریمہ ما اتاکم الرسول نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: کیوں نہیں پڑھی تو ابن مسعود نے کہا: بیشک رسول اللہ نے اس (بناوٹی آرائش) سے منع فرمایا ہے (اور ایسی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے)

اسی طرح حافظ ابن عبدالبر جلیل القدر تابعی عبدالرحمٰن بن یزید سے بسند متصل ایک ایسا ہی واقعہ نقل کرتے ہیں:-

عن عبد الرحمٰن بن یزید انہ رأی محرما علیہ ثیاب فنھی المحرم فقال ائتنی بآیۃ من کتاب اللہ تنزع عنی ثیابی. فقال ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا

عبدالرحمٰن بن یزید سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مُحرم کو (حالت احرام میں) کپڑے پہنے دیکھا تو اس کو منع کیا اس نے کہا: تم قرآن کی کوئی ایسی آیت پیش کرو جو میرے کپڑے اتروا دے (یعنے اس میں حالت احرام میں کپڑے نہ پہننے کا حکم ہو) تو عبدالرحمٰن نے آیت کریمہ وما اتاکم الرسول الآیۃ پڑھی (وہ لاجواب ہوگیا)

دیکھئے ہر دو امر منہی عنہ قرآن کریم میں مطلق مذکور نہیں ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور پر ہر دو امر سے منع فرمایا ہے مگر ہر دو بزرگوں نے انکو منہیات قرآن میں داخل قرار دیا ہے اور اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے خصوصًا حضرت عبداللہ بن مسعود رض تو و من ھو فی کتاب اللہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ما فی السنۃ، ما فی کتاب اللہ ہے (جو حدیث میں ہے وہ کتاب اللہ میں ہے)

لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ تمام ماموراتِ و منہیات جو سنت یعنے حدیث میں وارد ہیں وہ سب ما اتاکم الرسول اور ما نھاکم الرسول کے تحت داخل ہیں اور ان کا اتباع واجب اور اطاعت فرض ہے خواہ وہ قولی ہوں خواہ فعلی خواہ تقریری۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تصریحات کے بموجب "معصوم القول" بھی ہیں اور معصوم الفعل،، بھی اور "معصوم الرائی" بھی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

معصوم القول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم القول ہیں یعنے آپ اپنی خواہش سے (اپنی طرف سے) کوئی بات نہیں کہتے اس لئے کہ بشہادت قرآنِ عظیم، آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے تمام اقوال اور اوامر و نواہی — یعنے سنت رسول — کا ماخذ و منبع، اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے خواہ وہ وحی متلو اور جلی ہو خواہ وحی غیر متلو اور خفی ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ شانہٗ سورۃ والنجم میں ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی علمہ شدید القوی ذو مرۃ (والنجم ع ۱)	وہ (اللہ کے رسول) اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ (جو کچھ بولتے اور کہتے ہیں) وہ تو محض وحی (الٰہی) ہوتی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے ان کو تبلاتا ہے (وحی لاتا ہے) ایک بڑی قوتوں والا خوش منظر فرشتہ (جبریل)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی کفار کے جواب میں اعلان کرا دیا کہ میں تو صرف وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں نہ اپنی طرف سے کچھ کہتا ہوں نہ کرتا ہوں۔ ارشاد ہے:

---

۵ انواعِ وحی اور ان کی حجیت کی مفصل بحث عنقریب آتی ہے ۱۲

(۲) وقال الذین لا یرجون لقاءنا، ائت بقرآن غیر ھذا او بدلہ، قال مایکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی، ان اتبع الا ما یوحیٰ الی، انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم
(یونس ع ۲)

اور ان لوگوں نے (کافروں نے نبی سے) کہا جن کو ہم سے ملنے (اور قیامت کے دن ہمارے سامنے پیش ہونے) کا ڈر نہیں ہے: کوئی اور قرآن اس کے علاوہ لاؤ (جس میں ہمارے بتوں کی برائیاں نہ ہوں) یا تم اسی کو بدل ڈالو، (اے نبی) تم کہہ دو: میرے لئے ممکن نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل دوں، میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو وحی میرے پاس بھیجی جاتی ہے، میں تو ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں۔ ایک بہت بڑے دن (قیامت کے دن) کے عذاب سے۔

اگرچہ کفار کا سوال دوسرا قرآن لانے یا اسی میں تغیر و تبدل سے متعلق ہے مگر آپ کا جواب جس طرح قرآن میں تغیر و تبدل نہ کرنے سے متعلق ہے اسی طرح اور احکام الٰہیہ میں بھی اپنی طرف سے تغیر و تبدل نہ کرنے سے متعلق ہے اسی لئے ان اتبع الا ما یوحی الی الآیۃ کا اضافہ فرمایا ہے ورنہ کفار کا جواب تو مایکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی پر پورا ہو گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ جیسے آپ اپنی طرف سے کوئی تصرف یا تغیر و تبدل قرآن میں نہیں کر سکتے اسی طرح اور احکام الٰہیہ میں بھی آپ اپنی طرف سے نہ کچھ کہہ سکتے ہیں نہ کر سکتے ہیں آپ تو جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں وہ صرف وحی الٰہی کے مطابق کہتے یا کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ اتباع اور عصیاں قول اور فعل دونوں کے لئے عام ہے۔

اس جواب اور نبی کے قول و فعل کے پابند وحی ہونے کی، بالفاظ دیگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معصوم القول اور معصوم الفعل ہونے کی شہادت اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت کریمہ کے اندر دیدی وکفیٰ باللہ شھیدا:

ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین (الحاقۃ ع ۲)

اگر (بالفرض) وہ (نبی) کسی بھی بات کا ہم پر بہتان باندھتا تو ہم پوری قوت کے ساتھ اس کو پکڑ لیتے اور پھر اس کی رگ گردن (شہ رگ) کو کاٹ ڈالتے۔

تو عربی میں فرض محال کے لئے آتا ہے یعنے اول تو اس کا امکان ہی نہیں کہ نبی ہو اور اللہ کی طرف کوئی جھوٹی یا خلاف واقع بات — قولاً یا فعلاً — منسوب کرے اور اگر بفرض محال وہ ایسا کر بھی بیٹھتا تو قہر و غضب الہٰی اس کو ہرگز نہ بخشتا اور فوراً ہلاک کر ڈالتا۔ اس آیت میں بھی بعض الاقاویل عام ہے یعنے کلام اللہ میں ہو یا اس کے علاوہ اور احکام الٰہیہ میں۔ نبی کی زبان سے، یا اپنی خواہش سے، کوئی لفظ نکل ہی نہیں سکتا۔

غرض ان آیات کریمہ سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک عمداً تو کیا سہواً بھی کذب و افترا یا اتباع ہوا و نفس سے کبھی ملوث نہیں ہوئی آپ قطعاً محفوظ اللسان تھے کسی حالت میں آپ ہوں، کوئی ناحق یا خلاف واقعہ بات یا اپنی طرف سے کوئی کلمہ زبان مبارک سے نکل ہی نہیں سکتا تھا۔

ان آیات قرآن کے علاوہ احادیث ذیل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) بڑے سے بڑا ضابط اور متحمل المزاج (بردبار) انسان بھی غیظ و غضب یا غم و اندوہ کی شدت میں یا جوش مسرت و نشاط میں اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ پاتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ غم و غصہ کی حالت میں ہوتے خواہ مسرت و نشاط کی حالت میں آپ کی زبان مبارک سے کوئی خلاف واقعہ یا ناحق کلمہ ہرگز نہیں نکل سکتا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص "کاتب احادیث رسول اللہ" کی مذکورہ ذیل مرفوع روایت اس کی تائید کرتی ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال کنت اکتب کل شیء اسمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارید حفظہ فنھتنی قریش وقالوا اتکتب کل شیء تسمعہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضا، فامسکت عن الکتابۃ فذکرت ذلک الی رسول اللہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو بھی بات سنتا اسے لکھ لیا کرتا تھا تاکہ یاد کر لوں۔ قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو انسان ہیں غیظ و غضب کی حالت میں بھی بات کرتے ہیں اور رضا و خوشنودی کی حالت میں بھی (اور انسان ان دونوں حالتوں میں اپنی زبان کو

صلی اللہ علیہ وسلم فاومأ باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا الحق

(اخرجہ ابوداؤد والترمذی وغیرھما فی باب کتابت العلم ص ۱۳ ھ ۲ ع)

قابو میں نہیں رکھ پاتا اور جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتا ہی لہذا میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس۔۔ (منہ) سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی (کوئی بھی حالت ہو)

(۳) حتیٰ کہ خوش طبعی اور مزاح کے موقعہ پر بھی آپ کی زبان مبارک سے کوئی کلمہ حقیقت اور واقعہ کے خلاف نہیں نکلتا تھا حالانکہ عموماً خوش طبعی اور مزاح ہوتا ہی خلاف واقعہ ہے ورنہ وہ مزاح نہیں ہو سکتا مگر یہ معصوم اللسان نبی کا مزاح تھا جو حقیقت اور واقعہ سے سرِمو تجاوز نہ کرنے کے باوجود اعلیٰ درجہ کا مزاح تھا چنانچہ محدثین باب مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذیل میں حضرت ابوہریرۃ رض کی مذکورہ ذیل حدیث روایت کرتے ہیں جو اسی استعجاب پر مبنی ہے

عن ابی ھریرۃ قال قالوا: یارسول اللہ انک لتداعبنا؟ قال انی لا اقول الا حقا

(ترمذی ص ۲۰ ج ۲)

حضرت ابوہریرۃ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ نے (ازراہ تعجب) عرض کیا: یارسول اللہ آپ بھی ہم سے دل لگی کرتے ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں (دل لگی میں بھی) وہی بات کہتا ہوں جو حق ہوتی ہے۔

اس امر کی تصدیق اُن احادیث سے ہوتی ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی خوش طبعی اور مزاح کے واقعات مذکور ہیں کتب حدیث کی مراجعت کیجئے اور محفوظ اللسان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاکیزہ اور بالکل سچے مزاح پر عش عش کیجئے۔

یہ تمام تر حفاظت و صیانت اس لئے ہے کہ رسول اللہ کی زبان مبارک، ترجمان وحی والہام اور مصدر تشریع احکام الٰہیہ ہے آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر حکم، حکم شرعی ہے اور ہر امر، امر الٰہی ہے چنانچہ مذکورہ ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی اس ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا جامع ترمذی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ:

لما نزلت و لله حج البیت من استطاع الیہ سبیلا قالوا: یا رسول الله افی کل عام؟ فسکت فقالوا یا رسول الله افی کل عام؟ قال: لا، ولو قلت نعم لوجبت، فانزل الله تعالیٰ یا ایها الذین آمنوا لا تسألوا عن اشیاء ان تبد لکم تسوءکم۔ (جامع ترمذی ص ۱۲۰ ج ۱)

جب آیت کریمہ و للہ علی الناس حج البیت الآیۃ نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا ہر سال (حج کرنا فرض ہے)؟ حضور خاموش رہے (اور کوئی جواب نہ دیا) لوگوں نے پھر عرض کیا: کیا ہر سال یا رسول اللہ؟ تو آپ نے فرمایا "نہیں" اور اگر میں کہہ دیتا "ہاں" تو (ہر سال حج) واجب ہوتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ یا ایہا الذین آمنوا لا تسئلوا الآیۃ نازل فرمائی (اور بلا ضرورت سوال کرنے سے منع فرما دیا)۔

اسی مضمون کی حضرت ابوہریرۃ کی مرفوع روایت دعونی ما ترکتکم الحدیث آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں۔

(۳) بہر حال یہ تو لوگوں کے شرعی امور و احکامات سے متعلق سوالات اور اُن کے جوابات میں آپ کی احتیاط کوشی تھی جو اس حقیقت پر مبنی ہے کہ احکام سے متعلق رسول کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات ایک حکم شرعی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خود آپ تشریع احکام — بیان احکام شرعیہ — میں اصول و مصالح تشریع کا کس قدر خیال رکھتے اور اس کا اہتمام فرماتے تھے اس کا اندازہ آپ حضرت زید بن خالد جہنی رضؓ کی مذکورہ ذیل مرفوع روایت سے کیجئے۔

عن زید بن خالد الجہنی قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند کل صلوٰة ولاخرت العشاء الی ثلث اللیل (جامع ترمذی ص ۵)

حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرمارہے تھے: اگر میری اُمت کے لئے مشقت میں ڈالنے کا موجب نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کا اور عشاء کی نماز کو ثلث لیل (تہائی رات) تک مؤخر کرنے (دیر سے پڑھنے) کا حکم دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکوتی فطرت اور طبعی نظافت چاہتی تھی کہ آپ اُمت کو بھی ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا — جو حسب ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام مطہرۃ للفم

و مرضات للرب ہے۔ اور تہائی رات تک نماز عشاء کو موخر کرنے کا۔ جو قیام اللیل ہی کی ایک صورت ہے۔ حکم فرمادیں اور یقین ہے کہ اتباع سنت کے دلدادہ و شیدائی صحابۂ کرام بخندہ پیشانی اس پر لبیک کہتے اور عمل کرتے مگر آپ جانتے تھے کہ آنے والی نسلیں سنت کے اس والہانہ اتباع کے جذبہ سے محروم ہوں گی اس لئے یہ ہر دو حکم ان کے لئے دشواری اور مشقت کا موجب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اعلان فرما رہے ہیں لیس فی الدین من حرج (دین میں مطلق تنگی اور دشواری نہیں ہے) اسی لئے یُسر (آسانی اور سہولت) تشریع احکام کا "اساسی اصول" ہے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امرین الا اختار ایسرھما	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو امروں میں سے کسی ایک کے (قبول کرنے) کا اختیار دیا گیا آپ نے ہمیشہ ان میں سے جو آسان ہوا اس کو اختیار کیا۔

اس لئے آپ نے اپنی طبعی خواہش کے تقاضہ کے باوجود یہ دونوں حکم نہیں دیئے دیکھئے کس قدر احتیاط و اہتمام ہے زبان مبارک سے کسی بات کے کہنے میں اور کس قدر شفقت و رحمت ہے امت پر۔ اللہ اللہ

یہ حدیث ماینطق عن الھویٰ (آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے) کا کتنا روشن ثبوت ہے۔

(۴) اسی احساس ذمہ داری اور اندیشہ مسئولیت کی ایک مثال ذیل کا واقعہ ہے امام سیوطی مفتاح الجنۃ میں امام ابوبکر بیہقی کے حوالہ سے بسند متصل لکھتے ہیں۔

واخرج البیھقی بسندہ من طریق القاسم بن مخیمرۃ عن طلحۃ بن نضیلۃ قال قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام سنۃ: سعّر لنا یا رسول اللہ قال: لا یسئلنی اللہ عن سنۃ احدثتھا فیکم	امام بیہقی قاسم بن مخیمرہ کی سند سے طلحۃ بن نضیلہ رض سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے زمانہ میں صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ نرخ مقرر فرما دیجئے (قیمتوں پر کنٹرول نافذ کر دیجئے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کسی ایسی سنت (حکم شرعی) پر

لم یامرنی بھا ولکن اسألوا اللہ من فضلہ | باز پرس نہ کریں جو میں جاری کردوں اور اللہ نے مجھے اس کا حکم نہ دیا ہو تم (اس کنٹرول کے بجائے) اللہ تعالیٰ کے فضل کی دعا کرو (اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائینگے اور اس گرانی کو ختم کردینگے)

دیکھئے! قیمتوں پر کنٹرول بظاہر محض ایک انتظامی امور سے متعلق چیز ہے مدینہ کے حکمراں کی حیثیت سے اس کے نافذ کردینے میں آپ کو کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس لئے اس سے انکار فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نہیں تھا۔ یہ حدیث آیت کریمہ کے دوسرے جزو ان ھوا لا وحی یوحی کا قطعی اور روشن ثبوت ہے اور معلوم ہوگیا کہ نہ صرف یہ کہ آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ وحی الٰہی کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے

ان احادیث سے قرآن کریم کی آیت کریمہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھوا لا وحی یوحی کی پوری تشریح وتفسیر سامنے آگئی اور قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی حکم جاری نہیں فرماتے تھے اور احکام شرعیہ سے متعلق کوئی بات اپنی خواہش نفس سے یا اپنی ذاتی صوابدید سے نہیں کہتے تھے۔

بہرحال آپ جو کچھ کہتے ہیں یا کرتے ہیں وہ صرف وحی الٰہی (جلی یا خفی) پر مبنی ہوتا تھا اسی لئے قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات واحادیث کی روشنی میں آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر حکم (امر ہو یا نہی) حجت شرعیہ اور حکم شرعی تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ تشریعی زندگی میں صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ کے حکم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کی بنا پر، عقائد، عبادات، عقود ومعاملات، جنایات، دیات، حدود وقصاص اور سیر ومغازی، صلح وجنگ نیز اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ ــ غرض پوری انسانی زندگی ــ سے متعلق موقعہ بموقعہ اور وقتاً فوقتاً گوناگوں سوالاتؔ[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہیں اور احکام دریافت کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تشریعی ذمہ داری

---

[۱] ان سوالات اور ان کے جوابات کا بیان آیت کریمہ لتبین للناس ما نزل الیھم کے ذیل میں آیت نمبر ۵ کے تحت آتا ہے۔

اور اصول و مصالح تشریع کو مدنظر رکھکر ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں اور احکام شرعیہ بیان فرمایئے ہیں حدیث وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شغف اور انفاس قدسیہ کی مزاولت رکھنے والے محدثین اور ارباب سیر نے آپ کے ان تمامتر اقوال و احکام رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پوری جرح وتنقید کے بعد کتب حدیث و سیر و مغازی میں محفوظ و مدون کیا ہے اور ان کو ماخذ احکام شرعیہ قرار دیا ہے۔

معصوم الفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول کی طرح آپ کا ہر فعل اور عمل بھی وحی الٰہی — جلی یا خفی — کے ماتحت سرزد ہوتا تھا آپ اپنی خواہش یا طبعی تقاضہ سے کوئی کام نہیں کرتے تھے مذکورہ سابق آیات میں آیت نمبر (۲) کا حصہ ان اتبع الا ما یوحیٰ الی اورانی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم اس کی قطعی دلیل ہے اس لئے کہ اتباع کا اوّلین مصداق افعال واعمال میں پیروی ہے۔ اسی طرح عصیان کا اوّلین مصداق بھی اعمال وافعال میں نافرمانی ہوتا ہے

چنانچہ سورۃ احقاف میں آپ کی زبان سے اعلان کرایا ہے:

قل ما کنت بدعا من الرسول	کہہ دیجئے میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں، (مجھ سے پہلے بھی
وما ادری ما یفعل بی ولا بکم	رسول آئے ہیں) مجھے معلوم نہیں میرے ساتھ کیا ہونا ہے
ان اتبع الا ما یوحیٰ الی وما	اور تمہارے ساتھ کیا، میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں
انا الا نذیر مبین	جو میرے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف کھلا
(احقاف ع ۱)	ہوا خبردار کردینے والا ہوں۔

یہ تو آپ کا بیان ہے باقی سورہ والنجم کی مذکورۂ سابق آیت کریمہ وما ینطق عن الھویٰ الآیۃ کے ذریعہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہر قول کے وحی الٰہی کے ذریعہ سرزد ہونے کی شہادت دینے سے پہلے ہر قسم کی گمراہی وکجراہی کی آپ کی ذات سے نفی فرمادی ہے۔ ارشاد ہے:

والنجم اذا ھویٰ ما ضل	قسم ہے نجم (ثریا) کی جبکہ وہ غروب ہو جائے، تمہارا نبی
صاحبکم وما غویٰ (نجم ع ۱)	نہ (کبھی) بہکا اور نہ بے راہ چلا۔

اور سورۂ احقاف میں آپ کو اپنے قول وفعل میں وحی الٰہی پر کاربند اور متمسک رہنے کے حکم کے ساتھ

ہی آپ کے صراط مستقیم پر قائم ہونے کی شہادت بھی دی ہے ارشاد ہے:

فاستمسک بالذی اوحی الیک انک علی صراط مستقیم (زخرف ع ۴)	پس تم مضبوطی سے قائم رہو اس پر جو تمہارے پاس وحی بھیجی گئی ہے بیشک تم سیدھی راہ (صراط مستقیم) پر قائم ہو۔

اور کیسے ممکن تھا کہ آپ وحی الہٰی جلی یا خفی کے بغیر کوئی قدم اُٹھائیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے:

فلذالک فادع واستقم کما امرت ولا تتبع اھواءھم وقل آمنت بما انزل اللہ من کتاب وامرت لاعدل بینکم الآیۃ (الشوریٰ ع ۲)	اسی (دین الہٰی) کی تم دعوت دو، اور جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے سیدھی راہ پر قائم رہو اور ان (لوگوں) کی خواہشات پر مت چلو اور کہہ دو: میں تو جو اللہ نے کتاب اُتاری ہے اس پر ایمان لے آیا اور مجھکو تو حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل (ومساوات قائم) کروں۔

اور سورۂ ھود میں تو آپ کے ساتھ آپ کی اُمت کو بھی اس ذمہ داری میں شریک فرمایا ہے۔ گویا اشارہ ہے کہ نہ صرف تم خود صراط مستقیم پر قائم رہو بلکہ اپنی اُمت کو بھی صراط مستقیم پر قائم رکھو۔ ارشاد ہے:

فاستقم کما امرت ومن تاب معک ولا تطغوا انہ بما تعملون بصیر (ھود ع ۱۰)	پس تم اور جنہوں نے تمہارے ساتھ کفر و شرک سے توبہ کی ہے سیدھی راہ پر چلتے رہو اور سرکشی نہ کرو، بیشک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس ذمہ داری کی شدت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: شیبتنی سورۃ ھود ۔ مجھے تو سورۃ ھود نے بوڑھا کر دیا۔

ان تمام احکام اور شہادتوں کا قطعی تقاضہ اور ان کا سچا ہونا اس پر موقوف ہے کہ آپ اقوال وانفاس طیبہ کی طرح اعمال وافعال میں بھی وحی الہٰی ــ جلی یا خفی ــ کے پابند ہوں۔ اور تب ہی اللہ تعالیٰ کا آپ کو مفروض الطاعۃ (جس کی اطاعت فرض ہو) اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، قرار دینا صحیح ہو سکتا ہے (جس کی تفصیل آپ کے اتباع اور اطاعت سے متعلق آیات

کے ذیل میں آیت نمبر (۷) کے تحت آتی ہے)

چنانچہ عمداً کسی نافرمانی یا گمراہی و کجراہی کا صدور تو آپ سے ہو ہی نہیں سکتا تھا بتقاضاء بشریت کسی فعل کے سرزد ہو جانے کا سدباب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپکی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہر قول کو ہوائے نفس سے محفوظ رکھا ہے اسی طرح آپ کے اعمال و افعال کی بھی کمل حفاظت اور نگرانی فرمائی ہے چنانچہ سورۂ طور میں ارشاد ہے :

واصبر لحکم ربك فانك باعیننا (الطور ع ۲)	اپنے رب کے حکم (پر عمل کرنے) کے لئے ثابت قدم رہو بیشک تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔

اسی طرح سورہ الشعراء میں ارشاد ہے :

وتوکل علی العزیز الرحیم الذی یراك حین تقوم و تقلبك فی الساجدین (الشعراء ع ۱۱)	اور غالب وقاہر اور مہربان خدا پر بھروسہ کرو جو تم کو دیکھتا ہے جبکہ تم (نماز میں) کھڑے ہوتے ہو اور جبکہ تم سجدہ کرنے والوں کے ساتھ (رکوع و سجدہ میں نقل و حرکت کرتے ہو۔

اور مذکورہ ذیل آیت کریمہ میں تو اللہ تعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی حفاظت و عصمت میں لے لینے کا صاف اور صریح لفظوں میں اعلان فرماتے ہیں :

یاایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمك من الناس (مائدہ ع ۱۴)	اے رسول ! تمہارے رب کی جانب سے جو (دین) تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی (علانیہ اور کما حقہ) تبلیغ کرو اور اگر (بالفرض) تم نے (ایسا) نہ کیا تو (گویا) تم نے اپنے رب کے پیغام کو نہیں پہونچایا اور (اطمینان رکھو) اللہ تم کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

یاد رکھئے اس آیت کریمہ اور سابقہ آیات میں اس عصمت و حفاظت کا مصداق جیسے دشمنوں سے آپ کی جان کی حفاظت ہے اسی طرح دھوکے فریب کے ذریعہ آپ کو " اللہ کے راستہ سے " ہٹا دینے کی حفاظت بھی اس عصمت کا مصداق ہے۔ مذکورہ ذیل آیت کریمہ اس کی دلیل ہے۔

ولولا فضل الله عليك ورحمته لهمت طائفة منهم ان يضلوك وما يضلون الا انفسهم وما يضرونك من شئ (النساء ع ۱۷)

اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو ان (یہودیوں) کے ایک گروہ نے تو تم کو بہکانے کا (پختہ) ارادہ کر ہی لیا تھا حالانکہ (اس طرح) وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دیتے ہیں۔ اور تمہارا تو وہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے (اللہ تمہارا حافظ و ناصر ہے اُس نے فوراً تمہیں بتلا دیا)

باقی اپنی "ہوائے نفس سے" کوئی کام کو کرنے کا تو آپ کے متعلق کوئی گمان ہو ہی نہیں سکتا تاہم ممکن تھا کہ بتقاضاء بشریت کسی وقت ہوائے نفس کی طرف کچھ میلان ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب[۱] فرما کر ہوائے نفس کے اتباع کی شناعت اور مضرت کو آیت کریمہ ذیل میں بیان فرما دیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس "ہوائے نفس" کے فریب سے ہوشیار رہیں اور اُمت بھی سبق حاصل کرلے کہ اتباع ہوائے نفس کس قدر تباہ کن ہے ارشاد ہے:

ولا تتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل الله ان الذين يضلون عن سبيل الله لهم عذاب شديد (ص ع ۲)

(اے داؤد) تم خواہش نفس کی پیروی مت کرو کہ (یہ پیروی) تم کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ بیشک جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے

تاہم اگر کسی وقت کوئی خلاف اولیٰ یا خلاف مصلحت شرعیہ امر آپ سے سرزد ہونے کے قریب ہوا ہے تو فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بچایا ہے اور اگر کسی وقتی ضرورت اور دینی مصلحت کی بنا پر کوئی تشریعی حیثیت سے نامناسب امر سرزد ہوگیا ہے تو فوراً آپ کو اس پر متنبہ فرمایا ہے چنانچہ سورۂ اسراء میں ارشاد ہے:

---

[۱] یاد رہے کہ ہم نے قرآن کریم کا کافی تتبع کیا مگر ہمیں کوئی آیت ایسی نہیں ملی جس میں اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوائے نفس کی پیروی سے منع کیا گیا ہو اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی سے تو متعدد آیات میں منع کیا گیا ہے مگر خود آپ کو اپنے نفس کی پیروی سے کہیں نہیں منع کیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہوائے نفس سے معصوم ہونا طے شدہ اور مسلّم امر ہے اس کا تو آپ کے متعلق کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ عصمت آپ کی عظمت اور رفعت مقام کی روشن دلیل ہے۔

وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْـًٔا قَلِیْلًا (سورۃ بنی اسرائیل ع ۸)

اگر ہم نے تم کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو قریب تھا کہ تم ان کی جانب کسی قدر مائل ہو جاؤ۔

آیت کریمہ کے الفاظ پر غور فرمائیے اگر بالفرض "تثبیت خداوندی" نہ ہوتی تب بھی معصیت کا صدور تو کیا خفیف سے خفیف میلان بھی نہ ہوتا صرف امکان میلان تھا مگر تثبیت الٰہی کے بعد وہ امکان بھی نہ رہا۔ آیت کریمہ نص قطعی ہے آپ کے معصوم ہونے پر۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کی فطرت بعثت کے بعد تو خدا کی نافرمانی اور ارتکاب گناہ کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس و مطہر فطرت ــ جسے شق صدر کے ذریعہ بچپن میں ہی تمام بشری آلودگیوں اور اثم و معصیت کے رجحانات سے پاک اور ایمان و معرفت کے انوار سے مملو کر دیا گیا تھا ــ تو عہد طفلی میں بھی ارتکاب معصیت کی متحمل نہ ہو سکی چنانچہ ارباب سیر و تاریخ بھی لکھتے ہیں اور صحیح بخاری میں بھی روایت موجود ہے کہ قریش جب کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مقدس تعمیر میں اپنے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح بنا کعبہ میں شریک تھے اور بھاری بھاری پتھر کاندھے پر اُٹھا کر تعمیر کرنے والوں کو دے رہے تھے۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضہ نے ازراہ شفقت فرمایا: میاں صاحبزادے اپنا تہبند کھول کر کاندھے پر رکھ لو ورنہ کاندھا زخمی ہو جائے گا، آپ کہنے میں آ گئے مگر جیسے ہی تہبند کھولا آپ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ سبحان اللہ، نبی معصوم، کیا شان ہے آپ کی۔

اور بقول امام راغب اصفہانی: انبیاء علیہم السلام کے فطری ملکات، طہارت و نزاہت نفس اور مکارم اخلاق و اعمال یہ وہ اسباب و ذرائع ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی حفاظت فرمائی ہے۔

قال الراغب: عصمة الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام حفظهم بما خصوابه من صفاء الجوهر ثم بما اولاهم من الاخلاق والفضائل ثم بالنصرة وتثبیت اقدامهم

امام راغب رحہ نے فرمایا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت (کی صورت) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے (پیغمبرانہ) مخصوص جوہر فطرت کے ذریعہ ان کی حفاظت کرتا ہے پھر جو اخلاق و فضائل ان کو عطا فرمائے ہیں ان کے ذریعہ پھر جو ان کی نصرت و حمایت کرتا اور ثابت قدمی عطا فرماتا ہے

ثم بانزال السکینة علیهم و بحفظ قلوبهم و بالتوفیق — (اس کے ذریعہ) پھر جو سکون و طمانیت ان پر نازل فرماتا اور ان کے دلوں کی حفاظت کرنا اور توفیق عطا فرماتا ہے (اس کے ذریعہ)

تاہم اگر کسی وقت آپ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جو اگرچہ دینی مصلحتِ وقت یا وقتی دینی ضرورت کے اعتبار سے تو صحیح تھا لیکن "مستقل حکم شرعی" ہونے کے لحاظ سے مناسب نہ تھا تو فوراً آپ کو اس پر متنبہ فرمایا ہے تاکہ آپ بھی اس کا آئندہ اعادہ نہ فرمائیں، اور اُمت بھی اس کو مستقل حکم شرعی نہ سمجھے۔ چنانچہ غزوہ تبوک میں جھوٹے عذر پیش کرنے والے منافقین کو آپ نے یہ سمجھ کر تخلف (جہاد میں نہ جانے) کی اجازت دے دی کہ اس دور دراز اور شدید ترین سفر اور رومیوں سے جنگ میں ان منافق یہودیوں کا — جنہوں نے اپنی مسلسل ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے ہی رومیوں کو جنگ پر آمادہ کیا ہے — نہ جانا ہی بہتر اور قرین مصلحت ہے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اسی مقام پر نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی معیت کی مضرتوں اور منافقانہ ریشہ دوانیوں کو بیان فرمایا ہے تاہم یہ اجازت دینا مصلحت خداوندی کے خلاف تھا اس لئے انتہائی شفقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فوراً اس پر تنبہ فرمایا اور اس مصلحت سے بھی آگاہ فرمایا جو مطلوب تھی۔

عفا اللہ عنك لم اذنت لهم حتی یتبین لك الذین صدقوا وتعلم الکاذبین (سورہ التوبۃ ع ۷، ج ۱۰) — اللہ نے تمہیں معاف کیا، کیوں اجازت دیدی تم نے ان کو؟ تاکہ ظاہر ہو جاتے تم پر وہ لوگ جو سچے ہیں اور تم جان (پہچان) لیتے جھوٹ بولنے والوں کو۔

اسی طرح غزوۂ بدر میں اُساریٰ بدر (بدر کی جنگی قیدیوں) کا "فدیہ" قبول کر لینے پر ذرا سختی سے عتاب فرمایا اس لئے کہ منصب نبوت کے قطعاً شایان شان نہ تھا اگرچہ وقتی مصلحت اور دینی ضرورت کا تقاضا فدیہ لینا ہی تھا، علاوہ ازیں اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے جنگی قیدیوں سے فدیہ لینے کی ممانعت بھی نہیں فرمائی تھی، بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا تھا کہ چاہے ان قیدیوں کو قتل کر دو اور چاہے ان سے زرِ فدیہ لے لو مگر اس صورت میں آئندہ سال اتنے ہی مسلمان شہید ہوں گے، چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

نے تمام سرفروش مجاہدین اور اکابر صحابہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ اور ایک دو اور صحابیوں کے علاوہ باقی تمام تشنہ کامان شہادت فوری طور پر سامان حرب وجنگ مہیا کرنے کی غرض سے، زرفدیہ لینے پر متفق ہو گئے اور فدیہ لے لیا مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فوراً عتاب فرمایا۔

ماکان للنبی ان یکون لہ اسریٰ حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم ٭ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب الیم فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا واتقوا اللہ ان اللہ غفور رحیم
(انفال ع ۹ ج ۹)

نبی کی شان یہ نہیں ہے کہ اس کے پاس (جنگی) قیدی ہوں جب تک روئے زمین پر (کفار ومشرکین کے قتل سے) خوب خونریزی نہ کرلے تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ کے ہاں آخرت چاہیئے اور اللہ بہت غالب، بڑا حکمت والا ہے۔ اگر اللہ پہلے سے نہ لکھ چکا ہوتا تو جو (زرفدیہ) تم نے لیا اس پر بڑا عذاب تم پر آتا، سو اب کھاؤ پیو جو مال غنیمت تم کو ملا ہے حلال، اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بہت مغفرت کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

یعنی اب تو زرفدیہ لے لیا سو لے لیا، مگر آئندہ کے لئے حکم شرعی یہ ہے کہ تمہارا فرض روئے زمین سے کفر وشرک کا نام ونشان مٹانا ہے جو کفار ومشرکین کے قتل کی گرم بازاری اور خونریزی کے بغیر نہیں ہو سکتا، رہا سامانِ جنگ مہیا کرنا، یہ اس کارساز مطلق کا کام ہے جس کے لئے کوئی چیز بھی دشوار اور مشکل نہیں۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ضروری ہے کہ نبی اور اس کے اُمتی کفار ومشرکین کے خون سے زمین کو لالہ زار بنادیں، تاکہ تورات وانجیل میں بیان کردہ پیشین گوئی "اشداء علی الکفار" شایان شان طریق پر پوری ہو جائے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صناد ید (عظماء) قریش کے ایمان لانے کے انتہا درجہ حریص اور متمنی تھے اور عالم اسباب کے درجہ میں اس کی ہر ممکن تدبیر کے درپے تھے اسی سلسلہ میں آپ نے ازراہِ تالیف قلوب ان کی درخواست پر اتنی مجلسی مراعات ان کو دے دی کہ جس وقت وہ آپ کی خدمت میں باہمی گفتگو اور تبادلہ خیالات کے لئے حاضر ہوا کریں اس وقت فقراء مومنین آپ کی مجلس میں نہ آئیں۔ اتفاق سے ایک جلیل القدر صحابی عبداللہ، بن ام مکتومؓ جن کی ظاہری آنکھیں بند مگر دل کی آنکھیں کھلی ہوئی اور روشن تھیں ایک آیت کا مطلب دریافت کرنے کے لئے آگئے جبکہ

وہ فراعنۂ قریش آپؐ کی مجلس میں موجود تھے، آپ کو بھی ان کا اس وقت آنا کچھ ناگوار گذرا اور آپ نے ان کی طرف مطلق التفات نہ کیا تو فوراً اللہ تعالیٰ نے ذرا سختی سے عتاب فرمایا اور پوری سورت عبس نازل ہوئی۔

عبس و تولّیٰ ان جاءہ الاعمیٰ	تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا اس بات پر کہ آگیا اس (نبی)
وما یدریك لعله یزکّی او یذکر	کے پاس اندھا اور تمہیں کیا خبر (اے نبی) شاید وہ (اندھا
فتنفعه الذکریٰ امّا من	آلودگیوں سے) پاک ہوجاتا یا کچھ نصیحت حاصل کرلیتا تو وہ
استغنیٰ فانت له تصدّیٰ	نصیحت اس کے کام آتی لیکن جو (دشمن) پرواہ تک نہیں
وما علیك الّا یزکّی و امّا من	کرتا (اے نبی) تم اس کے پیچھے پڑے ہو حالانکہ تم پر کوئی
جاءك یسعیٰ وهو یخشیٰ	الزام نہیں کہ وہ (کفر و شرک سے) پاک (کیوں) نہیں ہوتا
فانت عنه تلهّیٰ، کلّا،	لیکن جو (مومن نابینا) تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ
انها تذکرة فمن شاء ذکره	(خدا سے) ڈرتا بھی ہے تم اس سے تغافل برتتے ہو؛ ایسا
(عبس ع ۱ ج ۳۰)	نہیں ہے، بیشک یہ (قرآن) تو نصیحت ہے جو (دل سے)
	چاہے گا وہ اس سے نصیحت حاصل کرے گا۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اسلام قریش کی اس شدت حرص کے جذبہ سے جس کا حال خود اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت میں بطور تعجب ذکر فرمایا ہے۔

فلعلك باخع نفسك علیٰ آثارهم ان لم	کیا تم اپنے آپ کو ان کے پیچھے غم کے مارے ہلاک کر ڈالو
یومنوا بهذا الحدیث اسفا (کہف ع ۱ ج ۱۵)	گے اگر وہ اس کلام (قرآن) پر ایمان نہ لائے۔

اور وانذر عشیرتك الاقربین (اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو باخبر کردو) کے فریضہ کو بطریق اکمل ادا کرنے کی غرض سے یہ تدبیر بطور تالیف قلب اختیار فرمائی تھی مگر منصب نبوت کے شایان شان نہ تھی اس لئے کہ اس طرز عمل سے ایمان اور مومن کی اُس رفعت شان اور عند اللہ علو مرتبت کو ٹھیس لگتی ہے جس کا اظہار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی شکستہ حال فقراء مسلمین کے بارے میں فرمایا ہے۔

رب اشعث مدفوع	بہت سے شکستہ حال دروازوں سے ٹھکرائے ہوئے

بالا یو ا ب لوا قسم علی اللہ لابرہ	(مومنوں) کا مرتبہ اللہ کے ہاں یہ ہے کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ اس قسم کو پورا کرے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات میں اس واقعہ پر عتاب فرمایا ہے۔

غرض جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خلاف اولیٰ امر سرزد ہوا اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا۔ اسی لئے امت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس فعل اور عمل پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی عتاب یا تنبیہ نہیں کی گئی ہو وہ حجت شرعیہ اور حکم الٰہی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اُس رسول کو جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء ع ۱۱ ع ۵)	جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

کبھی خلاف اولیٰ امر پر قائم نہیں رہنے دے سکتا۔

نکتہ! واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو خلاف اولیٰ امور سرزد ہوئے ہیں یا جو اجتہادی غلطیاں بظاہر نظر آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر تنبیہ یا عتاب فرمایا ہے وہ تکوینی اعتبار سے منشاء الٰہی کے عین مطابق اور معقول وقتی مصلحت اور شرعی ضرورت پر مبنی ہیں عتاب یا تنبیہ صرف اس لئے فرمائی ہے کہ تشریعی حیثیت سے وہ امور مناسب نہ تھے اور چونکہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اُمتیں اُن کے اوامر و نواہی اور اقوال و افعال کو حکم الٰہی سمجھ کر ان کی پیروی کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (النساء ع ۹ ع ۵)	ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ فوراً عتاب یا تنبیہ کے ذریعہ خود نبی کو بھی اور امت کو بھی آگاہ فرما دیتے ہیں کہ منصب نبوت کے شایان شان "یہ ہے" یا "ایسا ہونا چاہیئے تھا" چنانچہ اسی بدر کے جنگی قیدیوں سے فدیہ لینے کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب الیم (انفال ع ۹ ع ۱۰)	اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہلے سے ہی نہ لکھا گیا ہوتا تو جو تم (زرِ فدیہ) لیا ہے اس میں تم پر بڑا سخت عذاب آتا۔

گیا اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلے سے طے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجاہدینِ بدر وقتی ضرورت اور شرعی مصلحت کی بنا پر فدیہ لیں گے اور یہ ایک شرعی ضرورت پر مبنی ہوگا اس لئے نہ صرف یہ کہ ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا بلکہ زرِ فدیہ مالِ غنیمت میں شامل اور حلال ہوگا چنانچہ اس عتاب کے بعد ہی فرماتے ہیں۔

فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا و
اتقوا اللہ ان اللہ غفور رحیم
ایضاً

سو جو مالِ غنیمت تم کو مل گیا ہے حلال طیب، کھاؤ پیو اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اس کی کوئی نافرمانی نہ ہو جائے، بیشک اللہ بڑا مغفرت کرنیوالا اور بہت مہربان ہے۔

اور اس کے بعد سورہ انفال میں جنگی قیدیوں کے متعلق تفصیلی احکام نازل فرما دیئے۔

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب
الرقاب حتی اذا اثخنتموھم
فشدوا الوثاق فاما منا
بعد واما فداء حتی تضع
الحرب اوزارھا
(محمد ع ۱ ج ۲۶)

پس جب بھی کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو تو خوب ان کی گردنیں مارو اور بے دریغ قتل کرو یہاں تک کہ جب اچھی طرح خونریزی کر لو تب ان کو رسیوں میں جکڑ لو پھر چاہے (ان پر) احسان کرو اور چاہے فدیہ لے لو، یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھدے (اور شوکت وقوتِ کفر ختم ہو جائے اور لڑنے کی ضرورت باقی نہ رہے)

دیکھئے اس آیت کریمہ میں "فدیہ" کا حکم موجود ہے مگر اثخان فی الارض (روئے زمین پر کفار و مشرکین کی شدید خونریزی) کے بعد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ منشاء الٰہی یہ تھا کہ ان ستر صنادید قریش اور روساء کفر و شرک کو بھی اسی طرح موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیئے تھا۔ جیسے ہزار اوّل کے ستر ائمہ کفر و شرک کو قلیب بدر (بدر کے کنویں) میں جہنم رسید کیا ہے یہی فاروق اعظمؓ کی رائے تھی تاکہ اسی معرکہ میں ائمۃ الکفر کی مکمل بیخ کنی ہو جاتی۔ لہٰذا یہ زیادہ سے زیادہ اجتہادی غلطی ہے جس پر امت کے مجتہدین تو بنص حدیث ایک اجر کے مستحق ہوتے ہیں مگر انبیاء و رسل ایسی غلطیوں پر بھی معتوب ہوتے ہیں سچ ہے۔

حسنات الابرار
سیئات المقربین

جو نیک لوگوں کی نیکیاں ہوتی ہیں وہ مقربین بارگاہ کے حق میں خطائیں شمار ہوتی ہیں۔

یہ ابو سعید خزار رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے۔ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو فارسی میں حسب ذیل فقرہ میں ادا کیا ہے۔

مقربان رابیش بود حیرانی ۔ مقربین بارگاہ کی حیرانی بہت زیادہ ہوتی ہے (اس لئے کہ ان سے بغیر بتلائے منشاء الٰہی کو سمجھنے کی توقع کیجاتی ہی

حدیث شریف میں بھی آتا ہے :۔

اشد الناس بلاء الانبیاء سب سے زیادہ سخت آزمائش نبیوں کی ہوتی ہے پھر جوان

ثم الامثل فالامثل سے قریب ہوں پھر جوان سے قریب ہوں

اور آزمائشوں میں سے ایک آزمائش یہ بھی ہے کہ ان سے ان کوتاہیوں پر بازپرس ہوتی ہے جو امت کے لئے نہ صرف معاف بلکہ موجب اجر و ثواب ہوتی ہیں۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اس کوتاہی اور اس پر مرتب ہونے والے تمامتر غزوات ومحاربات اور احکام ومعاملات کا وقوع نیز ان اسارٰی (قیدیوں) میں سے بیشتر صنادید قریش کا ایمان واسلام اور پھر اشاعت واستحکام دین کے لئے ان کی خدمات جلیلہ کا ظہور، سب روز ازل میں مقدر اور اسی اجتہادی غلطی پر موقوف تھا۔ اس لئے اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ تنبیہ صرف اس لئے کی گئی ہے کہ تشریعی حیثیت سے اللہ کی راہ میں قتال کرنے والوں کا اولین مقصد اثخان فی الارض ہونا چاہیئے (تاآنکہ کفر وشرک کی شوکت اور کفار ومشرکین کی صولت کا روئے زمین پر نام باقی نہ رہے)

تشریع فعلی مذکورہ بالا آیات کریمہ سے قطعی طور پر ثابت ہے اور امت کا اس پر اجماع بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے معصوم القول تھے، اسی طرح آپ معصوم الفعل بھی تھے اور جس طرح زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر قول وحی الٰہی۔ جلی یا خفی ۔ پر مبنی ہوتا تھا اسی طرح آپ کی ذات گرامی سے سرزدشدہ ہر فعل وعمل بھی وحی الٰہی جلی یا خفی کے تحت سرزد ہوتا تھا۔ آپ خدا کے حکم کے بغیر نہ کچھ کہتے تھے نہ کچھ کرتے تھے قرآن عظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کرا رہا ہے۔

قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای (اے نبی) کہدو! بیشک میری نماز، میری عبادت

وممات للہ رب العالمین — اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے

لا شریک لہ (سورۃ انعام ع ۲۰) — ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

اسی بنیاد پر آپ کو مفروض الطاعت اور آپ کی اطاعت کو "اللہ کی اطاعت" قرار دیا گیا ہے لہٰذا آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے قول کی طرح آپ کا ہر فعل وعمل بھی "حجت شرعیہ" ہے اور تشریع احکام الٰہیہ کا "منبع و ماخذ دوم" ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے بعد مختلف طریقوں پر، اپنے اعمال و افعال کا اتباع کرنے کی ہدایت فرمادی ہے۔ ہم ذیل میں چند متنوع و مختلف قسم کے تشریعی افعال و اعمال کی مثالیں صحیح احادیث سے پیش کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ما اتاکم الرسول کا مصداق جیسے آپ کے اقوال اور زبانی احکام ہیں اسی طرح آپ کے اعمال و افعال بھی اس آیت کریمہ کا مصداق ہیں۔

تشریع فعلی کی مثالیں

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے دکھلانے کے بعد فرمایا:

من توضأ نحو وضوئی ھذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیھما نفسہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (صحیح بخاری ص ۲۸ ج ۱)

جس شخص نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعتیں (تحیۃ الوضو) اس طرح پڑھیں کہ (پورے طور پر دل سے خدا کی طرف متوجہ رہا اور) اپنے دل سے باتیں نہ کیں تو اس کے (اس سے) پہلے کے ہوئے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

نماز پڑھکر دکھلانے کے بعد فرمایا:-

صلوا کما رأیتمونی اصلی (صحیح بخاری ص ۸۸ ج ۱)

جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھا کرو۔

کسی قبیلہ کے فرستادہ شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر "پنجگانہ نمازوں" کے اوقات دریافت کئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے فرمادیا: صلِ معنا (تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو) اور اس شخص کو تعلیم دینے کی غرض سے دو روز اس طرح نماز

پڑھائی کہ پہلے دن ہر نماز اول وقت میں اور دوسرے دن آخر وقت میں، اور اس کے بعد اس سے فرمایا :- ما بین صلوٰتی فی ھذین الوقتین وقت کلہ — میری ان دو (دنوں میں) نماز کے درمیان سب نماز کا وقت[1] ہے — مزید اہتمام کی غرض سے عقلاء اور فقہاء صحابہ کو خاص طور پر اپنے پیچھے صف اول میں کھڑے ہونے کی ہدایت فرمائی : لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھی۔ تم میں سے سمجھدار اور عقلمند لوگوں کو مجھ سے قریب (صف اول میں میرے پیچھے) کھڑا ہونا چاہیئے — تاکہ وہ کامل تیقظ اور تثبت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال وافعال اور نقل و حرکت کو دیکھیں، سمجھیں اور یاد رکھیں۔

بہت سے امور آپ نے محض بیان جواز کے لئے تعلیماً کر کے دکھلائے ہیں حالانکہ وہ خلاف اولیٰ اور سنت مستمرہ کے خلاف ہیں مثلاً

---

[1] اوقات صلوٰۃ کی اس دقیق تحدید (حدبندی) اور تعیین کے باوجود جو لوگ یہ

اوقات نماز اور ان کی جزئیات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی غیر لچکدار اور جامد نہ...

چھوڑا۔ (ماہنامہ فکر و نظر شمارہ (۱) و (۲) ج ا ص

اور اسی مفروضہ کی بنیاد پر حدیث الصلوٰۃ لمیقاتھا کو موضوع قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔

بعد از اں حدیث میں جب کبھی نماز پر زور دیا جاتا ہے تو الصلوٰۃ کے ساتھ لمیقاتھا بھی شامل کر دیا جاتا ہے یعنی "نماز اپنے صحیح وقت پر" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نمازوں کے لئے ایک معیاری وقت" کی مہم چلائی گئی ہے۔

وہ قطعاً جاہل یا متجاہل (جان کر انجان بننے والے) حدیث رسول اللہ کے دشمن ہیں ہم نے قصداً یہ مثال ایسے ہی جاہلوں کے جہل یا دشمنان حدیث کی دشمنی کو ظاہر کرنے کی غرض سے انتخاب کی ہے اور وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان کیا ہے ہم جاہلوں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ تم قرآن کو تو مانتے ہو؟ اگر آپ نے نماز کے اوقات کی تحدید نہیں فرمائی اور الصلوٰۃ لمیقاتھا حدیث موضوع ہے تو آیت کریمہ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتاً کا اعلان العیاذ باللہ جھوٹ اور خلاف واقعہ ہوگا اپنی مزید ناواقفیت کا ثبوت اس طرح فراہم کرتے ہیں کہ: (۱) اگر آپ نے اوقات کی تحدید فرمائی ہوتی تو ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے درمیان اوقات نماز میں شدید اختلاف کیوں ہوتا (۲) نیز جمع بین الصلوتین بغیر کسی عذر کے آپ کیوں فرماتے ہ جز و ثانی کا جواب تو ہم نے پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ کتاب میں دیا ہے (باقی صـ۸۱ پر)

١۔ آپ وضو میں ہمیشہ تین تین مرتبہ اعضا کو دھویا کرتے تھے باجماع امت یہی مسنون بھی ہے۔ مگر ایک مرتبہ اتفاق سے پانی تھوڑا تھا تو آپ نے کسی عضو کو دو مرتبہ دھویا کسی کو تین مرتبہ کسی کو ایک مرتبہ تاکہ امت کو معلوم ہو جائے کہ ضرورت یا مجبوری کے وقت اگر ایک ایک یا دو دو مرتبہ بھی اعضا کو دھو لیا جائے تب بھی وضو ہو جاتا ہے۔

٢۔ اسی طرح آپ معمولاً ہر نماز مستحب اور افضل وقت میں پڑھا کرتے تھے اور اسی کی ترغیب دیتے تھے چنانچہ افضل الاعمال کے سوال کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے الصلوٰۃ لمیقاتھا — نماز کو اس کے (معروف) وقت پر پڑھنا افضل اعمال میں سے ہے — چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الصلوٰۃ لوقتھا الا بجمع وعرفات (سنن نسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کو اس کے (معروف) وقت میں پڑھا کرتے تھے۔ بجز مزدلفہ اور عرفات کے (کہ عرفات میں عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھتے اور مغرب کو عشا کے وقت میں اس لئے کہ یہی حج کی سنت ہے)

وفی روایۃ ابی داؤد۔ ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ الا لوقتھا الا بجمع۔

ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی نماز کو اس کے وقت کے علاوہ پڑھا ہو بجز مزدلفہ کے۔

مگر اس کے باوجود مذکورہ بالا سائل کو ہر نماز کا اول اور آخر وقت بتلانے یعنی وقت کی تحدید (حد بندی) کرنے کی غرض سے ایک دن ہر نماز کو بالکل اول وقت میں پڑھا اور دوسرے دن ہر نماز کو اس کے بالکل آخر وقت میں پڑھا تاکہ ہر نماز کے اوقات کی تحدید (حد بندی) فرما سکیں کہ فلاں

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۔۔ سے آگے) بز اول کا جواب یہ ہے کہ ہر نماز کے اول وقت اور آخر وقت کے بارے میں تحدید اختلاف تو کیا مطلق اختلاف نہیں حتیٰ کہ فقہاء حنفیہ بھی ظہر و عصر اور مغرب و عشا کے اول وقت اور آخر وقت کے بارے میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ ہے ائمہ کا اختلاف افضل وقت کے بارے میں ہے۔ اس اختلاف کی بھنک ان کے کانوں میں پڑ گئی۔ بس پھر کیا تھا؟ انہوں نے تحقیق کئے بغیر اس کو عدم تحدید کی دلیل اور حدیث کے موضوع ہونے کی سند بنا ڈالا یہی ہے مستشرقانہ طرز استدلال۔ العیاذ باللہ

نماز کا وقت یہاں سے یہاں تک ہے اور فلاں نماز کا یہاں سے یہاں تک درحقیقت آپ کا یہ عمل، ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا (بیشک نماز ایمان والوں پر ایک موقت فرض ہے) کی عملی تفسیر اور تشریح ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ظہر اور عصر کی نماز کو اس طرح ملا کر پڑھا کہ ظہر کو اس کے بالکل آخر وقت میں پڑھا اور عصر کو اس کے بالکل اول وقت میں پڑھا اسی طرح مغرب اور عشا کی نمازوں کو ملا کر پڑھا — فقہ کی اصطلاح میں اس کو جمع صوری یا جمع فعلی کہتے ہیں یعنے دیکھنے میں اور فعل کے اعتبار سے دونوں نمازوں کو جمع کیا ہے، وقت کے اعتبار سے نہیں اس لئے کہ ہر وقت کے اعتبار سے تو ہر نماز اُس کے وقت میں پڑھی ہے — تاکہ اُمت کو معلوم ہو جائے کہ کسی ضرورت کے وقت اگر ظہر وعصر اور مغرب وعشا کی نمازوں کو اس طرح ملا کر پڑھ لیا جائے تو یہ بھی جائز ہے اور ان الصلوٰۃ الآیۃ کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ ہر نماز اس کے وقت میں پڑھی گئی ہے ہاں پسندیدہ اور مطلوب وہی صورت ہے جو آپ کا دائمی اور مستمر عمل ہے کہ ہر دو نمازوں کے درمیان "مقررہ" فصل ہونا چاہیئے چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:

صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ ثمانیا جمیعا و سبعا جمیعا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۶)

میں نے (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ میں آٹھ رکعتیں (ظہر وعصر) ایک ساتھ پڑھیں اور سات رکعتیں (مغرب وعشا) ایک ساتھ

حضرت ابن عباس رضہ کے مشہور ومعروف شاگرد سعید بن جبیر تابعی (راوی حدیث) ابن عباس سے دریافت کرتے ہیں لم فعل ذلک — آپ نے ایسا کیوں کیا — حضرت ابن عباس نے جواب دیا: اراد ان لا یحرج احدا من امتہ — آپ نے اپنی امت کو تنگی سے بچانا چاہا ہے (کہ اگر کسی وقت کوئی شدید ضرورت پیش آجائے تو اس طرح دو نمازوں کو ملا کر پڑھ لیں) — اسی حدیث کے ایک راوی عمرو بن دینار اپنے شیخ جابر بن یزید (راوی حدیث ابن عباس رضہ) سے دریافت کرتے ہیں۔

یا ابا الشعثاء اظنہ اخر الظہر

اے ابو الشعثاء (جابر بن یزید) میرا گمان ہے کہ آپ نے

و عجل العصر و اخر المغرب و عجل العشاء (صحیح مسلم ص ۲۴۷ ج ۱)	ظہر میں تاخیر کی ہوگی (آخر وقت میں پڑھی ہوگی) اور عصر میں تعجیل کی ہوگی (اول وقت میں پڑھی ہوگی اسی طرح) مغرب میں تاخیر کی ہوگی (آخر وقت میں پڑھی ہوگی) اور عشا میں تعجیل (اول وقت میں پڑھی ہوگی)

تو اس پر ابوالشعثاء (جابر بن یزید) نے جواب دیا: وانا اظن ذلک — میرا گمان بھی یہی ہے — یہ صرف ان استاد و شاگرد کا گمان ہی نہیں ہے بلکہ حضرت انس رض وغیرہ صحابہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر میں جمع بین الصلوتین کی (دو نمازوں کو جمع کرنے کی) یہی صورت بیان کرتے ہیں اور یہی مصلحت کہ اُمت کو تنگی سے بچانا مطلوب ہے مراجعت کیجئے صحیح مسلم باب الجمع بین الصلوتین فی السفر۔ (۲۴۷ ج ۱)

اسی بیان جواز کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تعلیم مدینہ میں دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھکر دکھلایا۔ یاد رکھئے یُسر (آسانی) اور دفع حرج (تنگی کو دور کرنا) شریعت محمدیہ — علی صاحبها الف الف سلام و تحیہ — کا اہم ترین اصولِ تشریع ہے جس کا اعلان قرآن حکیم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

وماجعل علیکم فی الدین من حرج — اس دین میں (اللہ نے) مطلق کوئی تنگی نہیں رکھی

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اعمال و افعال کی اس تشریعی حیثیت کا پورا پورا احساس تھا اور خاص طور پر آپ اس کا خیال فرماتے تھے کہ آپ کے عمل سے اُمت پر کوئی ایسی چیز فرض نہ ہو جائے جو تنگی کا موجب ہو اور اُمت اس پر عمل نہ کر سکنے کی وجہ سے معصیت میں مبتلا ہو چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی ایک شب میں بغیر اطلاع عشاء کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں تشریف لے آئے اور جو لوگ مسجد میں موجود تھے اور قیام لیالی رمضان کے تحت تنہا نوافل پڑھ رہے تھے ان کے ساتھ باجماعت نماز (تراویح) پڑھیں۔ اگلے روز لوگوں کو پتہ چلا تو دوسری شب میں نمازیوں کی تعداد خاصی بڑھ گئی اور تیسری شب تو پوری مسجد نمازیوں سے بھر گئی۔ یہ صورت حال دیکھکر چوتھی شب میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام بالکل تشریف نہ لائے صحابہ نے بہت کچھ کھنکارا، دروازہ پر آہٹ کی مگر آپ ساری رات خلوت کدہ سے باہر تشریف نہ

لائے اور صبح کی نماز کے بعد حاضرین کو حقیقت حال سے آگاہ فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فلما قضی صلوٰتہ اقبل علی الناس فتشھد ثم قال اما بعد فانہ لم یخف علی مکانکم ولکن خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا۔
صحیح بخاری ص ۲۶۹ ج ۱)

جب آپ نماز فجر سے فارغ ہوئے تو حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے خطبہ مسنونہ پڑھا اس کے بعد فرمایا: میں تم لوگوں کی موجودگی (اور اضطراب و انتظار) سے بے خبر نہ تھا لیکن مجھے خطرہ ہوا کہ مبادا (میری مواظبت و مداومت سے) یہ تراویح تم پر فرض ہو جائیں اور تم ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ (اور گنہگار ہو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ذوق و شوق عبادت سے خوب اچھی طرح واقف تھے، مگر آپ جانتے تھے کہ آنے والی نسلوں میں عبادت کا یہ ذوق و شوق نہ رہیگا تو اگر تراویح فرض ہو گئیں تو اُمت مصیبت میں پڑ جائے گی اس لئے تین رات تو آپ نے مسجد میں آکر باجماعت تراویح پڑھیں تاکہ باجماعت تراویح کی مشروعیت کی اساس تو قائم ہو جائے مگر پابندی نہ کی اور چوتھے دن نہ آئے تاکہ واجب نہ ہوں ۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عمل پر مواظبت و مداومت فرمانا ۔۔ بدون الترک مرۃ (بغیر کبھی ترک کئے) ۔۔ اس کے فرض (واجب) ہونے کی دلیل ہے اور کبھی عمل کرنا اور کبھی چھوڑ دینا اس کے مسنون ہونے کی دلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب اس وجوب کا اندیشہ نہ رہا ۔۔ اس لئے کہ یہ تشریعی مرتبہ و مقام صرف آپ کی ذات معصوم کے ساتھ مخصوص تھا ۔۔ تو حضرت عمر فاروق رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "سہ روزہ عمل" کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پسندیدہ سنت کو نافذ فرمایا اور اُمت نے بالاجماع اس کو قبول کیا اور آج تک باجماعت تراویح تمام دنیا میں پڑھی جا رہی ہیں۔

اسی احساس ذمہ داری اور احتیاط کوشی کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ آپ کے کسی فعل و عمل سے صحابہ احکام شرعیہ کے سمجھنے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

بینما کان رسول اللہ صلی اللہ

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے

علیہ وسلم یصلی باصحابہ اذ خلع نعلیہ فوضعہما عن یسارہ فلما رأی القوم القوا نعالھم. فلما قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰتہ قال: ما حملکم علی القاء نعالکم؟ قالوا: رأیناک القیت نعلیک فالقینا نعالنا۔ فقال رسول اللہ علیہ وسلم: ان جبرئیل اتانی فاخبرنی ان فیہما قذرا (سنن ابوداؤد ص ۹۵)

اثنا میں اپنی نعلیں (چپلیں) اتار دیں اور بائیں جانب رکھدیں تو مقتدیوں نے بھی آپ کے اس عمل کو دیکھکر جوتیاں اُتار دیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، تم نے نماز میں جوتیاں کیوں اُتار دیں؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم نے دیکھا کہ آپ نے اثنا ءِ نماز میں ہی جوتیاں اُتار دیں تو ہم نے بھی اُتار دیں آپ نے فرمایا: مجھے تو جبرئیل (علیہ السلام) نے آکر خبر دی کہ آپ کی جوتیوں میں گندگی لگی ہوئی ہے (اس لئے میں نے اُتار دیں تم نے کیوں اُتاریں)

دیکھئے اس واقعہ میں صحابہ نے آپ کے عمل کو حکم شرعی اور حجت شرعیہ سمجھکر فوراً جوتیاں اُتار دیں اور یہ سمجھا کہ جوتیاں پہنکر نماز پڑھنا ممنوع ہوگیا حالاں کہ واقعہ یہ نہ تھا اس لئے فوراً آپ نے اس غلط فہمی کو دور کیا اور بتلا دیا کہ میں نے تو اس لئے جوتیاں اُتاری تھیں کہ میری جوتیوں میں نجاست لگی ہوئی تھی اور مجھے خبر نہ تھی جونہی جبرئیلؑ نے مجھے بتلایا میں نے اُتار دیں۔ اب حکم شرعی منقح ہوگیا کہ جیسے نماز میں نماز کی جگہ اور نمازی کے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے اسی طرح اگر جوتیاں پہنی ہوئی ہوں تو ان کا بھی پاک ہونا ضروری ہے اگر جوتیاں پاک ہوں تو ان کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر آپ اس غلط فہمی کو دور نہ فرماتے تو صحابہ یہی سمجھتے کہ جوتیاں پہن کر نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

نیز اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے افعال و احوال کی کس قدر نگرانی فرماتے ہیں کہ نماز باجماعت لاعلمی میں فاسد ہو رہی تھی فوراً جبرئیل کو بھیجکر سب کی نماز کو فاسد ہونے سے بچا لیا سبحان اللہ

جو شخص آپ کے عمل کو حجت شرعیہ باور کرنے میں تردد کرے اس پر ناراضگی کا اظہار

اسی نامِج ذیل کے واقعہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی فرمایا اور جو شخص آپ کے عمل کو

حکم شرعی اور حجت شرعیہ نہ باور کرے، اس پر ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ ساتھ ہی اس سلسلہ میں ایک اہم اصول کا بھی اعلان فرما دیا۔

عن عطاء بن یسار ان رجلا قبل امرأته وهو صائم فوجد من ذلك وجدا عظيما فارسل امرأته تسأل له عن ذلك فدخلت على ام سلمة زوج النبی صلی الله علیه وسلم فذكرت ذلك لها فاخبرتها ام سلمة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم كان يقبل وهو صائم فاخبرت بذلك زوجها فزاده شرا وقال لسنا مثل رسول الله صلی الله علیه وسلم يحل الله عزوجل لرسوله ما شاء ثم رجعت المرأة الى ام سلمة فوجدت رسول الله صلی الله علیه وسلم عندها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما بال هذه المرأة فاخبرته ام سلمة فقال الا اخبرتيها انی افعل ذلك فقالت ام سلمة قد اخبرتها فذهبت الى زوجها فاخبرته فزاده شرا وقال يحل الله لرسوله ما شاء فغضب رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال انی لاتقاكم لله عزوجل و اعلمكم بحدوده
(رواہ الطحاوی فی باب القبلة للصائم)

عطاء بن سائب روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے روزہ میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا تو وہ اس پر بہت غمگین اور فکر مند ہوا اور اپنی بیوی کو مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا وہ حضرت اُم سلمہ زوجہ مطہرہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئی اور واقعہ بیان کیا حضرت اُم سلمہ نے اس کو بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ میں بوسہ لے لیا کرتے ہیں (اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا) اس نے جا کر اپنے شوہر کو بتلایا، اس پر اُس کا غم واندوہ اور بھی بڑھ گیا اور اس نے کہا۔ ہم رسول اللہ کی مانند نہیں ہیں اللہ عزوجل اپنے رسول کے لئے جو چاہے حلال کر دے۔ پھر وہ عورت حضرت اُم سلمہ کے پاس آئی اس مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود وہاں موجود تھے آپ نے دریافت فرمایا: یہ عورت کیوں آئی ہے؟ اُم سلمہ نے واقعہ بیان کیا حضور نے فرمایا: تم نے اسکو بتلایا کیوں نہیں کہ میں بھی ایسا کر لیا کرتا ہوں۔ اُم سلمہ نے عرض کیا: میں نے اسکو بتلایا تھا اور اُس نے جا کر اپنے شوہر کو بتلایا بھی مگر اس پر اُس کا غم واندوہ اور بھی بڑھ گیا اور کہا: ہم رسول اللہ کی مانند نہیں ہیں اللہ اپنے رسول کیلئے جو چاہے حلال کر دے۔ تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا اور فرمایا: میں تم میں سب سے زیادہ اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرنے والا ہوں، اور سب سے زیادہ اللہ کی حدود (حرام وحلال) کو جاننے والا ہوں

یعنے احکام الٰہیہ خصوصاً حرام وحلال کے احکام کی پابندی میں میں اُمت سے زیادہ مامور ومسئول ہوں اور احکام الٰہیہ کو تم سب سے زیادہ جانتا بوجھتا ہوں اور اسکی نافرمانی سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں۔ میرے کسی فعل وعمل کو میرے ساتھ اس وقت تک مخصوص نہیں سمجھا جا سکتا جبتک کہ کتاب وسنت کی کسی نص صریح سے خصوصیت ثابت نہ ہو۔ اسی پر اُمت کا اجماع ہے مثلاً بغیر مہر کے کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لینا بنص قرآن خالصة لك من دون المومنين کے تحت آپ کے ساتھ مخصوص تھا یا نیند کا ناقض وضو نہ ہونا (یعنے محض سونے سے وضو کا نہ ٹوٹنا) بنص حدیث ان عینی تنامان ولا ینام قلبی آپ کے ساتھ مخصوص تھا وقس علیٰ ھٰذا۔ محض احتمال خصوصیت، کسی حکم کے آپ کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ میں اس شخص نے سمجھ لیا تھا اسی لئے آپ اس پر اتنے غصہ ہوئے تاکہ امت بھی اچھی طرح سمجھ لے کہ رسول کا ہر فعل اُمت کے لئے حجت ہے جب تک کہ رسول کی خصوصیت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

تشریع عملی کی قوت

تشریع عملی کی تعمیل حکم کے اعتبار سے قوت تاثیر کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات زبان مبارک سے کسی امر کا حکم دینے کا اتنا اثر نہیں ہوتا تھا جتنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عمل کرتے ہوئے دیکھنے کا اثر ہوتا تھا اس کا ثبوت ذیل کا واقعہ ہے۔

جب سنہ ۶ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام حدیبیہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوئے تو کفار قریش نے حدود حرم میں داخل ہونے سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے صلح ہو گئی اور طے ہوا کہ آئندہ سال آپ مع اپنے رفقاء کے مکہ میں آکر عمرہ کریں گے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "احصار" کی بنا پر صحابہ کو حلال ہونے اور عمرہ کا احرام توڑ دینے کا حکم دیا صحابہ یہ سمجھے کہ آپ نے ازراہ شفقت ہمیں حلال ہونے کا حکم دیا ہے اس لئے کوئی بھی امر پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ ہوا یہ صورت حال دیکھکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت جز بز اور برہم ہوئے اور اسی برہمی کی حالت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں تشریف لائے۔ اب حضرت ام سلمہ کی زبان سے واقعہ سنئے:

فلما فرغ من قضية الكتاب
قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم لاصحابه: قوموا فانحروا ثم
احلقوا قال: فوالله ما قام منهم
رجل حتى قال ذلك ثلاث
مرات فلما لم يقم منهم
احد دخل على أم سلمة
فذكر لها ما لقي من الناس،
فقالت ام سلمة: يانبي الله
اتحب ذالك؟ اخرج ثم لاتكلم
احدا منهم كلمة حتى
تنحر بدنك وتدعو حالقك
فيحلقك، فخرج فلم يكلم
احدا منهم حتى فعل ذلك
نحر بدنه ودعا حالقه فحلقه،
فلما رأوا ذلك قاموا فنحروا و
جعل بعضهم يحلق بعضا
حتى كاد بعضهم يقتل بعضا
غما۔

(صحیح بخاری ص ۳۸۰ ج ۱)

جب آپ معاہدہ صلح کی تحریر کے قصہ سے فارغ ہوئے
تو آپ نے صحابہ سے فرمایا اٹھو جاؤ قربانی کے جانور
ذبح کر دو اسکے بعد سروں کے بال منڈا دو، خدا کی
قسم ایک شخص بھی تو ان میں سے نہیں اُٹھا، آپ نے
دوبارہ یہی فرمایا حتی کہ تین مرتبہ حضور نے یہی حکم دیا
جب ان میں سے کوئی شخص بھی نہ اُٹھا اور اس حکم
پر عمل کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا، تو آپ (خفگی اور بےچینی
کی حالت میں) اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے
خیمہ میں تشریف لے گئے اور جو صورت حال پیش آئی
تھی اس کا ذکر فرمایا تو اس پر اُم سلمہ نے عرض کیا: اے
اللہ کے نبی آپ چاہتے ہیں کہ ایسا ہو؟ (یعنے اگر اللہ
کا حکم یہی ہے) تو باہر تشریف لے جائیے اور کسی سے
کچھ نہ کہئے اور اپنی اونٹنیوں کو ذبح کر دیجئے اور حلاق
کو بلا کر سر کے بال اُترا دیجئے چنانچہ آپ باہر آئے اور
ایسا ہی کیا اونٹنیوں کو ذبح کر دیا اور حلاق کو بلا کر بال
اتروا دیئے جب لوگوں نے یہ دیکھا (توان کو یقین ہوگیا
کہ اللہ کا حکم یہی ہے) پھر تو سب کے سب فوراً قربانی
کے جانور ذبح کرنے اور ایک دوسرے کے سر کے
بال مونڈنے پر اس طرح ٹوٹے کہ شدت ازدحام
کی وجہ سے قریب تھا کہ ایک دوسرے کو مار ڈالیں

سبحان اللہ! اُمہات المومنین کی ذکاوت، فطرت شناسی اور اسرار و غوامض تشریع
احکام کی معرفت و واقفیت! کتنا صائب مشورہ دیا ہے اور کیوں نہ ہوتا؟ ان کے گھروں میں
قرآن نازل ہو رہا تھا اور احکام الٰہیہ کی تشریع و تشکیل ہو رہی تھی، اللہ تعالیٰ بھی اُمہات المومنین

کو ان کی ذمہ داری پر متنبہ فرماتے ہیں:

واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ (احزاب ع۴) — (اے ازواج نبی) یاد رکھا کرو جو اللہ کی آیات اور شرعیہ کی باتیں تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں۔

یہی حکمت ہے تکثیر ازواج نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممزاولت رکھنے والے جانتے ہیں کہ امہات المومنین نے احکام شرعیہ میں اختلاف صحابہ کے مواقع پر کیسی کیسی اہم رہنمائیاں کی ہیں اور کس قدر وافر ذخیرہ احکام شرعیہ یعنی سُنت و حدیث رسول اللہ کا، امت کو اُمہات المومنین کے ذریعہ پہونچا ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ ہے اس کی تفصیل کے لئے تو ایک مستقل مقالہ درکار ہے۔

سہو ونسیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور احادیث صحیحہ کے بنظر غائر مطالعہ و ممزاولت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا واحد مقصد ہی تشریع وتعلیم احکام الٰہیہ تھا اگر یہ نکتہ پیش نظر نہ ہو تو آپ کی زندگی میں بعض ایسے حیرت انگیز واقعات نظر آتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے اور کیونکر پیش آ گئے اور ان کی کیا تاویل وتوجیہہ ہو سکتی ہے چنانچہ :۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

سنقرئك فلا تنسىٰ الا ماشاء اللہ (الاعلیٰ ع۱) — ہم تمہیں پڑھا دیں گے پھر تم کبھی نہیں بھولو گے بجز اُس کے جو اللہ چاہے

شیطان — جو ہر انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور انسان کا سب سے بڑا ازلی دشمن ہے۔ خصوصاً نماز میں کہ شروع کرتے ہی پیچھے پڑ جاتا ہے کہ کسی بھی طرح ہو سہو ونسیان میں گرفتار کر کے نمازی کی نماز خراب کر دے وہ آپ کا شیطان — آپ کا فرمانبردار بن چکا تھا۔

نیز والذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون (اور وہ لوگ جو پورے خشوع وخضوع اور حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں) کے آپ مظہر اتم تھے اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) آپ کا شعار تھا، آپ کی محبوب ترین چیز نماز تھی۔

مگر اس کے باوجود آپ نماز میں بھول گئے اور چار کے بجائے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا

اور ایک دو مرتبہ نہیں پانچ مرتبہ مختلف نمازوں میں مختلف صورتوں میں بھولے اور تو اور "غسل جنابت" کو بھول گئے اور اسی حالت میں نماز پڑھانے مسجد میں تشریف لے آئے مصلے پر کھڑے ہو گئے اقامت ہو گئی تب یاد آیا تو نمازیوں کو کھڑے رہنے کی ہدایت فرما کر اُلٹے پاؤں واپس گئے اور غسل کر کے آئے تب نماز پڑھائی (رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ ص ۱)

حیرت ہوتی ہے کہ یہ آپ کیسے اور کس راہ سے بھولے؟ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہی اس عقدہ کی گرہ کشائی اور حیرت کا ازالہ کرتا ہے۔

لم انس ولکن أنسّىٰ لکی	میں بھولتا نہیں بلکہ مجھے بھلایا جاتا ہے تاکہ تم مجھے سنت
تستنوا بی (وفی روایۃ) انما	(حکم شرعی) معلوم کرو اور ایک روایت میں ہے مجھے صرف اس
أنسی لتستنوا بی	لئے بُھلادیا جاتا ہے تاکہ تم مجھ سے سنت معلوم کرو۔

معلوم ہوا یہ نسیان الا ما شاء اللہ کے تحت داخل ہے اور اللہ پاک نے اس لئے بُھلایا ہے تاکہ امت کو عملی طور پر بھی نماز میں سہو و نسیان کی مختلف صورتوں میں مختلف احکام کی تعلیم دی جاسکے نیز امام اگر غسل جنابت کو بھول جائے اور وضو کر کے نماز پڑھانے مصلے پر کھڑا ہو جائے تو اچانک یاد آجانے پر کیا کرے اور مقتدیوں کو اس صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔

چنانچہ حدیث کی کتابوں کے ابواب الصلوٰۃ میں "سجود سہو" کے طویل الذیل ابواب حدیث کی ہر کتاب میں موجود ہیں۔

۲۔ اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیغمبرانہ خصوصیت تھی:

تنام عینی ولا ینام قلبی	میری آنکھیں تو سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

یعنے آپ کتنی ہی گہری نیند سوئیں مگر دل بیدار اور اس کا احساس و شعور برقرار رہتا ہے اسی لئے علماء اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ناقض وضو نہیں ہے مگر اس کے باوجود لیلۃ التعریس کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ حتیٰ کہ حضرت بلالؓ بھی جنہوں نے وقت پر بیدار کرنے کا ذمہ لیا تھا سب ایسے سوئے کہ سورج کی تیز و تند شعاعوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اس کے بعد صحابہ کو بیدار کیا اور پھر وقت مکروہ نکل جانے کے بعد سب نے وضو کر کے سنتیں اور نماز فرض با جماعت مع اذان و

اقامت ادا کی۔ معلوم ہوا یہ نوم (نیند) آپ پر صرف اس لئے مسلط کی گئی تھی کہ نماز باجماعت قضا کرنے کی عملی تعلیم دی جا سکے۔ صحابہ اس واقعہ میں بڑے گھبرائے کہ نہ ہم آخر شب میں پڑاؤ کرنے کی درخواست اور اصرار کرتے نہ آپ کی نماز قضا ہوتی، دیکھئے خدا کا کوئی عذاب ہم پر نازل نہ ہو، اس لئے آپ نے مطمئن فرما دیا ان ذالک وادفیہ شیطان (اس وادی میں کوئی بڑا خبیث شیطان تھا) اور حضرت بلالؓ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے مجبوری و معذوری کا اظہار ان الفاظ میں کرا دیا اخذ بنفسی الذی اخذ بنفسک (میری جان پر بھی اسی نے قبضہ کر لیا تھا جس نے آپ کی جان پر قبضہ کیا تھا) اسی طرح "نسیان" کے مذکورہ بالا واقعہ میں آپ نے مسلمانوں کے اطمینان و تطیب خاطر اور امت کی تعلیم کے لئے کہ اگر امام بھول جائے تو مقتدی اُسے یاد دلا دیں فرمایا:

انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون — میں بھی تم ہی جیسا انسان ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں

فاذا نسیت فذکرونی — بھی بھولتا ہوں جب میں بھول جاؤں تو تم یاد دلایا کرو

دیکھئے ایک طرف نبی کے اعمال و افعال کی حفاظت و صیانت کا یہ عالم ہے کہ لاعلمی میں نعلین متقدس بین (گندی) جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں تو فوراً جبرئیل امین کو بھیجکر اطلاع دیجاتی ہے اور سب کی نماز کو فساد سے بچایا جاتا ہے دوسری طرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام صحابہ کے ساتھ محو خواب راحت ہیں اور فجر کا وقت نکل جاتا ہے اور جبرئیل امین کو بھیجکر بیدار نہیں کرایا جاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہو نہیں رہا تھا بلکہ کرایا جا رہا تھا

ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں،

صرف اس لئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عملی طور پر احکام الٰہیہ کی تعلیم دے سکیں۔ اس پر بھی امت کو احکام الٰہیہ کے سمجھنے میں جو شبہات پیدا ہوتے ان کو زبانی تعلیم سے دور کیا جاتا چنانچہ اسی لیلۃ التعریس کے واقعہ میں صحابہ یہ سمجھکر کہ فجر کی نماز ہم نے باجماعت پڑھ تو لی مگر فجر کے وقت میں تو نہ پڑھی، عرض کرتے ہیں:۔

افلا نقضیھا لوقتھا من الغد — کیا ہم اس نماز کو کل اس کے وقت پر نہ پڑھ لیں۔

آپ کس قدر دلنشین اور تسلی بخش جواب دیتے ہیں۔

نھاکم ربکم عن الربوٰ و یقبلہ منکم؟ — تمہارے رب نے تم کو تو سود سے منع کیا ہو اور خود تم سے وہ سود لیگا؟

یعنے ایک نماز کی ایک ہی قضا ہونی چاہیئے نہ کہ دو۔ بار وقت تو وہ تو لوٹایا نہیں جا سکتا۔ اور آئندہ کے لئے عام ضابطہ بتلا دیا:۔

لا تفریط فی النوم انما التفریط	سونے کی حالت میں کوئی تقصیر نہیں، تقصیر تو صرف بیداری
فی الیقظة فاذا سهی احدکم	میں ہے پس تم میں سے جس شخص کی کوئی نماز سہو (یا سو جانے
عن صلوٰة فلیصلها اذا ذکرها	کی وجہ سے) رہ جائے تو جب یاد آجائے اسی وقت پڑھ لو
فان ذلك وقتها ومن الغد	یہی اس کا وقت ہے۔ اور اگلے دن وقت پر نماز پڑھو،
للوقت ۔ (سنن ابی داؤد ص ۶۳)	(آگے قضا نہ ہونے دو)

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیانِ جواز اور تعلیم اُمت کی ضرورت سے خلاف اولیٰ یا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی کام ہی کر سکتے ہیں جان بوجھکر چار کے بجائے دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیر سکتے، یاد ہوتے ہوئے جنابت (ناپاکی) کی حالت میں مصلے پر تو نہیں کھڑے ہو سکتے، بیداری میں جان بوجھکر نماز تو نہیں چھوڑ سکتے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے سہو و نسیان اور نیند کو آپ پر مسلط کر کے ان حالات سے متعلق عملی تعلیم کا — جو سب سے زیادہ موثر تعلیم ہے — انتظام فرما دیا اسی لئے ایسے مواقع پر کبھی نکیر یا عتاب و تنبیہ نہیں فرمائی۔

بہرصورت یہ قطعی اور یقینی امر ہے اور قرآن کریم کی نصوص (صریح آیات) اس کی قطعی دلیل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل و عمل — باستثنا ان امور کے جو آپ کی ذات سے مخصوص ہیں اور ان کی خصوصیت کی تصریح یا قطعی دلیل موجود ہے — حکم شرعی اور حجت شرعیہ (شرعی دلیل) ہے صرف اس لئے کہ آپ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے قرآن اس کا شاہد ہے۔ یہی معنی ہیں آپ کے معصوم الفعل ہونے کے۔

معصوم الرائے (الاجتهاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے مذکورہ ذیل حکم

انا انزلنا الیك الکتاب	بیشک ہم نے تم پر برحق کتاب اُتاری ہے تاکہ اللہ نے
بالحق لتحکم بین الناس بما	تم کو جو بتلایا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان احکام
اراك الله (النساء ع ۱۵)	جاری کرو۔

کے تحت ایسے امور جن میں کوئی نص وحی متلو یا غیر متلو نہ ہوتی تھی۔ ان میں اپنی رائے اور اجتہاد سے حکم فرماتے تھے علما لکھتے ہیں کہ آپ اوّل نزول وحی کا انتظار کرتے اگر وحی نازل نہ ہوتی اور نہ نازل ہونے کی توقع باقی رہتی تو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے "اصول تشریع احکام" کے تحت (جن کا ذکر آئندہ آیات میں مستقل عنوان کے تحت آتا ہے) اپنی رائے اور اجتہاد سے حکم فرما دیتے۔ اس حکم پر اللہ تعالیٰ کا آپ کو برقرار رکھنا ہی اُس کے قطعی اور من عند اللہ ہونے کی دلیل ہو ایسی اگر وہ حکم تشریعی حیثیت سے مناسب نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فوراً اس پر متنبہ فرما دیتے اس لئے کہ وحی متلو اور غیر متلو دونوں کا سلسلہ جاری تھا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ یہ اعلان بھی فرما چکے تھے۔

وما ینطق عن الھویٰ	اور وہ (نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا (جو وہ کہتا ہے) وہ تو
ان ھو الا وحی یوحیٰ (النجم ۱۴)	صرف وحی ہوتی ہے جو اس کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بھی یہ اعلان کرا دیا گیا تھا۔

قل ما یکون لی ان ابدلہ من	کہدو: میرے لئے ممکن نہیں کہ میں اسکو اپنی طرف سے بدل دوں
تلقاء نفسی ان اتبع الا ما	میں تو صرف اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس
یوحیٰ الی (یونس ۲۴)	وحی بھیجی جاتی ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اجتہادی حکم پر برقرار رکھنا اس کی قطعی دلیل ہے کہ وہ حکم حجت شرعیہ ہے اور من عند اللہ ہے اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس "رائے" اور "اجتہاد" کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں۔

روی عمرو بن دینار ان رجلا قال	عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر سے کہا:
لعمر: احکم بما اراک اللہ قال	جو اللہ نے آپ کو سمجھایا ہے اس (رائے) کے مطابق حکم کیجئے
مہ، انما ھذا للنبی صلی اللہ	تو انھوں نے فرمایا: چپ رہ یہ (اپنی رائے سے حکم کرنا) تو رسول
علیہ وسلم خاصۃ۔	اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور برسر منبر دوسرے لوگوں کو اس رائے اور اجتہاد کا دعویٰ کرنے اور اس لفظ کو استعمال کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد اور اُمت کے اجتہاد میں فرق واضح کرتے ہیں۔

عن عمر رضی اللہ عنہ قال لایقولن احدکم قضیت بما اراني اللہ، فان اللہ لم یجعل ذالک الا لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ ہرگز نہ کہے: "جو اللہ نے مجھے سمجھایا اس کے مطابق میں نے فیصلہ کیا ہے" اس لئے کہ اللہ نے یہ مرتبہ صرف اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے

وفی روایۃ البیہقی بسندہ عن عمر بن الخطاب انہ قال علی المنبر یا ایہا الناس ان الرأی انما کان من رسول اللہ مصیبا لان اللہ تعالیٰ کان یریہ وانما ہو منا الظن والتکلف

(مفتاح الجنۃ للسیوطی فی الاحتجاج بالسنۃ)

بیہقی کی روایت میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایکمرتبہ انھوں نے فرمایا اے لوگو! بیشک رائے تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یقینی اور صحیح ہوتی تھی اس لئے کہ اللہ پاک آپ کو (وحی خفی کے ذریعہ) بتلاتا تھا اور ہماری رائے تو محض ہمارا گمان (غالب) ہوتا ہے اور وہ بھی (کتاب وسنت میں) بڑے غور وفکر اور مشقت کے بعد۔

اسی طرح ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن ابن عباس قال: ایاکم والرأی، فان اللہ قال لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولم یقل بما رأیت۔

منذر بن ابی حاتم (بسندہ) حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: تم (شخصی) رائے سے احتراز کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبی کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ جو اللہ نے تمکو بتلایا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرو یہ نہیں فرمایا: جو تم مناسب سمجھو فیصلے کرو۔

شیخ ابو المنصور ماتریدی رحمہ اللہ بما اراک اللہ کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:

معنی الآیۃ. بما اراک اللہ بالنظر فی الاصول المنزلۃ وقال فیہ دلیل علی جواز الاجتہاد فی حقہ (تفسیر ظہری م)

آیت بما اراک اللہ کے معنی یہ ہیں کہ "نازل شدہ اصولِ تشریع میں غور وفکر کرکے فیصلہ کرو" اور فرمایا: یہ آیت آپ کے اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے۔

شیخ ابو المنصور ماتریدیؒ کی اس تفسیر کی تائید حضرت قتادہؓ کے مذکورہ ذیل اثر سے ہوتی ہے

اخرج عبد بن حمید عن قتادۃ

عبد بن حمید، حضرت قتادہ سے ما اراک اللہ کی

لتحکم بین الناس بما اراك اللہ قال   تفسیر بما سن لك (جو اصول اللہ نے تمہارے لئے
بما سن لك۔   مقرر فرمائے ہیں) سے نقل کرتے ہیں۔

اسی لئے شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ اس "رائے" اور اجتہاد کو بھی "وحی" کا مصداق قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ اصول سرخسی (ج ۲ ص ۹۰) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریع احکام کے چار طریقے بتلاتے ہیں اور وحی کی چار قسمیں بیان کرتے ہیں۔

(۱) وحی ظاہر جلی! جو وحی متلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے (حضرت جبریل) کے ذریعہ آتی تھی (پورا قرآن اس کا مصداق ہے)

(۲) وحی ظاہر خفی! وہ وحی غیر متلو جو بذریعہ فرشتہ کے یا بصورت القاء فی القلب آپ کے پاس آتی تھی

(۳) وحی باطنی! پیش آمدہ مسائل و واقعات وجزئیات میں کافی غور وخوض کے بعد جو علم ویقین آپ کے قلب میں من جانب اللہ پیدا کر دیا جاتا تھا اور آپ بدون تذبذب وتردد حکم فرما دیتے تھے یہ علم ویقیں ہی وحی الٰہی ہے۔

(۴) مایشبہ الوحی! ہر سہ قسم کی وحی نہ ہونے کی صورت میں نزول وحی کا کافی انتظار (یا وحی ماثلا) کر چکنے کے بعد آپ نے جو احکام اپنی رائے (اجتہاد) سے یا صحابہ کے مشورہ سے نافذ کئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو برقرار رکھا (یعنے اس کے خلاف کوئی تنبیہ نہیں کی گئی)

اوّل تینوں قسموں کی وحی کے احکام قطعی ویقینی احکام الٰہیہ ہیں چوتھی قسم کی وحی کے احکام منجانب اللہ تقریر (برقرار رکھنے) کے بعد قطعی اور یقینی ہو جاتے ہیں بالفاظ دیگر پہلی تین قسم کی وحی کے احکام میں غلطی کا مطلق امکان نہیں چوتھی قسم کے احکام میں ابتداءً غلطی کا امکان ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے سکوت فرمانے اور برقرار رکھنے کے بعد وہ بھی قطعی ہو جاتے ہیں۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم

وشاورھم فی الامر فاذا   اور ان (صحابہ) سے (اجتہادی) امر میں مشورہ کیا

عزمت فتوکل علی اللہ — کیا کرو پس جب (کسی رائے پر) تمہارا دل ٹھک جائے تو بھروسہ اللہ پر کرو (اور حکم دیدو)

(آل عمران ع ۱۷، ۴ ع)

کے تحت صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے پر بھی مامور تھے اور ظاہر ہے کہ مشورہ "غیر منصوص" اور "اجتہادی" امور میں ہی کیا جا سکتا ہے اس لئے آپ حسب ضرورت مذکورہ بالا قسم کے اجتہادی امور صحابہ کرام رضہ کے مشورہ سے بھی طے کیا کرتے تھے۔

جو علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمامتر احکام تشریعیہ —— اوامر و نواہی، قضا و معاملات غرض جملہ تشریعی اقوال و افعال اور تقریر (بیان سکوتی) —— کو آیت کریمہ وما ینطق عن الھویٰ الآیۃ اور ان اتبع الا ما یوحیٰ الی وغیرہ آیات کی بنا پر وحی الٰہی جلی یا خفی پر مبنی قرار دیتے ہیں اور رائی و اجتہاد کے ذریعہ احکام نافذ کرنے کو ان نصوص کے خلاف سمجھتے ہیں وہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں مشورہ کے حکم کو "حربی امور" یا "دنیاوی معاملات" سے مخصوص قرار دیتے ہیں۔

حالانکہ آپ عنقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادی احکام کی مثالوں کے ذیل میں پڑھیں گے کہ آپ نے خالص "تعبدی" اور "حقوق اللہ" سے متعلق امور میں بھی صحابہ سے مشورہ کیا ہے اور اُن کے مشورہ اور اپنے اجتہاد سے احکام نافذ کئے ہیں (تفصیل کے لئے مراجعت کیجئے اصول سرخسی ج ۲ ص ۹۰ کی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اجتہادی احکام

ہم ذیل میں بطور "گلے از گلزار ے" ہر دو قسم کے چند ایسے احکام بیان کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی صرف اپنی رائے سے اور کبھی صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد نافذ فرمائے۔

۱- خولہ بنت ثعلبہ کو اس کا شوہر اوس بن صامت غصہ میں "انت علی کظھر امی" (تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مانند ہے) کہہ بیٹھا۔ یہ اسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ تھا۔ خولہ روتی پیٹتی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور واقعہ بیان کیا اور اسی کے ساتھ اپنی بے کسی اور بے بسی کا شکوہ بھی کیا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جوانی میری ختم ہو گئی اب میں کہاں

جاؤں آپ نے فرمایا:

ما اراك الا قد حرمت علیه — میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہوگئی

رؤف ورحیم پروردگار نے خولہ اور اس جیسی بے کس ولاچار عورتوں پر رحم فرمایا اور ذیل کی آیات اسی وقت نازل فرمادیں۔

قد سمع الله قول التی تجادلك	بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے اپنے
فی زوجها وتشتکی الی الله والله	شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی (اور جھینکتی تھی)۔
یسمع تحاورکما ان الله سمیع	اور اللہ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا بیشک
بصیر (مجادلہ ع ۱)	اللہ بہت سننے اور بہت دیکھنے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم حرمت اجتہادی تھا اللہ تعالیٰ نے اس حرمت کو تو باقی رکھا چنانچہ اُمت اس پر متفق ہے کہ ظہار سے بیوی حرام ہوجاتی ہے اللہ تعالیٰ نے بھی آیت کریمہ:۔

وانهم لیقولون منکراً	اور بیشک وہ ایک جھوٹی اور بری بات زبان سے کہہ
من القول وزوراً	ڈالتے ہیں۔

سے حرمت کی تائید فرمادی مگر کفارۂ ظہار ایک مستقل حکم شرعی نازل فرماکر اس حرمت کو ختم کرنے کی راہ پیدا کردی۔

۲۔ ایک انصاری صحابی ھلال بن اُمیہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

البینة والا حدٌ فی ظهرك (ابوداؤد ص ۳۰۶) چار گواہ لاؤ ورنہ تمہیں حدِ قذف " لگائی جائے گی یعنے تم دونوں میں سے ایک کو حد ضرور لگے گی اگر تم نے (چار عینی) گواہ پیش کردیئے تو تمہاری بیوی کو حد زنا لگے گی ورنہ تم کو حد قذف لگے گی (تہمت لگانے کی سزا اسّی کوڑے)

اس نے عرض کیا یا رسول اللہ شوہر اپنی بیوی کو اس حالت میں دیکھکر چار گواہوں کو بلانے جائیگا یا تلوار لیکر دونوں کا کام تمام کرے گا؟ اور اتنے وہ گواہوں کو بلائے گا اتنے میں تو وہ اپنا کام بناکر رفوچکر ہوگا! آپ نے فرمایا شریعت کا حکم یہی ہے یا چار گواہ لاؤ ورنہ تمہیں حد قذف لگے گی۔ اس نے بھی رؤف ورحیم پروردگار کی رأفت کا سہارا لیا اور عرض کیا۔

والذی بعثک بالحق انی لصادق، ولینزلن اللہ فی امری ما یبرئ ظہری من الحد
(سنن ابی داؤد ص ۳۰۶)

قسم ہے اس پروردگار کی جس نے آپ کو برحق نبی بناکر بھیجا میں بالکل سچا ہوں اور مجھے یقین ہے میرے معاملہ میں ضرور اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نازل فرمائیں گے جو مجھے حد قذف سے بچادے گا۔

اللہ تعالیٰ نے از راہ رافت، ازدواجی رشتہ کی نزاکت اور شوہر کی بے بسی و بیچارگی کے پیش نظر مذکورہ ذیل آیات میں لعان کا ایک مستقل حکم شرعی نازل فرما دیا جو بیوی کے حق میں (اگر وہ جھوٹی ہو) بمنزلہ "حد زنا" ہے اور شوہر کے حق میں (اگر وہ جھوٹا ہو) بمنزلہ "حد قذف" ہے۔

والذین یرمون ازواجھم ثم لم یاتوا باربعة شھداء الا انفسھم الآیة

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کا) الزام لگاتے ہیں اور اپنے سوا چار گواہ نہیں پیش کرتے تا آخر آیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ظاہر ہے اجتہادی تھا والذین یرمون المومنات المحصنات کے عموم میں شوہر بھی داخل تھا اگر حکم لعان نازل نہ ہوتا تو یقیناً اس پر حد قذف لگتی۔

۳۔ ایک خثعمیہ عورت نے حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر مسئلہ دریافت کیا کہ میرے باپ پر حج فرض ہوگیا ہے اور کبرسنی اور کمزوری کی وجہ سے وہ سفر کر نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

ارأیت لو کان علی ابیک دین فقضیتہ اکان یقبل منک

تو بتلا! اگر تیرے باپ پر کوئی قرض ہوتا اور تم اس کو ادا کرتی تو وہ قبول ہوتا یا نہیں۔

یہ حکم اجتہادی ہے آپ نے "دین اللہ" کو "دین العبد" پر قیاس فرمایا۔

۴۔ مدینہ طیبہ میں جب اطمینان وسکون کے ساتھ مسجد نبوی میں باجماعت نماز پنجگانہ ہونے لگی تو نمازیوں کو اوقات جماعت کی اطلاع دینے کا سوال پیدا ہوا سنن ابی داؤد کی روایت کے الفاظ ہیں

اھتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ کیف یجمع الناس لھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکرمند ہوئے کہ کس طرح لوگوں کو نمازوں کے لئے جمع کریں۔

تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو جمع کرکے مشورہ کیا کسی نے کہا: کسی اونچی جگہ پر آگ جلادی جایا کرے،، آپ نے فرمایا: آگ تو مجوسیوں کا شعار ہے ان سے تشبّہ ہوگا،، کسی نے رائے دی

گھنٹہ بجوا دیا جایا کرے" حضور نے فرمایا "یہ نصرانیوں کا شعار ہے" کسی نے کہا بوق رپھونپو) بجوا دیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ یہودیوں کا شعار ہے۔ غرض کافی غور و خوض کے باوجود کوئی مستقل اور اسلام کے شایان شان تجویز سمجھ میں نہ آئی اور اسی فکر میں غلطاں و پیچاں لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ عبداللہ بن زید بن عبد ربہ بھی اس مجلس شوریٰ میں شریک اور فکر مند تھے انھوں نے اسی رات آخر شب میں خواب دیکھا اور صبح ہوتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا خواب اور ملک نازل من السماء کی بتلائی ہوئی اذان و اقامت کے کلمات بیان کئے اس پر حضور نے فرمایا انہا لرؤیا حق (بیشک یہ بالکل سچا خواب ہے) اور فرمایا تم بلال کو یہ کلمات تلقین کردو وہ اذان دیا کریں گے اس لئے کہ ان کی آواز تم سے بہت زیادہ بلند ہے چنانچہ اسی وقت سے حضرت بلال نے اذان دینی شروع کردی اور آج تک وہی اذان و اقامت تمام روئے زمین پر دائر و سائر ہے۔ حضرت عمر فاروق نے بھی بعینہٖ یہی خواب دیکھا تھا وہ اذان کی آواز سُن کر دوڑے ہوئے آئے اور اپنے خواب کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تذکرہ کیا اس پر آپ نے فرمایا "فللّٰہ الحمد" اور اصول سرخسی کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا "اللہ اکبر ھٰذا اثبت"

ہذا اذان ابتداً آپ کے اجتہاد سے مشروع ہوئی مشورہ کرنا اس کی دلیل ہے اور ظاہر ہے کہ اذان خالص تعبدی امر ہے اور حقوق اللہ میں سے ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ ع ۹ میں آیت کریمہ واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزواً (الآیۃ) اور سورہ جمعہ میں آیت کریمہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ الآیۃ نازل فرما کر اس اجتہادی حکم کی تصدیق و توثیق فرما دی۔

(۵) اسی طرح اسارٰی بدر سے فدیہ لینے کا فیصلہ اور حکم بھی (جس کی تفصیل گذر چکی ہے) اجتہادی تھا اور صحابہ کے مشورہ سے ہوا تھا صرف حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھ ایک دو صحابہ کی رائے تھی کہ ان سب کو قتل کیا جائے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے قریب ترین رشتہ دار کو قتل کرے۔ حضرت ابو بکر صدیق اور عام صحابہ کی رائے تھی کہ "زر فدیہ" لے لیا جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے بھی یہی تھی اسی پر فیصلہ ہوا اور آپ نے فدیہ لینے کا حکم دے دیا اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد سورہ محمد میں جنگی قیدیوں کے متعلق تفصیلی حکم بیان فرمایا۔ یہ بھی خالص تعبدی امر ہے اور حقوق اللہ میں سے ہے۔

یہ تو صرف چند اجتہادی احکام بطور مثال ہم نے نقل کئے ہیں۔ حدیث کی متداول کتب عشرہ کے پڑھنے پڑھانے اور مزاولت رکھنے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ تشریعی زندگی خصوصاً مدنی زندگی کے تمام روز و شب سفر میں ہوں یا حضر میں اندرون خانہ ہوں یا بیرون خانہ تشریع احکام میں صرف ہوتے ہیں ہر وقت لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دین کے مسائل و احکام دریافت کرتے اور آپ بتلاتے تھے۔ حافظ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) نے تو اپنی مشہور کتاب اعلام الموقعین جلد چہارم کا آخری باب ہی۔

فصول یسیرۃ قدر ماعظم من فتاوی امام المتقین رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم

رکھا ہے اور بڑی تقطیع کے ۱۵۰ صفحات پر ان مسائل اور فتاوی کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے جو آپ سے مختلف اوقات میں دریافت کئے گئے جن کی تعداد ۶۶۶ تک پہونچتی ہے اور ان میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق احکام شرعیہ آپ نے بتلائے ہیں کچھ وحی جلی یا خفی کے ذریعہ اور کچھ اپنے اجتہاد سے۔ ملاحظہ فرمائیے اعلام الموقعین ج ۴ از ص ۲۶۶ تا ص ۴۱۴ جدید ایڈیشن مطبوعہ مصر

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ پر ایمان اور تشریع احکام پر تفصیلی اور عقیدت مندانہ نظر رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کے بیشتر احکام کی تشریع کا ماخذ وحی خفی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد اجتہادی بصیرت ہے اور نص بما اراك الله اس کی قطعی دلیل ہے۔

لہٰذا مذکورہ بالا آیات سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم القول بھی تھے اور معصوم العقل اور معصوم الرائے بھی تھے اسی کے ساتھ ساتھ ما نزل الیہم کی تشریح و تعبیر اور تشریع احکام پر مامور بھی تھے، جس کی تفصیل آیت نمبر (۵) کے ذیل میں آتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل حجت شرعیہ ہے اور آپ کے تمام تراحکامات خواہ اوامر ہوں یا نواہی، قولی ہوں یا فعلی، بیان سکوتی ہو یا لسانی سب احکام الٰہیہ ہیں اور من جانب اللہ ہیں، ان ہی کو بتلانے سکھلانے اور لسانی و عملی تعلیم دینے کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس ۲۳ سالہ تشریعی زندگی خصوصاً "مدنی" زندگی

کے تمام روز و شب سفر میں ہوں یا حضر میں، درونِ خانہ ہوں یا بیرونِ خانہ، مسجد نبوی کے مصلے پر ہوں یا میدانِ جنگ کے محاذ پر، سب تشریع احکام الٰہیہ میں صرف ہوئے ہیں۔

اسی "مجموعہ اقوال و افعال اور امر و نواہی" کو جس کا شرعی نام سنت رسول ہے، مذکورۃ الصدر آیت کریمہ میں ما اتاکم الرسول اور ما نھاکم الرسول سے تعبیر فرمایا ہے اور واجب القبول اور مفروض الطاعت قرار دیا ہے اور صحیح مسلم کی مذکورۃ الصدر حدیثِ صحیح میں والایمان بما جئت به کے عنوان سے صحت ایمان کا اس پر مدار رکھا ہے۔ اسی لئے باتفاق امت توحید و رسالت کے ساتھ ساتھ ماجاء به الرسول پر ایمان لانا فرض ہے نیز منکر سنت رسول کافر اور مباح الدم ہے اور تارک سنت رسول فاسق اور مستحق عذاب الیم ہے اور کتاب و سنت کی نصوص صریحہ میں تاویل و تحریف کرنے والا ملحد و زندیق اور آیت کریمہ ذیل کا مصداق ہے

ان الذین یلحدون فی اٰیاتنا	بیشک جو لوگ کجراہی (اختیار) کرتے ہیں ہماری آیات
لا یخفون علینا افمن یلقی فی	میں وہ ہم پر مخفی نہیں ہیں، کیا وہ جو ڈالا جائے جہنم میں
النار خیر ام من یاتی اٰمنا یوم القیمة	بہتر ہے یا وہ جو آئے قیامت کے دن امن (و سلامتی)
اعملوا ما شئتم انه بما تعملون بصیر	کے ساتھ؟ کرلو جو چاہو، بیشک وہ تمہارے اعمال کو
(حٰم السجدہ، رکوع ۳ جزو ۲۴)	(اچھی طرح) دیکھ رہا ہے۔

تنبیہ[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمام تر احکامات خواہ اوامر ہوں یا نواہی، لسانی ہوں یا سکوتی اور آپ کے تمام تر تشریعی اعمال و افعال جن کو مذکورۃ الصدر آیت کریمہ میں ما اتاکم الرسول اور ما نھاکم الرسول سے تعبیر کیا گیا ہے یہی "مصادیق و مشمولات" سنت ہیں یہ اس قدر تفصیلی، وافر اور محیط ہیں کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے لئے اس میں احکام شرعیہ موجود نہ ہوں عبادات ہوں یا معاملات و احکام، اصولِ قضا و فصل خصومات ہوں یا حدود و قصاص اور جنایات و تعزیرات، اقتصادیات و معاشیات ہوں یا سیاسیات و عمرانیات ہوں۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے مقالہ "تصور سنت" ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ جولائی ۶۳ء شمارہ ۱ و ج ۱ یہ پوری تنبیہ ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ مقالہ کے جوابات پر مبنی ہے واوین (" ") کے درمیان الفاظ اسی مقالہ کے الفاظ ہیں ۱۲

فضائل اخلاق و اعمال ہوں یا تزکیۂ روحانی کی تعلیمات، غرض حیات انسانی کی "جملہ دقیق تفصیلات" کے لیے کتاب اللہ کے بعد "شرعی احکام و قوانین" کا ماخذ آپ کے یہی اقوال و افعال ہیں ان احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا" وافر ذخیرہ "کتب حدیث" کے اندر موجود اور ہر طرح کی رخنہ اندازی سے محفوظ ہے اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا جیسے قرآن عظیم۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ ہم "چیلنج" کرتے ہیں کہ منکرین سنت رسول بجز "حوادث و نوازل" اور ان "جزئیات" کے جو وقت کی پیداوار ہوتی ہیں اور کسی بھی انسانی زندگی کے شعبہ کو پیش کریں جس کے لیے کتاب و سنت میں قابل عمل اصول و احکام موجود نہ ہوں۔

اور اس قدر "واضح" اور "صریح" احکام و قوانین ہیں کہ ملحدین و زنادقین کے لئے بجز تحریف و تاویل کتاب و سنت اور "ادعاء وضع حدیث" کے اور کوئی راہ فرار نہیں۔ اسی میں وہ اپنا زور قلم صرف کر رہے ہیں اعاذنا اللہ عنہ

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے بائیس سال کی طویل مدت میں تدریجی طور پر کتاب و حکمت (سنت) نازل فرما کر نوع انسانی کو رہتی دنیا تک کے لئے ایک ایسا "جامع و منضبط" "مجموعۂ قوانین و احکام" اور ایسا "مفصل و مرتب" نظام حیات عطا فرمایا ہے کہ ایک "اوقات نماز اور اس کی جزئیات" تو کیا کسی بھی حکم شرعی میں کسی بھی قسم کی لچک اور جھول جھال (لاتعیّنی کی کیفیت) کا نام تک نہیں۔

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے ڈھائی ماہ قبل نویں و سویں اور بارھویں ذوالحجہ ۱۰ھ کو جمعہ کے دن ایک لاکھ چوبیس ہزار یا چالیس ہزار انسانوں کے محیر العقول اور عظیم ترین اجتماع میں جو تاریخ اسلام کا بے مثل و بے نظیر اور منفرد قسم کا اجتماع ہے ایک طرف اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (مائدہ: ۱۰-۶)	آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا۔

نازل فرما کر یہ بتلا دیا کہ دین الٰہی کی وہ عمارت جس کی خشت اول حضرت نوح علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں نے رکھی تھی ارشاد ہے:

شرع لکم من الدین ما وصینا به نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراهیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا (سورۂ شوری ۲ ع ۲ ج ۲۵)

مقرر کیا تمہارے لئے وہی دین جس کا ہم نے حکم دیا تھا نوحؑ کو اور جس کی وحی (بھیجی) تمہاری طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیمؑ کو اور موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو کہ قائم رکھو دین (توحید) کو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو

آج اس کی تکمیل کر دی گئی۔

دوسری طرف خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوب اُمت سے اپنے آخری خطاب میں جو کہ نہا موعظۃ مودع (گویا آپ کا وہ خطبہ رخصت ہونے والے کی نصیحت تھی) کا مصداق تھا اس عمارت کی خشتِ آخریں ذیل کے کلماتِ طیبہ:

انی قد[1] ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به لن تضلوا ابدا امرین اثنین کتاب اللہ وسنۃ نبیکم اسمعوا ما اقول لکم تعیشو به (مفتاح الجنۃ للسیوطی الترغیب فی الاعتصام بالسنۃ)

بیشک میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم نے اس کو پکڑے رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے کبھی بھی (وہ) دو امر ہیں (ایک) کتاب اللہ (دوسرے) تمہارے نبی کی سنت (اچھی طرح) سن لو جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اسی (کے سہارے) زندگی گذارنا۔

کے ذریعہ رکھکر خدا اور رسول دونوں نے دین کی تکمیل کا قیامت تک کے لئے اعلان فرما دیا۔

واضح ہو کہ یہ کسی ایک کتاب حدیث مثلاً صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی روایت نہیں جسے کوئی منکر حدیث "تحریک حدیث کے وجود میں آنے کے بعد کی پیداوار" کہہ کر رد کر سکے، یہ حجۃ الوداع کے سہ روزہ خطبات کا ایک ٹکڑا ہے جو حد تواتر کو پہنچ چکے ہیں اور ابن ہشام نے امام سیرت محمد بن اسحٰق

---

[1] حدیث کی قدیم ترین مدوّن کتاب موطا امام مالکؒ میں بھی یہ حدیث ص ۳۶۳ پر النہی عن القول فی القدر کے تحت ذیل کے الفاظ میں موجود ہے "مالکٌ انه بلغه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللہ وسنۃ نبیه" ڈاکٹر فضل الرحمٰن، سنت رسول اللہ کے مقابلہ پر سنت جاریہ کے موجد اور سنت کو ایک تعاملی اصطلاح قرار دینے والے محقق عرف موطا مالک کو حدیث کی مستند کتاب مانتے ہیں نہیں کی خاطر سے ہم نے یہ موطا کا حوالہ دیا ہے، اب ڈاکٹر صاحب فرمائیں:
ع چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

سے سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۰۵ و ۲۰۶ پر روایت کیا ہے اور ذیل کے کلمات طیبہ سے یہ خطبہ شروع ہوتا ہے۔

ایھا الناس! اسمعوا قولی فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا بھذا الموقف، الی ان قال، قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا ابدا امرا بینا کتاب اللہ وسنة نبیه الی ان قال: "اللھم ھل بلغت"، فذکر لی ان الناس قالوا "اللھم نعم" فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اللھم اشھد

اے لوگو! سُن لو میری بات اس لئے کہ مجھے نہیں معلوم، شاید میں تم سے اس سال کے بعد اس مقام پر نہ ملوں" یہاں تک کہ فرمایا: "میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم نے اس کو پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے (بالکل) وہ ایک واضح امر، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے" یہاں تک کہ فرمایا "اے اللہ کیا میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا؟ ابن اسحٰق نے مجھ سے بیان کیا کہ لوگوں نے (جواب میں) کہا: "اے اللہ ہاں (بیشک)" تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ تو بھی گواہ ہے"۔

بیشک ہم "روایت پرست" ہیں مگر وہ روایات کتاب اللہ کی "آیات بینات" اور سنت رسول کی "روایات نیرات" ہیں۔ یہی آیات و روایات "ہمارا وثیقہ" ایمان و نجات ہیں والحمد للہ علی ذالک

ہاں ہم وہ "ہوا پرست" اور "اوہام پرست" یقیناً نہیں ہیں جن کی عقیدت و ایمان کی باگ ڈور "ہوائے نفس" اور "سفید فام مشککیں (شک ڈالنے والوں) ومریبیں" (شبہات پیدا کرنیوالوں) کے ہاتھوں میں ہے اور قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت کریمہ کا مصداق ہیں:

افرأیت من اتخذ الٰھه ھواہ واضله اللہ علی علم وختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصرہ غشاوة فمن یھدیه من بعد اللہ افلا تذکرون

سورہ جاثیہ ۲۶ & ۲۵

کیا پس دیکھا تو نے (اے مخاطب) اس شخص کو جس نے اپنی خواہش (نفس) کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اس کو سمجھ بوجھ کر گمراہ قرار دیدیا اور اس کے کان پر اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر (خواہشات کا) پردہ ڈال دیا اب اللہ کے (گمراہ قرار دینے کے) بعد اس کو کون ہدایت دے؟ کیا (اب بھی) تم عبرت نہیں پکڑتے؟

سنت رسول بھی منزّل من اللہ ہے

آیت کریمہ (۲) وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت کریمہ ذیل میں اپنے "فضل عظیم" اور "نعمت عظمیٰ" سے آگاہ فرماتے ہیں تاکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس فضل ونعمت کی قدر ومنزلت اور منصب کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کا شکریہ ادا کریں اور اُمت بھی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیماً (سورۃ النساء، ع ۱۷، ق ۵)	اور اے نبی اللہ نے تم پر کتاب نازل فرمائی اور حکمت اور تم کو اُن علوم کی تعلیم دی جو تم بالکل نہیں جانتے تھے۔ (درحقیقت) تمہارے اُوپر اللہ جل شانہٗ کا بہت بڑا فضل ہے

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کتاب کی طرح حکمت بھی منزّل من اللہ ہے اور نعمت خاصہ تعلیم مالم یعلم ہے

اور ان ہی تینوں "منابع علمی" (علمی سرچشموں) کی اُمت کو تعلیم دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا ہے اور یہ نوع انسانی پر اللہ رب العالمین کا سب سے بڑا انعام واحسان ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

(۲) کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلو علیکم آیتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم	(یہ تحویل قبلہ کا احسان ایسا ہی ہے) جیسے ہم نے تمہارے لئے ایک رسول بھیجا تم ہی میں سے جو ہماری آیات تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے۔ اور تم کو (رذائل سے)

تکونوا تعلمون
(البقرۃ ع ۱۸ ج ۲)

پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ان علوم کی تعلیم دیتا ہے جن کو تم مطلق نہیں جانتے۔

پہلی آیت کریمہ میں قرآن حکیم نے خبر دی ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے کتاب وحکمت اپنے رسول پر نازل فرمائی ہیں اور مالم یعلم کی اسکو تعلیم دی ہے، دوسری آیت کریمہ میں قرآن عظیم شہادت دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کو اسی کتاب وحکمت اور مالم یعلم کی تعلیم دیتے ہیں ان دونوں آیتوں کو ملانے سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:

(الف) اللہ جل شانہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معلّم (علم عطا فرمانے والے) ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے مُعلّم (تعلیم دینے والے) ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ شانہٗ سے جملہ علوم ومعارف حاصل کئے اور اُمت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

(ب) منابع علم (علم کے چشمے) تین ہیں۔

۱۔ الکتاب: اس سے مراد وہی کتاب (قرآن ہے) جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذلک الکتاب لا ریب فیہ ھدیً للمتقین (سورۃ بقرہ ع ۱ ج ۱) یہ (وہی موعود) کتاب ہے، اس میں مطلق شک وشبہ نہیں، یہ ہدایت ہے (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے

۲۔ الحکمت: کے مصداق میں علماء اُمت کے تین قول ہیں۔

(۱) بیشتر محدثین کے نزدیک حکمت کا مصداق حدیث رسول اللہ ہے۔

(۲) فقہا اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک حکمت کا مصداق علم الشرائع یعنی "احکام فقہیہ شرعیہ" کا علم ہے۔

(۳) علماء "اسرار وحکم" کے نزدیک احکام شرعیہ کے عِلَل ومصالح اور اسرار وحکم کا علم حکمت کا مصداق ہے۔

سُنّت کا لفظ ان تینوں مصداقوں پر حاوی اور جامع ہے اس لئے کہ علوم سنت میں احکام شرعیہ کا تفصیلی بیان بھی موجود ہے علیٰ ہذا علل ومصالح اور اسرار وحکم شرعیہ کا مکمل ومحکم بیان بھی موجود ہے اور سنت رسول یعنی رسول اللہ کے اقوال وافعال اور بیان سکوتی جس کا دوسرا نام حدیث رسول اللہ ہی کا بیان بھی موجود ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ الحکمت کا مصداق "السنۃ" ہے اسی لئے تمام اُمت کتاب کے بعد

دوسرا ماخذ احکام شرعیہ سنت کو مانتی ہے۔

۳۔ مالم تکن تعلم کا مصداق علمِ "مغیبات" یعنی" اللہ سبحانہٗ کی ذات وصفات اور مبدأ ومعاد کا وہ ضروری اور تفصیلی علم ہے جو ایمانیات کے ذیل میں احادیث رسول اللہ میں بالتفصیل موجود و محفوظ ہے چونکہ اس کا تعلق "اعمال و اخلاق" کے بجائے اعتقادیات سے ہے اس لئے اس کو کتاب و حکمت (سنت) سے الگ وعلمك مالم تكن تعلم کے عنوان سے ذکر فرمایا اس لئے کہ "مغیبات" کا علم مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف "اصطفا" (برگزیدگی) و "ارتضا" (پسندیدگی) اور مزیت خاصہ (خصوصی فضیلت) کی دلیل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول فانه یسلك من بین یدیه ومن خلفه رصدا (سورة جن ع ۲ ج ۳)	وہ غیب کا جاننے والا ہے، بس اپنے (علوم) غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا بجز اس رسول کے جس کو برگزیدہ بنالے پھر اس کی حفاظت کے لئے اس کے آگے پیچھے پاسبان مقرر کر دیتا ہے۔
وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسله من یشاء (سورة ال عمران ع ۱۷ ج ۴)	اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ تم کو غیب پر مطلع کرے لیکن اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے (اور بقدر مصلحت و ضرورت اسے مغیبات سے واقف کر دیتا ہے)

اسی مالم تکن تعلم کے تحت داخل ہیں وہ تمام عقائد اسلامیہ کی تفصیلی تعلیمات اور ان سے متعلق ہدایات جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں واضح اور قطعی طور پر بیان کی گئی ہیں اور اسی مالم تکن تعلم کے تحت داخل ہیں وہ تمام پیش گوئیوں والی احادیث[۵] جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۵] خدا رحم فرمائے ان متشککین اور مرتابین پر جو محض اپنے اوہام و قیاسات کی بنا پر تمام "کلامی" پیشین گوئی والی احادیث صحیحہ نیز احادیث فتن کی صحت سے انکار کرتے ہیں خصوصاً حضرت حذیفہ رضؓ جیسے صحابی کی حدیثیں جو صحابہ کرام میں اعلم الناس بالفتن کے نام سے مشہور و معروف تھے اور تمام صحابہ احادیث فتن کے معلوم کرنے کے لئے ان ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر و نظر بابت ۔۔۔ مقالہ اہل السنۃ والجماعۃ قسط چہارم صلا اور اسکے ساتھ پڑھئے وہ عظمت و عقیدت حدیث اور ایمان بالحدیث کے بلند بانگ دعوے جو محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے بلند کرتے ہیں۔ ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ دسمبر ۱۹۶۳ء "شذرات" اور اس کے بعد نعوذ باللہ ۔۔۔ اور ان کے دجل و فریب اور نفاق سے ہوشیار رہیے ۱۲۔

نے پیغمبرانہ بصیرت کی بنا پر اپنی وفات کے بعد سے قیامت تک پیش آنے والے اہم واقعات وفتن کی خبریں اُمت کو دی ہیں اور اُس وقت کے متعلق احکامات وہدایات اپنے فرض منصبی کے تحت بیان فرمائی ہیں خصوصاً وہ "اشراط ساعت" (علاماتِ قیامت) جو مادہ پرست اور ... روحانیت سے ناواقف اور عالم غیب سے جاہل لوگوں کی عقل وفہم سے بعید وبرتر ہیں۔ حالانکہ عہد حاضر کے سائنسی اکتشافات وترقیات بلا ہر ان کی تائید وتصدیق کرتی چلی جارہی ہیں۔

(ج) قرآن حکیم کے عرف میں العلم اور اس کے مشتقات کا مصداق یہی علوم شرعیہ سماویہ ہیں۔ جن کا واحد ماخذ اور ان کے حصول کا واحد ذریعہ کتاب وسنت یعنی وحی الٰہی ہے۔

یہی وہ علم ہے جس کی زیادتی اور اضافہ کی دعا کرتے رہنے کی ہدایت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اوتیت علم الاولین والآخرین (مجھے اگلوں اور پچھلوں سب کا علم دیا گیا ہے) مگر حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقل رب زدنی علما (طٰہٰ ع ۵) اور کہا کیجئے اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔

اور یہی وہ علم ہے جس کے حصول پر خوف وخشیت الٰہی کے حصول کا انحصار ہے یا یوں کہئے کہ جس کے حصول کی قطعی اور امتیازی علامت "خشیت الٰہی" ہے ارشاد ہوتا ہے:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر ع ۴) اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے ڈرنے والے تو بس وہ اہل علم ہیں۔

خوف اور خشیت الٰہی کے بغیر علم کا دعوئی شیطانی خود فریبی ہے جس کا مشاہدہ عہد حاضر کے "مفکرین" کے گفتار وکردار میں بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

اور یہی وہ علم ہے جس پر انسان کے اہل علم ہونے نہ ہونے اور عالم کہلانے نہ کہلانے کا مدار ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

هل يستوی الذين يعلمون کیا اہل علم اور غیر اہل علم برابر ہو سکتے ہیں؟

والذين لا يعلمون (زمر ع ۱) (ہرگز نہیں)

اور یہی وہ علم ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر اور صاحب تورات نبی نے ذیل کے الفاظ کے ساتھ حضرت خضر کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

هل اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشدًا (کہف ۹۶) — کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ جو رشد و ہدایت کا علم تم کو دیا گیا ہے اس میں سے کچھ تم مجھے سکھا دو۔

اور یہی وہ علم ہے جسے انسان جتنا بھی حاصل کرے تھوڑا ہے ارشاد ہوتا ہے:

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (بنی اسرائیل ع ۱۰) — اور جو علم تم کو دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا سا ہے

وفوق کل ذی علم علیم — اور ہر عالم سے بڑھ کر عالم (موجود) ہے

یہ اور ان جیسی بے شمار آیات میں علم سے وہ علم یقیناً مراد نہیں جس کی موجد و مخترع عقل انسانی ہے خواہ نظری ہو خواہ عملی۔

غرض قرآن کریم میں بجز ایک مقام یعنی قول قارون انما اوتیته علی علم کے اور جہاں بھی علم کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد علوم سماویہ اور علوم نبوت ہیں اور ان علوم کا حال یہ ہے کہ بلا واسطہ وحی الٰہی، انسان کی رسائی ان علوم تک اصلاً نہیں ہو سکتی۔ عقل کا کام انہی علوم سماویہ کو حسب استعداد و مقدرت کتاب و سنت سے اخذ کرنا اور انہی میں تدبر و تفکر کے ذریعہ عبرت و موعظت حاصل کرنا ہے یعنی کتاب و سنت میں وارد شدہ "علم ذات و صفات الٰہیہ" اور "مبدأ و معاد" میں غور و فکر کر کے زیادہ سے زیادہ معرفت الٰہیہ اور یقین و طمانیت کے مدارج طے کرنا اور "علوم شرائع و احکام" میں تدبر و تفکر کے ذریعہ اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کرنا، رذائل و شنائع سے اجتناب کرنا اور فضائل سے خود کو آراستہ کرنا جس کو اہل علم کی اصطلاح میں "تخلی عن الرذائل اور تحلی بالفضائل" (رذائل سے خود کو پاک کرنا اور فضائل سے آراستہ کرنا) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی کا دوسرا نام تقویٰ ہے جس پر عنداللہ شرف و مکرمت اور فضیلت و بزرگی کا مدار ہے ارشاد ہے:

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (الحجرات ع ۲) — بیشک تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

بہر حال قرآن حکیم کی اصطلاح میں العلم اور اس کے تمام تر مشتقات جو مطلوب ہیں اسی علم کے لئے استعمال کئے گئے ہیں جو عمل صالح اور معرفت الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو اور یہ علم اولاً و بالذات "علم بروایت" ہے اور ثانیاً و بالعرض "علم بدرایت" ہے یعنی اول روایت کے ذریعہ اس علم کو حاصل

کیا جاتا ہے اور پھر "درایت" کے ذریعہ علی وجہ البصیرت اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ "عباد الرحمٰن" کے اوصاف خاصہ کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

والذین اذا ذکّروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا (فرقان ۶۲)	اور جب ان کے سامنے ان کے رب کی آیات ذکر کیجائیں تو ان پر اندھے بہرے بن کر نہیں گرتے۔

اس علم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہٗ سے حاصل کیا اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اس کے بعد صحابہ سے تابعین نے اور تابعین سے تبع تابعین نے علیٰ ہذا القیاس طبقتاً عن طبقتہٖ بطور تواتر و توارث قرآن و حدیث اور ان کے علوم اُمت کو پہونچتے پہونچتے ہم تک پہونچے ہیں اور یقیناً یہ علم "روایت" ہی ہے اور اسی کے لئے اکابر علماء اُمت شد رحال (دور دراز کے سفر) کرتے رہے ہیں کہ اس کے بغیر یہ علوم حاصل ہو ہی نہیں سکتے اور اسی علم کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

یحمل ھذا العلم من کل خلف	ہر آنے والی نسل کے عادل اور ثقہ لوگ اس علم کے حامل
عدولہٗ ینفون عنہ تحریف	بنیں گے، حد سے زیادہ غلو کرنے والوں کی تحریفوں سے،
الغالین وانتحال المبطلین وتاویل	باطل پرستوں کی بہتان طرازیوں سے اور جاہلوں کی تاویلوں
الجاھلین	سے اس علم کو بچائیں گے۔

اور یہ تمام تر علم "روایت" ہی ہے

باقی رہے وہ علوم جن کی موجد و مخترع عقل انسانی ہے۔ قرآن حکیم اُن سے ایسے ہی تعرض نہیں کرتا جیسے اور تمام انسانی صنائع و حرف سے قرآن بحث نہیں کرتا۔ عوام کی اصطلاح اور عرف میں ان کو علوم کہہ دیا جاتا ہے ورنہ تو علم و فن کی اصطلاح میں بھی یہ "علوم" نہیں کہلاتے بلکہ ان کو "فنون و صنائع" کہا جاتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ فرمایئے ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ ستمبر ۱۹۶۴ء ص ۱۴۶ "نظام تعلیم۔ قرآن حکیم کے اندر علم اور اس کے مشتقات کے بارے میں" مقالہ نگار کا تمام تر بیان محض انکے مفروضہ قیاسات و اوہام پر مبنی ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اسی لئے وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک آیت بھی نہیں پیش کرسکے ہیں درحقیقت یہ "روایت دشمنی" کا جذبہ یا بغض و عناد ہے جو پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر ۱۲۔

الغرض مذکورۃ الصدر آیت کریمہ سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ

۱۔ کتاب کی طرح حکمت بھی منزل من اللہ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ) ہے۔

۲۔ حکمت کا جامع ترین مصداق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۳۔ علوم شرعیہ کے ماخذ تین ہیں کتاب، حکمت (سنت) اور مالم تکن تعلم — علم مغیبات —

۴۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکمت اور علم مغیبات دونوں پر مشتمل ہیں۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام تر تشریعی زندگی اُمت کو ان ہر سہ "منابع علمی" کی تعلیم دینے پر صرف فرما دی ہے۔

اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ احکام شرعیہ، علوم شرعیہ سے ہی ماخوذ ہو سکتے ہیں اس لئے جس طرح کتاب اللہ کے بعد دوسرا ماخذ علم، سنت رسول اللہ ہے اسی طرح قرآن حکیم کے بعد دوسرا مصدر تشریع (احکام شرعیہ کا ماخذ) سُنت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور بیان سکوتی ہے اسی سنت کا دُوسرا نام "حدیث" ہے۔

تنبیہ (۱) احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ و مزاولت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی متلو (آیات قرآن) لیکر آتے تھے اسی طرح بکثرت وحی غیر متلو (احکام سنت) بھی لیکر آتے تھے لہٰذا جس طرح حکمت (سنت) کا بنص قرآن منزل من اللہ ہونا ثابت ہے اسی طرح احادیث صحیحہ سے بھی سنت کا منزل من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے، ہم بطور مثال مختلف النوع احکام سے متعلق صرف تین حدیثیں یہاں نقل کرتے ہیں:

(۱) عن ابن عباس انه سمع عمر يقول سمعت النبي صلى الله عليه وسلم بوادي العقيق يقول اتاني الليلة آت من ربي فقال صل في هذا الوادي المبارك وقل عمرة في حجة (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶)	ابن عباس حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے وادی عقیق میں سُنا کہ آج رات میرے پاس میرے رب کی جانب سے ایک آنے والا فرستادہ آیا اور یہ پیغام پہونچایا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور حج کے ساتھ عمرہ کا بھی احرام باندھو
(۲) عن ابي ذر قال قال النبي صلى الله	(۲) حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم قال لی جبرئیل من مات من امتك لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة اولم يدخل النار قال وان زنى وان سرق قال وان

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۵)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے جبرئیل (علیہ السلام) نے کہا کہ تمہاری اُمت کا جو شخص اس حالت پر مرا کہ اللہ کے ساتھ اس نے کسی کو شریک نہیں کیا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا یا کہا جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ میں نے کہا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو؟ کہا اگرچہ (اس نے چوری یا زنا کیا ہو)

(۳) عن ابن عباس قال اخبرتني ميمونة زوج النبي صلى الله عليه وسلم ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ان جبرئيل عليه السلام كان وعدني ان يلقاني الليلة فلم يلقني ثم وقع في نفسه جرو كلب تحت بساط لنا فامر به فاخرج ثم اخذ بيده ماء فنضح به مكانه فلما لقيه جبرئيل عليه السلام قال انا لا ندخل بيتا فيه كلب ولا صورة الخ

(۳) ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت جبرئیل نے آج رات ملاقات کے لئے آنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ نہیں آئے (معلوم نہیں کیا بات ہے) پھر اچانک آپ کو کتے کے بچے کا خیال آیا (جو رات) ہمارے تخت کے نیچے رہ گیا تھا آپ نے فوراً اس کو نکلوا دیا۔ پھر خود دست مبارک سے اس جگہ کو پانی سے دھویا۔ تو جب جبرئیل آپ سے آکر ملے تو انہوں نے بتلایا کہ ہم ہر ایسے گھر میں نہیں داخل ہوتے جس میں کتا یا تصویر موجود ہو۔

دیکھئے پہلی حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عمرہ کو حج کے ساتھ جمع کرنے (قران) کا حکم پہونچایا آپ نے خود بھی اس پر عمل کیا، دربن صحابہ نے حج کا احرام باندھا تھا اور ہدی (قربانی کا جانور) ان کے ساتھ نہ تھا ان سے بھی فسخ حج الی العمرہ کرایا۔ دوسری حدیث میں ارتکاب معاصی کے باوجود توحید کے ابتداً یا مآلاً جہنم سے نجات کا ذریعہ ہونے کا حکم الٰہی پہونچایا چنانچہ آپ نے مختلف عنوانات سے اس کا اعلان فرما دیا اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ تیسری حدیث میں کتوں اور تصویروں کی گھر میں موجودگی کی مضرت وممانعت کا حکم پہونچایا۔ چنانچہ آپ نے خود بھی اس پر عمل فرمایا اور اُمت کو بھی ہر دو چیزوں سے منع فرمادیا

لہ یہ حاشیہ آخر کتاب میں دیکھئے ۱۲

فرشتہ کی وساطت کے بغیر نزول وحی کی بھی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے:۔

عن یعلی بن امیۃ انہ قال لعمر: ارنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین یوحیٰ الیہ" قال فبینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالجعرانۃ ومعہ نفر من اصحابہ جاء رجل فقال یا رسول کیف تری فی رجل احرم بعمرۃ وھو متضمخ بطیب؟ فسکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساعۃ فجاءہ الوحی فاشار عمر الی یعلی فجاء یعلی وعلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثوب قد اظل بہ فادخل راسہ فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محمر الوجہ وھو یغط ثم سُرّی عنہ فقال این الذی سال عن العمرۃ فاتی بالرجل فقال: اغسل الطیب الذی بک ثلاث مرات وانزع عنک الجبۃ واصنع فی عمرتک کما تصنع فی حجک

(صحیح بخاری ج ۲۰۸)

یعلی بن اُمیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر سے کہا کہ تم کبھی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت دکھلاؤ جب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں مقیم تھے کچھ صحابہ بھی آپ کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص عمرہ کا احرام باندھ رہا ہے اور حالت یہ ہے کہ وہ خوشبو میں سرتاپا آلودہ ہے آپ نے یہ سنکر ذرا دیر کے لئے سکوت فرمایا اور آپ کے پاس وحی آنی شروع ہوئی تو حضرت عمر نے یعلی کو اشارہ سے بلایا (کہ دیکھ لو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پہ ایک کپڑا (چادر) پڑا ہوا تھا، یعلی نے اندر جھانک کر دیکھا تو آپ کا چہرۂ انور (شدت نزول وحی سے) سرخ تھا اور زور زور تنفس کی آواز (خرخر) آرہی تھی، اس کے بعد وہ کیفیت ختم ہوئی، تو حضور نے فرمایا جس نے عمرہ کا مسئلہ دریافت کیا تھا وہ کہاں ہے اسے بلاؤ، چنانچہ وہ شخص حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے فرمایا خوشبو جو تمہارے جسم اور کپڑوں پہ لگی ہے اسے تین مرتبہ دھو ڈالو اور جبہ کو اتار پھینکو اور اس کے بعد جو مناسک حج میں (ادا) کرتے ہو عمرہ میں بھی (ادا) کرو۔

اسی لئے جلیل القدر تابعی حضرت حسان بن عطیہ عوفی فرماتے ہیں:۔

کان جبرئیل علیہ السلام ینزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سنت (وحی غیر متلو) اسی طرح لے کر آیا کرتے تھے جیسے قرآن

: وسنة تمکیفین علیہ بالقرآن یعلمه ایاها رواه البیہقی فی المدخل وابن عبد البر فی جامع بیان العلم) (کی آیات) لیکر آتے تھے اور آپ کو سکھلاتے اور بتلایا کرتے تھے ۔

علاوہ ازیں لیلۃ الاسراء میں پانچ نمازیں فرض ہونے کے بعد اگلے دن ہی حضرت جبرئیل اوقات نماز کی تعلیم کے لئے دو دن پانچوں وقت آئے پہلے دن اول وقت میں نماز پڑھوائی دوسرے دن آخر وقت میں اور اس کے بعد فرمایا الوقت فیما بین هذین الوقتین (ان دونوں دنوں کے وقت کے درمیان ہر نماز کا وقت ہے)

اسی طرح استقبال بیت اللہ کی بھی عملاً تعلیم دی چنانچہ اسی امامت جبرئیل کی روایات کے بعض طرق میں آتا ہے امنی جبرئیل عند باب البیت (جبرئیل نے بیت اللہ کے دروازے کے پاس امامت کی)

اسی حدیث کے بعض طرق میں وضو کا طریقہ بتلانے کا بھی ذکر آیا ہے (ملاحظہ کیجئے فتح الباری ج ا باب الوضوء) غرض وضو اور نماز کی مکمل عملی تعلیم کے لئے حضرت جبرئیل کا آنا احادیث صحیحہ سے ثابت اور امت کے نزدیک معروف و مسلم ہے

اسی طرح اذان و اقامت کی تعلیم کے لئے آسمان سے فرشتہ نازل ہوا اور عبداللہ بن عبدربہ رضی صحابی کو بین النوم والیقظہ (نیند اور بیداری کے درمیان) اذان و اقامت سکھلائی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا انها الرویا حق (بیشک یہ برحق خواب ہے) اور اسی وقت اذان و اقامت کا حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری فرما دیا ۔

اسی طرح دین کے اساسی اور جوہری عقائد کی تعلیم کے لئے ایک دن تمام صحابہ کے سامنے حضرت جبرئیل ایک نو وارد شخص کی شکل و صورت اور لباس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مذکورۂ ذیل سوالات کئے ۔

(۱) اخبرنی ما الایمان ؟ (۲) ما الاسلام ؟ (۳) ما الاحسان ؟ (۴) متی الساعة ؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے سامنے بوحی من اللہ ان سوالات کے جوابات دئے ملاحظہ فرمائیے ۔ صحیح مسلم ج ا ص ۲۹ ۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا :-

ثم قال جاء جبرئیل یعلمکم دینکم۔ پھر اُن کے جانے کے بعد حضور نے بتلایا کہ یہ جبرئیل تھے جو تمہیں (اصول) دین کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے

بہرحال احادیث صحیحہ کے استقصار اور تتبع سے قطعی طور پر ثابت ہے اور اُمت اس کو متفقہ طور پر تسلیم کرتی ہے کہ جس طرح تیئس ۲۳ سال کی مدت میں قرآن کریم کی آیات وقتاً فوقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہیں اسی طرح علاوہ قرآن کی آیات کے بکثرت احکام شرعیہ بھی آپ پر منجانب اللہ فرشتہ کے واسطہ سے بھی اور بلا واسطہ بھی وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جس طرح اس تیئس سالہ مدت میں پورا قرآن نازل ہوا ہے اسی طرح دین کی بھی تکمیل ہوگئی اور ایک مکمل آسمانی شریعت نازل ہوگئی۔ یہی حکمت کا مصداق ہے۔

تنبیہ (۲) واضح ہو کہ بعض مفسرین نے حکمت کی تفسیر ما فیہ من الاحکام (جو قرآن میں احکام ہیں) سے کی ہے اس صورت میں کتاب (قرآن) اور حکمت کا مصداق ایک ہو جائے گا اور حکمت کا کتاب پر عطف تفسیری بغرض تاکید ہوگا۔ حکمت کی یہ تفسیر مذکورہ عنوان ہر دو آیات میں؛ در اسی قسم کی اُن آیات میں جہاں کتاب و حکمت کے نازل فرمانے یا ان کی تعلیم دینے کا ذکر ہے، خاص کر وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے کتاب و حکمت کے نازل فرمانے یا تعلیم دینے کو فضل و امتنان کے طور پر بیان فرمایا ہے، کسی طرح درست نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جب کتاب و حکمت ایک ہی چیز ہیں اور فرق محض لفظوں کا ہے تو یہ تو ایک ہی احسان ہوا نہ کہ دو؛ اور ان دو آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو احسان فرمائے ہیں ایک کتاب نازل فرمائی ہے اور ایک حکمت۔ اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمت کو صرف کتاب ہی کی تعلیم نہیں دیتے تھے بلکہ حکمت کی بھی تعلیم دیتے تھے علاوہ ازیں تعلیم کتاب کے معنی ما فی الکتاب کی تعلیم کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں؟ خاص کر جبکہ تلاوت آیات کا مستقل تذکرہ آچکا پھر حکمت کی تعلیم کا کوئی مصداق باقی نہیں رہتا یہ اخلاء اللفظ عن المعنی (لفظ کو معنی سے خالی کر دینے یعنے کلام کو بے معنی بنا دینے) کے مرادف ہے اور کسی بھی متکلم کی ایسی تعبیر و تشریح کہ اس کا کلام بے معنی رہ جائے صحیح نہیں چہ جائیکہ اُس عالم الغیب والشہادۃ رب العالمین کے کلام کی ایسی تفسیر و تشریح کی جائے جس کا علم اور قدرت تمام کائنات کو محیط ہے۔ نہ شرعاً درست ہے نہ عقلاً۔

عربیت کے قواعد کے اعتبار سے بھی عطف کی اصل وضع مغایرت کے لئے ہے یعنی ایک چیز کے

بعد دوسری چیز کو حرف عطف، واو (اور) وغیرہ کے بعد ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دوسری چیز پہلی چیز سے الگ اور جدا ہے۔ عطف تفسیری صرف اس جگہ درست ہوتا ہے جہاں از روئے لغت دونوں لفظوں کے معنی ایک ہوں یا کوئی اور قطعی قرینہ اس امر کا موجود ہو کہ دوسری چیز بعینہٖ پہلی چیز ہے، صرف لفظوں کا فرق ہے۔ بغرض تاکید دو لفظ ذکر کر دیئے ہیں۔ یہاں ایسا قرینہ تو کیا ہوتا اس کے برعکس اس امر کے قرائن بلکہ تصریحات موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں نازل فرمائی ہیں ایک کتاب دوسرے حکمت اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دو چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں ایک کتاب کی اور دوسری حکمت کی

قرآن کریم کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت کا لفظ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے جن میں سے آٹھ آیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما (النساء آیت ۱۱۳)

۲۔ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم (البقرۃ آیت ۱۲۹)

۳۔ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون (البقرۃ آیت ۱۵۱)

۴۔ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ الخ (آل عمران آیت ۱۶۴)

۵۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ الخ (جمعہ آیت ۲)

۶۔ واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا (احزاب آیت ۳۴)

۷۔ یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا وما یذکر الا اولوا الالباب (البقرۃ آیت ۲۶۹)

۸۔ ولقد اتینا لقمان الحکمۃ ان اشکر للہ ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان اللہ

غنی حمید (لقمان آیت ١٢)

ان میں سے ایک آیت مندرجہ عنوان میں کتاب کے ساتھ حکمت کے منزل من اللہ ہونے کی تصریح ہے اور چار آیات میں کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم دینے کی تصریح ہے ایک آیت میں آیات اللہ اور حکمت کے ایک ساتھ متلو ہونے (پڑھے جانے) کی تصریح ہے۔ باقی دو آیتوں میں صرف حکمت کا ذکر ہے۔ اوّل الذکر چھ آیات کی تفسیر میں اکابر مفسرین کا قول یہی ہے کہ حکمت کا مصداق سنت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر ابن کثیر ج ١ ص ١٨٣ پر آیت نمبر (٢)، کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

الحکمة یعنی السنة قال الحسن و قتادة ومقاتل بن حیان وابو مالك وغیرهم وقیل الفهم في الدین ولا منافاة

حکمت کے معنی سنت ہیں حسن بصری، قتادہ، مقاتل بن حیان اور ابو مالک وغیرہ کبار مفسرین نے یہی تفسیر کی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حکمت کے معنی دین کی سمجھ کے ہیں مگر ان دونوں قولوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

آیت نمبر (٣) کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:

ویعلمهم الکتاب وهو القرآن والحکمة وهی السنة (١٩٦)

(رسول) ان کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں جو قرآن ہے اور حکمت کی جو سنت ہے۔

ابو حیان اندلسی تفسیر البحر المحیط ج ١ ص ٣٩٣ پر فرماتے ہیں۔

والحکمة الشریعة وبیان الاحکام وقال قتادة: الحکمة السنة وبیان النبی الشرائع۔

حکمت کے معنی ہیں شریعت اور احکام الٰہیہ کا بیان، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حکمت کے معنی ہیں سنت اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احکام الٰہیہ کو بیان کرنا

متعدد قریب ہم معنی اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ویجمع هذه الاقوال قولان احدهما القرآن والاخر السنة۔

ان تمام اقوال کا حاصل اور مآل دو قول ہیں ایک یہ کہ حکمت کا مصداق قرآن ہے دوسرے یہ کہ حکمت کا مصداق سنت ہے

ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد آیت کریمہ کی خود تفسیر کرتے ہیں۔

وقوله والحکمة ای السنة تبیّن ما فی الکتاب من المجمل وتوضح ما

اور اللہ تعالیٰ کے قول ویعلمهم الحکمة کے معنی یہ ہیں کہ سنت قرآن میں جو مجمل احکام ہیں ان کی تفصیل بیان

ابهم من المشكل وتفصح عن مقادير وعن اعداد مما لم يتعرض الكتاب اليه وتثبت احكام مما لم يتضمنه الكتاب

کرتی ہے جو مبہم ہیں ان کی وضاحت کرتی ہے، اور جن مقداروں اور تعدادوں کو قرآن نے بیان نہیں کیا ہے ان کو بتلاتی ہے اور جن چیزوں کے احکام قرآن میں مذکور نہیں ان کو ثابت کرتی ہے۔

آیت نمبر (۷) کے ذیل میں بھی ابو حیان حکمت کے معنی کے متعلق (۲۹) اقوال بیان فرمانے کے بعد لکھتے ہیں :۔

فهذه تسعة وعشرون مقالة لاهل العلم فی تفسير الحكمة قال ابن عطية وقد ذكر جملة من الاقوال كلها ما عدا قول السدی قريب بعضها من بعض لان الحكمة مصدر من الاتقان فی عمل او قول وكتاب الله حكمة وسنة نبيه حكمة وكل ما ذكر فهو جزء من الحكمة التی هی الجنس

حکمت کی تفسیر میں اہل علم کے یہ کل (۲۹) اقوال ہیں ابن عطیہ حکمت کی تفسیر میں ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ سدی کے قول کے علاوہ باقی تمام اقوال قریب قریب ہم معنی ہیں اس لئے کہ (از روئے لغت) حکمت کے معنی محکم قول اور پختہ عمل کے ہیں لہذا کتاب اللہ بھی حکمت ہے رسول اللہ کی سنت بھی حکمت ہے اور اُن کے علاوہ جو چیزیں (علماء نے) بیان کیں وہ بھی حکمت ہیں یہ سب حکمت کے انواع و اصناف ہیں اور حکمت جنس ہے (اور ان سب پر حاوی اور محیط ہے)

ابو حیان کے ان عبارات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوا کہ :۔

(الف) جو حکمت کتاب کے ساتھ مذکور ہے اس کے دو مصداق ہیں قرآن یا سنت مگر مختار ابن حبان کے نزدیک دوسرا مصداق ہے بہرحال یہ حکمت رسول کے ساتھ مخصوص ہے۔

(ب) جہاں تنہا حکمت آیا ہے وہاں حکمت جنس ہے اس کے معنی اتقان فی القول والعمل (قول و عمل میں پختگی) ہیں باقی تمام اقوال اسی جنس کے تحت داخل ہیں اور نبی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں علوم قرآن، علوم سنت، علوم فقہ و اصول فقہ، علوم اسرار و حکم سب اس حکمت کا مصداق ہیں محقق دوانی رحمہ اللہ بھی اخلاق جلالی میں حکمت کے معنی راست گفتاری و درست کرداری ہی بیان کرتے ہیں۔

مگر حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی اس حکمت کو بھی علوم نبوت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور یوتی الحکمۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ای العلم النافع علی ما ھو فی نفس الامر الموصل الی رضاء اللہ تعالٰی والعمل بہٖ وذلک لا یتصور الا بوحی فھو للانبیاء اصالۃ ولغیرھم وراثۃ

(تفسیر مظہری ج ص ۳۸۰)

یعنی نفس الامر اور واقعہ کے مطابق منفعت بخش علم جو رضاء الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو اور ایسا ہی عمل اس علم وعمل کا نام حکمت ہے اور اس کا تیقن اور علم وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ علوم واعمال اصل میں تو انبیاء کے علوم واعمال ہیں اور ان کے واسطے بطور وراثت علماء امت کو نصیب ہوتے ہیں۔

اس تفصیل وتنقیح کے بعد قطعی طور پر واضح ہو گیا کہ حکمت کا جامع ترین مصداق جو منزل من اللہ بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسکی تعلیم وتبیین میں اپنی تیئس سالہ تشریعی زندگی صرف کی ہے وہ سنت یعنی علوم نبوت ہیں اور یہی سنت تشریع اسلامی کا دوسرا ماخذ ہے اور مذکورہ عنوان آیات میں یہی حکمت کے معنی ہیں اور کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ احکام وعلوم شرعیہ کا دوسرا ماخذ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے

آیت نمبر (۳۳) فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ط

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے نزاعی معاملات وخصومات کے فیصلے کرنے پر من جانب اللہ مامور تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق۔

(مائدہ ع ۷)

اور ہم نے تم پر برحق کتاب نازل کی جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے ۔ اوران کی محافظ ونگہبان ہے۔ پس تم لوگوں کے درمیان، جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کے مطابق حکم کیا کرو اور جو دین حق تمہارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی مت کرو۔

اس آیت کریمہ کے شان نزول کے ذیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک اثر میں بروایت محمد بن اسحٰق منقول ہے کہ :

علماء ورؤساء یہود کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ہماری قوم سے ہمارا کچھ نزاع ہے اگر اس میں آپ ہماری طرفداری فرمائیں اور ہمارے موافق فیصلہ کردیں تو ہم آپ کا اتباع کرلیں گے اور ہمیں دیکھکر بقیہ یہودی بھی آپ کا اتباع کرلیں گے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ناحق طرفداری کرنے سے صاف انکار فرمادیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس تثبت واستقامت کی تصویب وتائید کے لیے نیز اہل کتاب کی توقع ظلم کی بیخکنی فرمانے

اور اُمت کو تعلیم دینے کی غرض سے مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں:

مھیمنا علیہ مھیمن کے لفظی معنی محافظ اور رقیب (نگراں) کے ہیں اس حفاظت و نگرانی کی تفسیر مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے ہوتی ہے:

یا اھل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب و یعفو عن کثیر (مائدہ ع ۳)

اے اہل کتاب بیشک ہمارا رسول تمہارے پاس آگیا ہے جو کتاب اللہ (تورات و انجیل) کی ان بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے (کھول کر) بیان کرتا ہے جنکو تم چھپاتے چلے آتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگذر کرتا ہے

گویا قرآن حکیم کتب سابقہ کے وقتی اور عارضی احکام کو چھوڑ کر باقی تمام اساسی تعلیمات اور اصولی احکام پر حاوی اور کامل و اکمل کتاب ہے نیز کتب سابقہ میں اہل کتاب نے جن تحریفات و تلبیسات اور اخفا و کتمان سے کتب سابقہ کو ناقابل اعتماد بنا دیا تھا ان کو بے نقاب کر کے اصل کتب و تعلیمات سماویہ کی حفاظت بھی کرتا ہے۔

مذکورہ عنوان آیت کریمہ کے لفظ ما انزل اللہ کی تفسیر ذیل کی آیات سے ہوتی ہے۔

(۱) ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (النساء ع ۸)

بیشک اللہ جل شانہٗ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم جن کی امانتیں ہوں وہ ان کو ادا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان حکم کرو (فیصلہ کرو) تو عدل و انصاف کے ساتھ حکم کیا کرو۔

(۲) ولا یجرمنکم شنأن قوم علی ان لا تعدلوا، اعدلوا ھو اقرب للتقوی (مائدہ ع ۲)

کسی بھی قوم کی عداوت اور دشمنی تمکو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو۔ تم انصاف کرو بیشک عدل و انصاف ہی پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

اور ان کے علاوہ قرآن حکیم کی وہ تمام آیات جن میں اقامت عدل، نصاب شہادت، اداء شہادت اور فصل خصومات کے اصول بیان کئے ہیں جن کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث صحیحہ میں بیان فرمائی ہے اور اُن پر عمل کر کے بتلایا ہے وہ سب ما انزل اللہ کا مصداق ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کرنے کا حکم تھا مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں مزید توسیع فرمادی ۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم	بیشک ہم نے تمہارے پاس برحق کتاب اتاری ہے تاکہ اللہ
بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن	کے بتلائے ہوئے طریق پر لوگوں کے درمیان حکم کرو اور تم
للخائنین خصیما ۔ (النساء ع ۱۶)	خیانت کار لوگوں کے طرفدار ہرگز مت ہو

خائنین سے مراد وہ ضعیف الایمان مسلمان ہیں جنہوں نے محض خاندانی عصبیت کی بنا پر اصل مجرم (طعمہ بن ابیرق یا بشیر) کو بچانے اور ایک غیر مجرم شخص لبید (عاصم یا تمیم یہودی) کو پھنسانے کی کوشش کی تھی اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو شدید سرزنش کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرماتے ہیں کہ آپ اپنی خداداد بصیرت سے کام لیکر مجرموں کو سزا دیجئے اور کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہ کیجئے ۔

ما اراک اللہ کے ذیل میں کتاب وسنت کے منصوص احکام کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجتہادی فیصلے بھی (جن کے حجت قطعی ہونے کی تفصیلی بحث گذر چکی ہے) شامل ہیں ۔

لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے اور فصل خصومات سے متعلق آپ کے بتلائے ہوئے تمام اصول وضوابط خواہ وہ ما انزل اللہ کے تحت ہوں خواہ آپ نے اپنے اجتہاد سے کئے ہوں سب رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت اور سنت رسول کے تحت داخل ہیں ۔

مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کے ان فیصلوں کے مقابلہ پر اپنے ذاتی اختیار (رائے) اور شخصی خواہش کو ترجیح دینا ایمان کے تقاضہ کے منافی ہے اور ان کی نافرمانی اور زبردست گمراہی کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی	اور نہ کسی مومن مرد کا یہ کام ہے نہ کسی مومن عورت کا کہ
اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم	جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر (معاملہ) کا فیصلہ کردیں
الخیرۃ من امرھم ومن یعص	تو وہ اپنے معاملہ میں اپنے اختیار سے کام لیں اور جس
اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا	نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ بیشک
(الاحزاب ع ۵)	کھلا ہوا گمراہ ہوگیا ۔

بلکہ ان فیصلوں کو دل و جان سے ماننے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے اور رسول اللہ کو اپنے نفوس و اموال پر حکمرانِ اعلیٰ تسلیم کرنے پر اُن کے ایمان کے معتبر ہونے نہ ہونے کا مدار رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ مذکورۂ عنوان آیت میں فرماتے ہیں (قوتِ کلام اور زورِ بیان کو نظر انداز نہ کیجئے)

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما۔ (النساء ع ۹)

نہیں، قسم ہے تیرے پروردگار کی، وہ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں تجھ کو حاکم با اختیار نہ تسلیم کرلیں، پھر تیرے کئے ہوئے فیصلوں سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی (اور ناگواری بھی) نہ محسوس کریں، اور پورے پورے طور پر خود کو سپرد نہ کردیں

یہ اس لئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مومنین کے نفوس و اموال پر وہ ولایت تامہ اور اختیار اعلیٰ حاصل ہے جو خود اُن کو یا کسی دوسرے حاکم اعلیٰ کو حاصل نہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم (الاحزاب ع ۱)

نبی کو مومنوں (کے جان و مال) پر خود ان کے نفسوں سے بڑھکر ولایت حاصل ہے

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) چار قول یا کہئے چار مصداق بیان فرماتے ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جس شخص پر قرض ہوتا اور وہ بغیر ادا کئے مرجاتا اور ادائے قرض کے لئے "ترکہ" بھی نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھتے اور لوگوں سے فرما دیتے صلوا علی اخیکم (تاکہ اس دباؤ سے اس کے متعلقین اور قرابت دار فوراً قرض ادا کردیں، اور ایسا ہی ہوتا کہ نمازِ جنازہ سے پہلے قرض ادا ہو جاتا) لیکن جب مسلسل فتوحات اور اموالِ غنیمت کی فراوانی سے آپ خود اس قسم کے قرضے ادا کرنے پر قادر ہو گئے تو آپ نے اعلان فرما دیا:

"عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من مومن الا انا اولی بہ فی الدنیا والاخرۃ اقرأوا ان شئتم النبی اولی بالمومنین من انفسھم فایما مومن مات وترک مالا فلیرثہ عصبتہ من کانوا وفی روایۃ فلورثتہ ومن ترک دینا

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر مومن کا سب سے زیادہ حقدار ولی ہوں دنیا میں بھی آخرت میں بھی، تم اگر چاہو تو آیت النبی اولی بالمومنین من انفسھم پڑھ لو لہٰذا جو بھی مومن مرجائے اور مال چھوڑے تو اس کے عصبات (ورثا) اس کے وارث بنیں جو بھی ہوں دوسری روایت میں ہے: وہ مال اس کے وارثوں کا ہے۔ اور جس مومن نے کوئی قرض چھوڑا ہو یا بے سہارا بال بچے، نہ قرض کے ادا کرنے نہ بچوں کی کفالت کا مال چھوڑا ہو، تو وہ قرض خواہ

او ضیاعا فلیأتنی فانا مولاہ (صحیح بخاری ص ۵۰۱) یا بال بچے، میرے پاس آئیں میں اُن کا ولی و کفیل ہوں

یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر ہے اس سے زیادہ قطعی اور کوئی تفسیر نہیں ہو سکتی۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے نفوس پر خود ان سے زیادہ ولایت رکھتے ہیں اس لئے کہ ان کے نفوس اُنھیں ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں اور نبی ان کو ہلاکت سے بچاتا اور نجات کی طرف لے جاتا ہے"۔ یہ حضرات صوفیاء کرام کی تفسیر ہے اور انہی کے ذوق کے مطابق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "حدیث معروف" کے الفاظ وانا آخذ بحجزکم وانتم تقحمون فیہ (اور میں تمہاری کمر پکڑے ہوئے ہوں اور تم جہنم میں گرے چلے جا رہے ہو) سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مومنین کے نفوس پر ان سے زیادہ اولٰی اور حقدار ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کسی کام کا حکم دیں اور ان کا جی اس کام کو نہ چاہے یا کچھ اور چاہے تو آپ کا حکم مقدم اور واجب الاتباع ہوگا اس تفسیر اور مصداق کی تائید قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کریمہ وما کان لمومن ولا مومنۃ الآیۃ سے ہوتی ہے۔

(۴) رسول اللہ کے مومنین کے نفوس پر اولٰی و اقدم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کے نفوس و اموال پر تنفیذ حکم کی وہ ولایت حاصل ہے جو خود اُن کو اپنے نفوس و اموال پر حاصل نہیں خواہ دنیوی امور میں ہو خواہ امور اخروی میں۔

یہ تفسیر اور مصداق سابقہ ہر سہ احتمالات پر حاوی اور شامل ہے اور یہی وہ "ولایت خاصہ" ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی بھی حکمران اعلیٰ یا قاضی یا عام موالی کو حاصل نہیں اس کی تائید مذکورہ ذیل احادیث اور رسول اللہ علیہ وسلم کے جاری کردہ احکامات سے ہوتی ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ سابق روایت کے تحت۔ ایسا مفلس مدیون جس نے مرنے کے بعد کوئی ترکہ نہ چھوڑا ہو جس سے قرض وصول کیا جا سکے اُس کا قرض خواہ اپنے دین کا مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی ولی یا مولٰی یا حکمراں یا بیت المال سے نہیں کر سکتا ایسے مسلمانوں کے قرضوں کے ادا کرنے والے صرف رحمۃ للعالمین ہی تھے جن کی شان ہے ما من مومن

الّا وانا اولیٰ به فی الدنیا والآخرۃ صلی اللہ علیه وسلم (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۹)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو مذکور نامی ایک انصاری صحابی کی کل پونجی ایک غلام تھا اس کو بھی اس نے "مدبّر" بنا دیا یعنے یہ کہدیا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اس کو اور غلام کو بلایا اور حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ ایک انصاری عبداللہ بن النحام نے آٹھ سو درہم میں اسکو خریدلیا اور اسی وقت ادا کر دئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آٹھ سو درہم ابو مذکور کو دیئے اور اس کے بعد فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص خود محتاج ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ پہلے اپنی ضرورت پوری کرے، کچھ بچ رہے تو اپنے بیوی بچوں کی ضرورتیں پوری کرے، پھر بھی کچھ بچ رہے تو اپنے قرابت داروں کو دے اور دوسرے مصارفِ خیر میں صرف کرے۔ (سنن ابی داؤد ص ۵۵۱)

یہ رَدِّ تدبیر اور اس غلام کو جو آزاد کیا جا چکا ہے پھر غلام بنا کر فروخت کر دینے کی ولایت سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی بھی ولی، قاضی یا حاکم اعلیٰ کو حاصل نہیں۔

(۳) ایک اعرابی (دیہاتی) دو اونٹ فروخت کرنے کے لئے دیہات سے مدینہ آیا ایک مسلمان نے وہ اونٹ اس سے خرید لئے اور کہا میرے ساتھ مکان پر چل میں قیمت ادا کرتا ہوں اس کو گھر میں بٹھا کر دوسرے راستے (چور دروازے) سے اونٹ بازار میں لے جا کر بیچ کھائے اور خود روپوش ہو گیا اور جب یقین ہو گیا کہ اعرابی روپیٹ کر چلا گیا ہو گا تو باہر نکلا وہ اعرابی اس کی تلاش میں تھا فوراً پکڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا آپ نے دریافت کیا کہ "تو نے اس دیہاتی کے ساتھ یہ دھوکہ بازی کیوں کی؟ اب اس کے اونٹوں کی قیمت ادا کر" اس نے کہا "وہ تو میں کھا گیا" آپ نے فرمایا "انت سُرّق" (تو چوروں کا بھی باوا ہے) اور اعرابی سے فرمایا اذهب به یا اعرابی فبعه حتی تستوفی حقك (اے اعرابی اسے بازار لیجا کر فروخت کردے اور اپنا حق وصول کرلے) اعرابی اس کو لے کر بازار میں فروخت کرنے کے لئے آیا لوگوں نے بھاؤ تاؤ کرنے شروع کئے اعرابی نے خریداروں سے پوچھا "تم خرید کر اس کا کیا کرو گے"؟ انھوں نے کہا "ہم اس کو خرید کر آزاد کریں گے" تو اعرابی نے کہا "اس کا تو میں تم سے زیادہ محتاج ہوں اور سرق سے کہا: "جا تجھکو میں نے آزاد کیا" اس واقعہ کے بعد سے ہی اس کا نام "سُرَّق" پڑ گیا اور یہ واقعہ خود اس نے لوگوں سے بیان کیا ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۰۹)

ایک آزاد انسان کو غلام بنا کر فروخت کرا دینے کی ولایت، مسلمانوں کے نفوس پر، وہ تصرف ہے جس کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ حکمران کو حاصل نہیں یہ ولایت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۴) ایک غلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی کہ میرا مولیٰ (آقا) مجھے بہت زیادہ زدوکوب کرتا ہے اور شدید ایذائیں پہونچاتا ہے۔ [illegible] الصلوٰۃ و السلام نے اس آقا کو بلوایا [illegible] علیہ وسلم کے بلانے کے باوجود نہ آیا۔ آپ نے غلام سے فرمایا "جا تو آزاد ہے"۔ غلام نے عرض کیا من لی حامیا ان اخذنی مولای؟ (مجھے میرے آقا کی دسترس سے بچانے کا کون ذمہ دار ہے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اللہ و رسولہ [illegible] ذمہ دار ہے) سنن ابی داؤد

کسی بھی صورت میں کسی شخص کے غلام کو آزاد کر دینے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ یہ اُمت کے اموال میں تصرف کی وہ ولایت ہے جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی۔

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] احکامات، نص قطعی ہیں اس امر پر کہ رسول اللہ کو مومنین کے نفوس و اموال پر وہ ولایت تامہ، قوت تنفیذ اور اقتدار اعلیٰ حاصل ہے جس کا اعلان اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ:- النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم میں فرمایا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور فیصلوں سے انکار کفر و ارتداد کا مرادف اور قتل کا موجب [illegible] ذیل آیت کریمہ:

الم تر الی الذین یزعمون انھم آمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد اُمروا ان یکفروا بہ (النساء ع ۹)

(اے نبی) تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ اس دین پر ایمان لے آئے جو تم پر اُتارا گیا ہے اور اس پر بھی جو تم سے پہلے اُتارا گیا تھا اور پھر چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمات لے جائیں سرکش شیطانوں کے پاس، حالانکہ ان کو نہ ماننے کا اُنھیں حکم دیا گیا ہے۔

کے شانِ نزول کے ذیل میں عام مفسرینؒ بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے کہ ایک مسلمان منافق اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا ہوا مسلمان منافق نے کہا: "چلو کعب بن اشرف (یہود کے سرغنہ شیطان) سے فیصلہ کرائیں"، یہودی نے کہا "نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو ان سے فیصلہ کرائیں گے" وہ مسلمان منافق (مجبوراً) آمادہ ہوگیا اور دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا حضور نے (فریقین کے بیانات سُن کر) یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا اس مسلمان منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا: چلو "حضرت عمرؓ سے فیصلہ کرائیں"، حضرت عمرؓ کی خدمت میں دونوں حاضر ہوئے اور پورا قصہ بیان کیا حضرت عمرؓ نے اس مسلمان منافق سے پوچھا: "کیا یہ سچ کہتا ہے! واقعہ یہی ہے؟ منافق نے کہا "ہاں ٹھیک ہے" ہاں ٹھیک ہے"، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا تم ذرا ٹھیرو میں ابھی آکر فیصلہ کرتا ہوں"، اور گھر میں سے برہنہ تلوار لیکر باہر آئے اور منافق کی گردن اُڑادی اور فرمایا: "جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو قبول نہ کرے میں اس کا فیصلہ اسی طرح کیا کرتا ہوں" روایات میں ہے کہ اسی وقت حضرت جبرئیل آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ عمرؓ نے حق اور باطل میں فرق کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی واقعہ پر طاغوت کے مقابلہ پر فاروق حضرت عمرؓ کا نام رکھ دیا رضی اللہ عنہ۔

مذکورہ بالا آیات و احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قضایا اور فیصلے، فصل خصومات سے متعلق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے تمام اصول وضوابط اور آداب قضاء، اُمت کے لئے مفروض الطاعت اور سنت رسول کا مصداق اور حجت شرعیہ ہیں۔ چنانچہ محدثین رحمہم اللہ نے کتب حدیث میں ابواب القضا مستقل طور پر قائم کئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قضایا اور اصول و آداب قضا سے متعلق احادیث صحیحہ کا وافر ذخیرہ مدون و محفوظ موجود ہے

واضح ہو کہ مذکورۃ الصدر آیات صرف فصل خصومات سے متعلق نہیں ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احکام، اوامر ہوں یا نواہی دل وجان سے ان کو قبول کرنا اور اپنی خواہش

اور پسند کو اس کے مقابلہ پر ترک کر دینا عین تقاضاء ایمان ہے۔ چنانچہ امام بیہقی اور ابو حاتم بروایت ہشام بن جبیر روایت کرتے ہیں۔

کان طاؤس یصلے بعد العصر رکعتین فقال له ابن عباس اترکھما فقال: ما ادعھما فقال ابن عباس فانه قد نھی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عن صلاۃ بعد العصر فلا ادری اتعذب ام توجر لان اللّٰہ تعالیٰ قال وما کان لمومن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللّٰہ ورسوله امرا ان یکون لھم الخیرۃ۔

طاؤس عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے ان سے کہا کہ: یہ نفلیں پڑھنی چھوڑ دو" طاؤس نے کہا: میں تو ان کو نہ چھوڑوں گا: ابن عباس نے کہا: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عصر کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ (مخالفت رسول کی بنا پر) تجھے عذاب دیا جائے گا یا اجر دیا جائے گا اور اس کے بعد آیۂ کریمہ وما کان لمومن ولا مومنۃ الآیۃ تلاوت فرمائی۔

لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اقوال و افعال اور جملہ تعلیمات نبوت بھی اس مذکورۂ عنوان آیت کریمہ کا مصداق اور احکام شرعیہ کا ماخذ ہیں اور انہی کے مجموعہ کا نام "سنّت" اور "حدیث" ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے

اخلاق واعمال

آیت نمبر(۲۴) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اخلاق وشمائل، عادات وخصائل، گفتار وکردار، غرض صورت وسیرت، ظاہر وباطن دونوں کے لحاظ سے انسانیت کا "عظیم ترین نمونہ" ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انک لعلی خلق عظیم (ن ع ۱) بیشک اے نبی تم عظیم تر اخلاق کے مالک ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب رسول اللہ کے اس "خلق عظیم" کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

کان خلقہ القرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی سرتاپا قرآن تھی، آپ کا ہر فعل وعمل قرآنِ عظیم کا عملی نمونہ ہے اور آپ کی مقدس زندگی قرآن کی سب سے زیادہ یقینی تفسیر ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم کا جو بیان اور جو حکم سمجھ میں نہ آئے آپ کی حیات طیبہ کے آئینے میں دیکھ لو سمجھ میں آجائے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ درحقیقت آپ کی مقدس زندگی کو سامنے رکھے بغیر قرآن عظیم کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں (دوست اور دشمن سب اس کے معترف ہیں) یہی حکمت ہے قرآن جیسی کامل واکمل کتاب کے نازل کرنے کے ساتھ ساتھ ایک انسان کامل کو مبعوث کرنے اور رسول بنا کر بھیجنے کی۔

تاہم اس خلق عظیم کی کسی قدر تفصیل ذیل کی آیات میں بیان فرمائی ہے۔

(۱) لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین بخدا تمہارے پاس تم ہی میں کا ایک رسول آگیا، تمہاری ہر مشقت اس پر شاق ہے، تمہاری ہدایت پر حریص ہے

رؤف رحیم (التوبۃ ع ۱۶) — ایمان لانے والوں پر بے حد مہربان اور رحم کرنیوالا ہے

۲: فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو — (۲) یہ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے کہ تم ان کے حق میں نرم
کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا — خو ہوا گر بدزبان سنگدل ہوتے تو یہ ضرور تمہارے
من حولک (آل عمران ع ۴) — آس پاس سے منتشر ہو جاتے۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی اُمت کے لئے لائق اقتداء اور حسین ترین نمونہ عمل ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ — بخدا تمہارے لئے رسول اللہ کی مقدس ہستی میں حسین
حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم — ترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر
الآخر۔ (احزاب) — سے ڈرتا ہے۔

لیکن اس اسوۂ حسنہ کے تحت صرف آپ کے شخصی اخلاق وخصائل اور مکارم وفضائل وشمائل ہی نہیں بلکہ جملہ اقوال وافعال، اوامر ونواہی اور احکام تشریعیہ سب داخل وشامل ہیں اور اس لحاظ سے "اسوۂ رسول" دوسرا عنوان ہے "ما اتی بہ الرسول" یعنی سنت رسول کا اور وہ اُمت کے لئے واجب الاتباع اور مفروض الطاعت ہے جیسا کہ مذکورہ ذیل صحابہ کرام کے آثار سے ظاہر و واضح ہے۔ اور اُن صحابہ سے زیادہ قرآن فہمی اور مراد و مصداق قرآن کی معرفت کا دعویٰ کون کر سکتا ہے جن کے سامنے قرآن نازل ہوا اور اُنھوں نے براہ راست موحیٰ الیہ (مرجع وحی و الہام یعنے رسول اللہ) سے قرآن کی مراد و مدلول کو سمجھا اور اس پر عمل کیا۔

(۱) اخرج ابن ماجۃ وابن ابی حاتم — ابن ماجہ اور ابن ابی حاتم نے حفص بن عاصم سے
عن حفص بن عاصم قال قلت لعبد — روایت کیا ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رأیتک — سے عرض کیا میں نے آپ کو سفر میں دیکھا کہ آپ نہ فرض
فی السفر لا تصلی قبل الصلوٰۃ ولا — نماز سے پہلے سنن پڑھتے ہیں نہ بعد میں؟ ابن عمر نے
بعدھا فقال یا ابن اخی صحبت رسول — فرمایا: برادر زادے! میں فلاں فلاں سفر میں
اللہ علیہ وسلم کذا وکذا فلم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں میں
ارہ یصلی قبل الصلوٰۃ — نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ فرض نماز سے

ولا بعدها ويقول الله تعالى ولكم في رسول الله أسوة حسنة.

پہلے نماز پڑھتے دیکھا نہ بعد میں، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذاتِ مقدس بہترین نمونہ ہے (میں اسی اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتا ہوں)

(۲) اخرج عبد الرزاق في مصنفه عن قتادة قال همّ عمر بن الخطاب ان ينهى عن الحبرة فقال رجل أما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبسها قال عمر بلى، قال الرجل، الم يقل الله تعالى لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة.

(۲) محدث شہیر عبد الرزاق اپنی کتاب مصنف میں بروایت قتادہ نقل کرتے ہیں کہ عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ سرخ دھاری دار چادروں کے پہننے سے منع کر دینے کا ارادہ کیا تو اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ دھاری دار یمنی چادر پہنے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ تو اس پر اس شخص نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (پھر آپ اس اسوہ حسنہ سے لوگوں کو کیسے منع فرما سکتے ہیں)

(۳) اخرج الشيخان وغيرهما عن ابن عباس قال اذا حرّم الرجل امرأته فهو يمين يكفرها قال لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة.

صحیحین میں روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لے تو یہ (تحریم حلال) قسم ہے اس کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے اور پھر آپ نے آیت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پڑھی (کہ ایسی صورت میں کفارہ دینا اسوۂ رسول ہے)

ملاحظہ فرمائیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں فرض نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں کے ترک کرنے میں اسوۂ رسول کی پیروی کو مضمر سمجھتے ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ سرخ دھاری دار چادروں (یعنی سامان ترفہ) کے استعمال کی ممانعت کا ارادہ ترک کر دینے میں اسوۂ رسول کا احترام واتباع کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی اسوۂ رسول کے اتباع میں تحریم

حلال کو یمین اور موجب کفارہ قرار دیتے ہیں۔

یہ تو بطور مثال تین صحابہ کرام کے آثار ہم نے نقل کئے ہیں ورنہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ بکثرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال و اعمال کے اتباع کے ثبوت کے لئے مذکورۃ الصدر آیت کریمہ کو حجت شرعیہ کے طور پر پڑھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "اسوۂ رسول" کتاب اللہ کے بعد دوسرا مصدر تشریع (احکام شرعیہ کا ماخذ) ہے اور اسی کا اصطلاحی نام "سنت" ہے۔

جیسے کہ ہم ابتدا میں بتلا چکے ہیں کہ از روئے لغت اُسوۃ کے معنی ہی "ما یتاسیٰ بہ" (جس کا اتباع کیا جائے) ہیں۔ کلام اس میں ہے کہ یہ اتباع رسول واجب اور ضروری ہے یا مستحب یا مندوب ہے؟ نیز یہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ جملہ اُمور میں ہے خواہ دینی اور شرعی اُمور ہوں خواہ دنیاوی اور طبعی و عادی اُمور یا یہ اتباع صرف اُمور دینیہ شرعیہ ہی میں ہے؟ اس سلسلے میں امام قرطبی اپنی تفسیر کے ج (۱۴) ص (۱۵۶) پر علماء کے دو قول نقل فرماتے ہیں۔

واختلف فی ھذہ الأسوۃ بالرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ھل ھی علی الوجوب او علی الاستحباب علی قولین احدھما علی الایجاب حتی یقوم دلیل علی الاستحباب الثانی علی الاستحباب حتی یقوم دلیل الوجوب	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ حسنہ کی پیروی کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ پیروی واجب ہے یا مستحب؟ اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں (۱) ایک یہ کہ جب تک کوئی مستحب ہونے کی دلیل قائم نہ ہو یہ پیروی واجب ہے۔ (۲) دوسرا یہ کہ یہ پیروی مستحب ہے الّا یہ کہ وجوب اتباع کی کوئی دلیل قائم ہو جائے۔

اس کے بعد ان ہر دو قولوں میں تطبیق کرتے ہیں اور یہی بظاہر ان کے نزدیک مختار معلوم ہوتا ہے۔

ویحتمل ان یحمل علی الایجاب فی امور الدین وعلی الاستحباب فی امور الدنیا	ہو سکتا ہے کہ اُمور دین میں اس اتباع کو واجب کہا جائے اور دنیوی اُمور میں مستحب

لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ج ۳ ص ۴۷۴ پر اس اقتداء و اتباع

کو بلا تفصیل جملہ اقوال و افعال نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے عام رکھتے ہیں اور اس آیت کریمہ کو اقتداء رسول کے باب میں اصل اصول قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں:

هذه الآية الكريمة اصل كبير في التأسي برسول الله صلى الله عليه وسلم في اقواله وافعاله واحواله

یہ آیت کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اقوال و افعال و احوال میں پیروی کرنے کے باب میں اصل اصول ہے

اسی طرح علامہ آلوسی بھی تعمیم کے ہی قائل معلوم ہوتے ہیں۔ تفسیر روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۶۷ پر لکھتے ہیں:

والآية وان سيقت للاقتداء به عليه السلام في امر الحرب من الثبات ونحوه فهي عامة في كل افعاله صلى الله عليه وسلم اذا لم يعلم انها من خصوصياته كنكاح ما فوق اربع نسوة ثم ذكر احاديث عديدة استدل فيها الصحابة بهذه الآية في شتى الاحكام الشرعيه

آیت کریمہ کا سیاق اگرچہ لڑائیوں میں ثابت قدمی وغیرہ امور حربی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے متعلق ہے۔ لیکن (قاعدہ کے مطابق) یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر افعال و اعمال میں اتباع کے لئے عام ہے جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے مثلاً چار سے زائد عورتیں بیک وقت نکاح میں رکھنا اس کے بعد علامہ آلوسی نے مختلف احکام شرعیہ میں صحابہ کے اس آیت کریمہ سے استدلال کرنے کے بارے میں چند احادیث نقل کی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسوہ حسنہ امور دینیہ شرعیہ میں تو جس درجہ کا وہ امر شرعی ہوگا اُسی درجہ کا اُس کا اتباع ہوگا اگر وہ امر شرعی فرض ہے تو اس کا اتباع بھی فرض ہوگا اور اگر مسنون و مستحب ہے تو اس کا اتباع بھی مسنون و مستحب ہوگا گویا جو حکم اوامر و نواہی شرعیہ میں اطاعت کا ہے وہی حکم افعال و اعمال شرعیہ میں اتباع کا ہے۔ باقی رہے امور طبعیہ وعادیہ اور امور دنیا تو اُن میں اتباع رسول کا مدار حب رسول پر ہے جتنا زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور محبت ہوگی تب ہی وہ بلا تفصیل جملہ افعال و اعمال و اخلاق وعادات اور احوال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے اتباع کا شیدائی اور حریص ہوگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذیل کا ایک کلمہ "جیبی" اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے۔

عن ابن عباس ان عمر اکبّ علی الرکن فقال انی لاعلم انک حجر ولو لم ار حبیبی قبلک واستلمک ما استلمت ولا قبلت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

حضرت ابن عباس رضی حضرت عمر فاروق رضی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کعبہ کے "رکن" (حجر اسود) پر جھکے اور کہا مجھے یقین ہے کہ تو ایک پتھر ہے اگر میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم، کو تجھے بوسہ دیتے اور استلام کرتے نہ دیکھا ہوتا تو میں نہ استلام کرتا اور نہ بوسہ دیتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ (اپنے محبوب کی پیروی میں تجھے بوسہ دیتا اور استلام کرتا ہوں)

چنانچہ حبّ رسول کے نشہ میں سرمست متعدد صحابہ کرام اُن افعال و اعمال میں بھی جو محض اتفاقی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوع میں آئے ہیں اُن کی بھی وہ یہ کہہ کر پیروی کیا کرتے تھے کہ "اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں سفر میں قیام فرمایا تھا اور اس درخت کے سایہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں پتھر پر آرام فرمایا تھا اور اس جگہ یا اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں نماز پڑھی تھی"۔ ان صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا نام سرفہرست ہے درحقیقت یہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین صورت و سیرت، اعمال و اخلاق اور جملہ امور و احوال زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ پیروی کو نہ صرف عین تقاضا ایمان جانتے تھے بلکہ یہ اتباع ہی ان کے حبّ رسول اور شوق و ذوق اتباع رسول کا مظہر و آئینہ دار ہے یہی وہ ملکوتی صفات کے حامل "صحابۂ رسول" ہیں جن کے اس والہانہ عشق و محبت نے ہی سنت رسول اور اسوۂ رسول کو اپنی سرتاپا زندگی بنا کر اوراقِ اسفار و کتب کے بجائے اپنے اقوال، اعمال، اخلاق اور احوال کے "اوراقِ حیات" پر لکھ کر محفوظ و منضبط کیا اور آنے والی نسلوں تک پہونچایا بالفاظ دیگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی قولاً فعلاً خلقاً عملاً نسخۂ "سنت رسول" اور نمونۂ اسوۂ رسول تھا اور اس طرح سنت و حدیث رسول، حیات رسول میں

ہی ان کی مقدس ہستیوں میں محفوظ و مدون ہو چکی تھی۔ لہٰذا دشمن رسول ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ "احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رسول اللہ کے عہد اور قرن اول میں محفوظ و مدون نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ پوری ایک صدی گذرنے کے بعد محفوظ و مدون کی گئی ہیں اس لئے اس کو قابل اعتماد و ثیقہ نہیں کہا جا سکتا" (مشہور یہودی مستشرق گولڈ تسیہر) یا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ "مجموعہ سنن جو آنحضرت نے چھوڑا ہے وہ مقدار میں کچھ بہت زیادہ نہ تھا اور نہ ہی وہ کچھ ایسا تھا جسے بالکلیہ صریح اور واضح کہا جا سکے"۔ یا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسے تفصیلی اور منضبط قوانین کا مجموعہ نہیں چھوڑا تھا جو انسانی زندگی کے لئے جملہ دقیق تفصیلات یعنی انتظامی معاملات سے لیکر خالص مذہبی عبادات تک پر حاوی ہو" (ملاحظہ ہو مقالہ تصور سنت ماہنامہ فکر و نظر شمارہ ۱، ۲ جولائی و اگست ۱۹۶۳ء)

بہرحال اسوہ رسول اور سنت رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اقوال افعال اور اخلاق و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے اور مذکورہ عنوان آیت اس کے واجب الاتباع اور ماخذ احکام شرعیہ ہونے کی حجت قطعیہ ہے۔

بیان شارع

(صاحب تشریع ... والسلام کا بیان)

آیت نمبر (۵) وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم

اللہ تعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب فرما کر ان کی بعثت اور ان پر قرآن نازل فرمانے کی غرض و غایت سے آگاہ فرماتے ہیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذمہ داری اور فرض منصبی سے اور اُمت ، رسول اللہ کی عظمت وجلالت اور مقام رسالت سے واقف ہوجائے اور اس کے مقتضٰی پر عمل پیرا ہو۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین	اور ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے
للناس ما نزل الیھم	سامنے واضح کردو وہ (دین الٰہی) جو ان کی طرف نازل
(سورۂ نحل)	کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ قرآن کی تعلیمات ، عقائد ، عبادات ، معاملات ، خصومات ، جنایات ، حدود و قصاص ، سیر و غزوات ومحاربات ، نیز اعمال صالحہ ، اخلاق فاضلہ ، تدبیر منزل ، تدبیر مملکت وغیرہ تمام کلامی ، فقہی ، اخلاقی ، معاشی ، عمرانی اور سیاسی موضوعات والواب پر مشتمل ہیں بعض موضوعات پر تفصیلاً ...... بعض پر اجمالاً بعض پر اشارتاً۔

اور یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ کسی امر مجمل کی تفصیل اور امر مبہم کی وضاحت یقیناً شرح و بسط کی بنا پر مقدار کے اعتبار سے اس امر مجمل اور مبہم سے بہت زیادہ ہوتی ہے خصوصاً جبکہ اس تبیین میں عمل کرکے دکھانا اور سکھانا بھی شامل ہو۔

مثال کے طور پر آپ قرآن کریم کی صرف ایک اہم ترین عبادت — جو الصلوٰۃ عماد الدین کے مطابق دین کا ایسا ستون ہے جس پر دین کی پوری عمارت قائم ہے — نماز کو لے لیجئے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبیین یعنی احادیث صحیحہ کو نظر انداز کرکے ہرگز نماز نہیں پڑھ سکتے اور اگر بالفرض نمازیوں کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے چلے آنے کی بنا پر آپ نماز صحیح طریق پر

پڑھ بھی لیں تو اس تعالیٰ سے آپ نماز کے شرائط، ارکان، فرائض واجبات وسنن ومستحبات وآداب اور [illegible] حرمت، صحت وبطلان کی تشخیص وتعیین ہرگز نہیں کر سکتے۔

نماز سے متعلق قرآن کریم کی تمام تر آیات کو ایک طرف رکھئے اور کتب صحاح کی ابواب الصلوٰۃ کے تحت مذکورہ تمام تر احادیث کو دوسری طرف رکھئے اور پھر مقدار کا تناسب دیکھئے تو آپ صحیح طور پر باور کرسکیں گے کہ قرآن جیسی کامل واکمل کتاب کی تبیین وتشریح اور تعبیر وتوضیح کے لئے نیز اس کو عملی صورت میں پیش کرنے کی غرض سے کس قدر وافر وجامع ذخیرۂ سنت "یعنی" احادیث " کی ضرورت ہے۔

اسی لئے حافظ ابن عبدالبر مالکی مغربی اپنی سند سے جلیل القدر تابعی امام اوزاعی سے امام مکحول کا مقولہ نقل کرتے ہیں:

عن الاوزاعی عن مکحول قال القرآن احوج الی السنة من السنة الی الکتاب (جامع بیان العلم ص)

اوزاعی مکحول سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ سنت قرآن کی اتنی محتاج نہیں جتنا قرآن سنت کا محتاج ہے

اس لئے کہ سنت تو صرف اپنی حجیت میں قرآن کی محتاج ہے اور قرآن کو تو ہر ہر حکم کی تفصیل اور عملی تشکیل میں سنت کی ضرورت ہے۔ اسی لئے حدیث کی حجیت کا بڑے سے بڑا منکر بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ممکن نہیں۔

اسی لئے قرآن کو نازل کرنے والے اللہ رب العالمین نے قرآن نازل کرنے سے پہلے ایک نبی معصوم کی روحانی تربیت وتزکیہ فرماکر نہ صرف حامل قرآن بننے کی اہلیت پیدا کی بلکہ علمی، عملی، اخلاقی غرض ہر پہلو سے اس کی حفاظت وصیانت بھی فرمائی تاکہ وہ قولاً وعملاً احکام الٰہیہ نوع انسانی کے سامنے پیش کرسکے، بتلا اور سکھلا سکے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان وتبیین بھی "اپنا" اور "از خود" نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ اللہ کا "بیان" ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علینا جمعه وقرآنه فاذا قرأناه

تم (نزول قرآن کے وقت) جلدی (سے یاد کرلینے) کی غرض سے اپنی زبان کو حرکت نہ دو (یعنی زبان سے یاد کرنے کی کوشش نہ کرو) بیشک ہمارے ذمہ ہے اسکو تمہارے

فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ — دل میں، جمع کردینا (محفوظ کردینا)، اور پڑھا دینا (زبان پر جاری کردینا) لہذا جب ہم (یعنی ہمارا فرستادہ فرشتہ) پڑھیں تو تم غور سے سنو! پھر اس کو بیان کردینا (یعنی اس کا مدلول و مصداق اور مراد بتانا) بھی ہمارے ذمہ ہے۔

دیکھئے اس آیت کریمہ میں بیانِ ما انزل اللہ کو کس صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے اس کو ملائیے لتبین للناس ما نزل الیہم کے ساتھ تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ بیان الرسول" "بیان اللہ" (رسول کا بیان اللہ کا بیان ہے) جیسا کہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی سے نتیجہ نکلتا ہے کہ "رمی الرسول" "رمی اللہ" اور ید اللہ فوق ایدیہم کا نتیجہ ہے "ید الرسول" ید اللہ" اسی لئے فرمایا:

ان الذین یبایعونک تحت الشجرۃ انما یبایعون اللہ — بیشک جو لوگ تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔

اسی لئے کتاب وسنت دونوں حجت اور مصدر تشریع یعنی اسلامی قانون کا سرچشمہ اور ماخذ ہیں اور دونوں منجانب اللہ ہیں ان الحکم الا للہ (حکم صرف اللہ کا ہے) فرق اتنا ہے کہ کتاب وحی متلو ہے اور سنت وحی غیر متلو۔

نکتہ (۱) اس آیت کریمہ وانزلنا الیک الذکر میں الذکر کا اولین مصداق یقیناً قرآن حکیم ہے مگر اسمیں بھی شک نہیں کہ یہ قرآن کا اسم صفتی (وصفی) ہے، عَلم نہیں لہذا یہ حکم قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کا دوسرا مصداق الحکمت (السنہ) بھی ہے اس لئے کہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ کے مطابق حکمت بھی منزل من اللہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:۔

اذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ (سورہ احزاب) — اور ذکر کرو ان اللہ کی آیات اور حکمت کا جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جارہی ہیں۔

اسی طرح ما نُزِّل الیہم کا مصداق صرف کتاب وسنت ہی نہیں بلکہ وہ پورا دین اور کامل شریعت بھی اس کا مصداق ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آیات کریمہ ذیل کے تحت مکلف بنایا ہے

مکلف بنایا ہے۔

(۱) شرع لکم من الدین ما وصّی به نوحا والذی اوحینا الیک (شوریٰ)

تمہارے لئے وہی دین تجویز کیا ہے جس کی ہم نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس کی وحی ہم نے تیرے پاس بھیجی ہے

(۲) ثم جعلناك علیٰ شریعة من الامر

پھر ہم نے تم کو دین (الٰہی) کی ایک (مستقل) شریعت پر مامور کیا ہے۔

اور اس دین کے علاوہ اب کوئی دین اللہ کے ہاں مقبول نہیں۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الاخرة من الخاسرین (آل عمران)

اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی دین کو اختیار کریگا وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والا ہے

یہی نکتہ ہے اس میں کہ اللہ تعالیٰ نے ما نزل الیهم فرمایا ما نزل الیك نہیں فرمایا تاکہ اُمت کو معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کے احکامات اور تعلیمات بیان فرماتے ہیں وہی ہے وہ دین جس کے ہم مکلف ہیں اور ما جاء به الرسول کے عنوان سے جس پر ایمان لانا فرض اور اس کا اتباع واجب و لازم ہے لیکن اسی کے ساتھ لتبیّن لهم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو (بصیغہ واحد مخاطب) خطاب فرما کر ما نُزّل الیهم کے معانی و مصادیق متعین کرنے اور دین کی تعبیر و تشریح کرنے کے "حق" کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص کردیا اور اُس کی حجیت و مشروعیت کو تبیین رسول پر موقوف فرمادیا یعنی ما نزل الیهم وہ دین و شریعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور بتلایا و سکھلایا ہے اس کے خلاف دین کے متعلق کوئی بھی بیان کسی کا بھی ہو معتبر نہیں، نہ ہی اُمت کے کسی بھی فرد یا جماعت کو محض اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر و تعبیر اور بیان مراد کا حق ہے اور نہ ہی اپنی رائے سے تشریع (قانون سازی) کا حق ہے اسی لئے احادیث صحیحہ میں تفسیر بالرائے پر شدید ترین وعید وارد ہے

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن (کی تفسیر) میں محض اپنی رائے سے کوئی بات کہی اسے جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالینا چاہیئے۔

اور اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی ہستی جو علوم نبوت سے تمام اُمت میں سب سے زیادہ قریب تر اور صدّیقیت کے مرتبہ پر فائز ہیں وہ فرماتے ہیں۔

اىّ سماء تظّلنى واىّ	کس آسمان کے نیچے میں سر چھپاؤں گا اور کونسی زمین
ارض تقلنى اذا قلت فى	میرے بار وجود کو اُٹھائے گی (یعنی مجھ کہیں پناہ نہ
كتاب الله برائى	مل سکے گی) جب میں قرآن (کی تفسیر) میں محض اپنی رائے

سے کوئی بات کہوں گا۔

لہٰذا اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کے کوئی ایسے معنی اور مُراد اور دین کی کوئی ایسی تعبیر و تشریح جو کتاب و سنت میں منصوص یا اللہ اور رسول کے بتلائے ہوئے اصول کے تحت کتاب و سنت سے مستنبط نہ ہو، ہرگز معتبر نہیں ۔ نیز مصدر تشریع اسلامی صرف کتاب و سنت ہیں اور تدوین و ترتیب قانون اسلامی صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں جو "اعرف الناس بالکتاب والسنة" ہوں یعنی اسلامی قانون تو بنا بنایا کتاب و سنت میں موجود ہے اس لئے اسلام میں "قانون سازی" کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ضرورت صرف اُس قانون کو حالات و جزئیات پر منطبق اور رائج الوقت طریق پر مرتب کرنے کی ہے سو یہ "کام" وہی لوگ کرسکتے ہیں اور انہی کا کیا ہوا "کام" معتبر اور حجت ہوسکتا ہے جو کتاب و سنت اور اصول دین کے زیادہ سے زیادہ ماہر اور ان شرائط پر پورے اُترتے ہوں جو خدا اور اُس کے رسول نے ان مدونین "قانونِ اسلامی[1]" کے لئے مقرر فرمائی ہیں

نکتہ (۲) تبیین ما نزّل الیھم کے تین طریقے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبیین ما انزل اللہ کے فرض منصبی کو تین طریق پر انجام

---

[1] نادان ہیں وہ لوگ جو اسلامی قانون سازی یا حکومت کے قانون کو شریعت کے مطابق بنانے اور قوانین سنت اسلامی کی تدوین کا کام یا اسلام کی تعبیر و تشریح قومی یا صوبائی اسمبلیوں کے یا ان ماہرینِ قانون کے سُپرد کرتے ہیں جو کتاب و سنت کی زبان تک سے ناآشنا ہیں اسی طرح ملحد و زندیق بلکہ باطنیہ اور مستشرقین کے فرزندانِ معنوی ہیں وہ لوگ جو نصوص قرآن کو "ابدی" سمجھنے کی بجائے ان کی (خود ساختہ) "علل و غایات" کو ابدی قرار دے کر نصوص قرآن میں اُسی من مانی تحریف کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں جس کے ذریعہ یہود نے آسمانی کتاب کو مسخ کر ڈالا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مخذول و مغضوب ہوئے (ملاحظہ فرمائیے فکر و نظر بابت ماہ اکتوبر ص۲۲۹ مقالہ قرآن کی ابدیت)

دیا ہے۔

(۱) تبیین عملی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تیئس سالہ تشریعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے حکم:

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس (سورہ مائدہ ع ۱۰)	اے رسول تمہارے رب کی جانب سے جو (دین) نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو (اُمت کو پہنچا دو) اگر تم نے (اس پر عمل) نہ کیا تو تم نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ تم کو لوگوں (کی دراندازی) سے بچائے گا۔

اور فرمانِ خداوندی:

فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین (حجر ع ۶)	جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان کرو اور مشرکوں سے اعراض کرو۔

کے مطابق تدریجی طور پر اس کامل واکمل دینِ الٰہی کے اُن تمام حدود واحکام اور قوانین پر عمل کرکے دکھلا دیا بتلا دیا سکھلا دیا اور اُمت سے عمل کرا دیا جن کی تعلیم کے لئے کتاب کے نازل کرنے کے ساتھ ساتھ ایک عمل کرکے دکھلانے والے معصوم انسان (نبی) کی بعثت لابدی اور ضروری تھی جس کی طرف آیۂ کریمۂ ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ولو جعلنٰہ ملکا لجعلنٰہ رجلا۔ (انعام ع ۱)	اگر بالفرض ہم کسی فرشتے کو رسول بناتے تو (پہلے) ہم اس کو مرد بناتے۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ مثلاً جس شخص نے کبھی اپنی زندگی میں کسی کو نماز پڑھتے نہ دیکھا ہو آپ اس کو حدیث وفقہ کی تمام کتابوں کے "ابواب الصلوٰۃ" پڑھا دیجئے سمجھا دیجئے مگر عمل کرکے نہ دکھلایئے وہ کبھی صحیح نماز نہ پڑھ سکے گا جب تک کہ یا آپ خود اس کو نماز پڑھ کے نہ دکھلائیں یا وہ خود کسی کو نماز پڑھتے نہ دیکھے۔ اس کا واضح تجربہ فریضہ حج ادا کرتے وقت ہوتا ہے۔ بڑے بڑے عالم دین جن کی عمریں حدیث وفقہ میں "مناسک حج" (احکام حج) پڑھاتے گذری ہوتی ہیں جب وہ خود فریضہ حج ادا کرنے کے لئے جاتے ہیں تو ان کو بھی مُعلّم (سکھلانے والے) کی ضرورت لابدی ہوتی ہے پھر بھی پہلی مرتبہ کے حج میں ضرور کچھ نہ کچھ غلطیاں یا کوتاہیاں ہو جاتی ہیں الا ماشاء اللہ، اسی پر

تمام احکام کو قیاس کیجیے۔

(۲) تبیین قولی! کسی حکم شرعی پر عمل کر کے دکھلا دینے سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہو سکتا کہ اگر کلا یا جزا ایسا نہیں کیا گیا تو اس کا کیا حکم ہے یعنی اس میں کونسا عمل رکن ہے کونسا فرض یا واجب ہے اور کونسا مسنون و مستحب ہے یا کونسا عمل مکروہ ہے اور کونسا حرام و مفسد ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ۲۵ ذی القعدہ ۱۰ھ کو ذوالحلیفہ سے "احرام" باندھ کر حج شروع کیا اور ۱۳ ذی الحجہ کو "طواف صدر" تک تمام مناسک حج و عمرہ عملی طور پر کر کے دکھلا دیے مگر اس سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہو سکتا کہ وہ کونسا عمل ہے جس پر حج ہونے یا نہ ہونے کا مدار ہے اس لئے یہ اعلان کرانا ضروری ہوا۔

فامر منادیا ، فنادی: الحج عرفة من جاء لیلة جمع قبل طلوع الفجر فقد ادرک الحج۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا تو اس نے اعلان کیا کہ حج عرفات میں ٹھہرنے پر موقوف) ہے جو کوئی طلوع فجر سے پہلے مزدلفہ کی رات میں (عرفات میں ٹھیر کر) آگیا اس نے حج پا لیا۔

علی ہذا القیاس قرآن کریم کے جملہ احکام کے متعلق خواہ عقائد ہوں خواہ عبادات و معاملات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وافی و شافی تفصیلات بیان فرمادی ہیں جو ذخیرۂ احادیث رسول اللہ میں موجود و محفوظ ہیں۔

ب! یہ وہ تبیین قولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شارع (شریعت لانے والا) ہونے کی حیثیت سے از خود بیان فرمائی ہے باقی قرآن حکیم کے معانی و مطالب سمجھنے میں جو اشکالات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پیش آئے ہیں اور انھوں نے خود آپ کی طرف رجوع کیا ہے اس کی بھی چند مثالیں بطور "گلے از گلزار سے" ہم درج کرتے ہیں۔ ایک عقائد سے متعلق ہے دوسری عبادات سے تیسری احکام سے۔

(۱) عن عبد اللہ بن مسعود قال لما نزلت ھذہ الایة الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم شق ذالک علی اصحاب

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت کریمہ الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقالوا: أینا لم یلبس ایمانه بظلم؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه لیس بذاك الم تسمع الی قول لقمان لابنه ان الشرك لظلم عظیم۔

بڑے گھبرائے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے ایمان لانے کے بعد کوئی ظلم نہ کیا ہو؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ (ظلم) مراد نہیں ہے، تم نے لقمان نے جو اپنے بیٹے سے کہا وہ نہیں سنا؟ کہ بیشک شرک ظلم عظیم ہے (یہی ظلم (شرک) اس آیت کریمہ میں مراد ہے)

(۲) عن یعلی بن امیة قال قلت لعمر ابن الخطاب لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰة ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا، فقد امن الناس، فقال عجبت منه فسألت رسول اللہ علیه وسلم عن ذالك فقال: صدقة تصدق اللہ بها علیکم فاقبلوا صدقته

(۲) یعلی بن امیہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) "اگر تمکو کافروں سے فتنہ کا خوف ہو تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر (تخفیف) کرو" تو اب تو لوگ (کفار سے) مامون ہو گئے ہیں (اب قصر نہ کرنا چاہیئے) تو حضرت عمر نے کہا کہ مجھے بھی اس پر تعجب ہوا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا یہ (سفر میں قصر) اللہ کا احسان ہے تم اللہ کے اس احسان کو قبول کرو۔

(۳) عن عبد اللہ بن عمر انه طلق امرأته وھی حائض فذکر ذلك عمر لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فتغیظ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثم قال مره لیراجعها ثم لیمسکها حتی تطهر ثم تحیض فتطهر ثم تحیض فتطهر ثم ان شاء طلقها طاهرا قبل ان یمس فذالك الطلاق للعدة کما امر اللہ

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے بیٹھے تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ اس پر بڑے ناراض ہوئے اور پھر فرمایا اس (ابن عمرؓ) کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے پھر اسے اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر (دوسرا) حیض آئے تو اس سے بھی پاک ہو جائے پھر اسی طرح تیسرا حیض آئے اور اس سے بھی پاک ہو جائے پھر اگر اس کا جی چاہے تو حالت پاکی (طہر) میں ہاتھ لگانے سے پہلے اسکو طلاق

تعالیٰ ذکرہ کا (ابو داؤد ص ۲۹۰)	دے، یہی ہے اللہ کے حکم کے مطابق عدت کے اعتبار سے طلاق۔

نکتہ (۳) اللہ تعالیٰ شانہٗ کے اپنے کلام کے اور تمام مَا اُنزِلَ کے بیان کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ متکلم جس قدر وسیع العلم، کثیر المعلومات اور عظیم القدرت، وسیع التصرفات ہوتا ہے اسی قدر اس کا کلام زیادہ حاوی، محیط اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔ وجوہ کثیرہ (بہت سی صورتوں) محامل ومصادیق وافرہ (بہت سی محمل اور مصداق) پر مشتمل ہوتا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایسے متکلم کا کلام غایت درجہ بلیغ، مجمل، مبہم اور ذو وجوہ (بہت سے پہلوؤں والا) ہوتا ہے اس کے مضمرات ومنویات (چھپے ہوئے معنی اور مراد) مصالح وحکم، علل واغراض تک رسائی عام عقول انسانی کی دسترس سے باہر ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت اور لامتناہی علم تمام کائنات پر یکساں طور پر محیط ہے ماضی، حال اور مستقبل کی حدود وامتیازات اس کے علم وقدرت کے سامنے محو ہیں۔ موجود ومعدوم، حاضر وغائب کا فرق ہیچ ہے، متغیرات ومتجددات (بدلنے والے حالات اور نو بنو ظروف وحقائق) اس کے علم وقدرت کے سامنے حقائق ساکنہ وثابتہ ہیں غرض وہ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اور آئندہ جو کچھ ہوگا، سب کو یکساں طور پر جانتا اور اس میں تصرف کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور اسی علم وقدرت کے تحت اس کی صفت خلق وتدبیر برابر کار فرما ہے کل یوم ھو فی شأن (ہر روز اس کی نئی شان ہے) اُس کی شان ہے اسی اجمال کی تفصیل آیت کریمہ ذیل ہے۔

(۱) وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (انعام ع ۷)	(۱) اور اسی کے پاس غیب (کے خزانوں) کی کنجیاں ہیں اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا جو کچھ بھی بحر و بر میں ہے وہ سب کو جانتا ہے جو درخت کا پتہ بھی گرتا ہے وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں (تہوں) میں جو بھی دانہ (بیج) ہے اور جو بھی خشک وتر ہے وہ سب روشن کتاب (علم الٰہی) میں موجود ہے۔
(۲) وما من دابۃ فی الارض ولا طائر	(۲) جو بھی زمین پر چلنے والا جانور ہے اور جو بھی اپنے

يطير بجناحيه الا امم امثالكم ما فرطنا فی الكتاب من شئ ۔ (انعام ع ۴)

بازوؤں سے اڑنے والا پرندہ ہے وہ سب تم جیسی (خدا کی) مخلوق ہیں ہم نے کتاب (علم الٰہی) میں کوئی چیز چھوڑی نہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ کا کلام (قرآن) غایت درجہ جامع، محیط، ہمہ گیر، کثیر الوجوہ، متکثر المعانی اور بلیغ و محمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ ازلی و ابدی کلام اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ہی اپنے نبی معصوم پر نازل فرمایا ہے اور بندے جب تک اپنے پروردگار کے کلام کی مراد نہ سمجھیں اس کے حکم کی تعمیل اور امتثالِ امر ان کی قدرت و استطاعت سے باہر ہے، اس لئے اللہ جل شانہٗ نے اپنے کلام کی مراد کو بیان کرنا بھی اپنے ذمہ لیا۔ اور وحی و الہام کے ذریعہ اپنے نبی کو بقدرِ ضرورت اپنے کلام کی مراد، محامل و مصادیق اور اغراض و علل سے نہ صرف آگاہ فرما دیا بلکہ اپنے کلام اور جمیع ما انزل الیہ کی تبیین (بیان کرنے) پر اس کو مامور فرما دیا اور اعلان کر دیا کہ ہمارے کلام کی مراد بیان کرنے اور دین کی تعبیر و تشریح کا حق صرف ہمارے اس نبی معصوم کو ہے اور اسی کا بیان حجت ہے۔ اسی لئے اُمت اس پر متفق ہے کہ قرآن کریم کی کوئی تفسیر و تاویل اور دین کی کوئی ایسی تعبیر و تشریح جو کتاب و سنت اور ضروریات و متواترات دین کے خلاف ہو ہرگز معتبر و مقبول نہیں، احکام شرعیہ کی اغراض و غایات اور علل و مصالح وہی معتبر اور حجت ہیں جن کا بیان صراحتاً یا اشارتاً کتاب و سنت میں آچکا ہو۔ محض اپنی عقل و رائے سے قرآن کی مراد متعین کرنے اور علل و مصالح احکام تجویز کرنے کا حق اُمت کے کسی متنفس کو بھی حاصل نہیں ۔۔۔ تاکہ زنادقین و ملحدین اور ارباب اہوا و اغراض کے لئے قرآن حکیم یا احکام شرعیہ میں کسی تاویل و تحریف اور تصرف و تبدیل کی گنجائش باقی نہ رہے اور اس تدبیر سے قرآن کریم کے معانی و مطالب بھی ملحدوں کی دست برد سے اسی طرح محفوظ ہو جائیں جس طرح الفاظ قرآن کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے محفوظ فرما دیا ہے۔

اس تمہید کے بعد صحابہ کے مذکورۃ الصدر ہر سہ سوالات اور ان کے جوابات پر غور فرمایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی بھی متنفس ہر سہ آیات کے مصادیق کو نہ اس قطعی طور پر متعین کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کا بیان حجت ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت کریمہ میں ظلم سے "ظلم عظیم" یعنی شرک

مراد ہے اور دوسری آیت کریمہ میں ان خفتم کی شرط کا تعلق قصر عدد (صلوٰۃ سفر) سے نہیں بلکہ قصر صفت (صلوٰۃ خوف) سے ہے یا یوں کہئے کہ نماز میں قصر (تخفیف) کے ابتداً دو سبب تھے۔ مشقت سفر اور خوف اعداء یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے خوف اعداء باقی نہ رہنے کے باوجود صرف مشقت سفر کی بنا پر حکم قصر صلوٰۃ باقی رہنے دیا۔ اور تیسری آیت طلقوھن لعدتھن میں وقت عدت حالت طہر ہے نہ کہ حالت حیض۔ یہ بیان مراد اور تعبیر و تشریح صرف صاحب وحی و الہام نبی کا کام ہے۔

نکتہ (۴) ما نزّل الیھم کی تشریح میں حضرت مجاہد فرماتے ہیں:

ان المراد بھذا التبیین تفسیر المجمل وشرح ما اشکل اذھما المحتاجان للتبیین واما النص والظاھر فلا یحتاجان الیہ (روح المعانی)	اس تبیین سے مراد ہر مجمل امر کی تفصیل اور ہر مشکل لفظ کی شرح کرنا ہے۔ اس لئے کہ یہی دو چیزیں بیان کی محتاج ہیں باقی وہ آیات جو نص (صریح) اور ظاہر (واضح) ہیں ان میں کسی بیان کی ضرورت نہیں۔

حضرت مجاہد نے اگرچہ یہ دائرہ محدود کر دیا ہے تاہم مجملات کی تفسیر کا دائرہ بہت وسیع ہے، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، بیع، شراء، ربوا وغیرہ سب عبادات و معاملات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے محتاج ہوں گے۔ چنانچہ اور حضرات مفسرین اس بیان کے دائرہ کو احکام تک محدود نہیں رکھتے وہ اس تبیین کے مصداق میں مزید توسیع کرتے ہیں:

وقیل المراد ما یقافھم علی حسب استعداداتھم المتفاوتۃ علی ما خفی علیھم من اسرار القراٰن وعلومہ التی لا تکاد تحصی ولا یختص ذالک بتبیین الحلال و الحرام واحوال القرون الخالیۃ والامم الماضیۃ ویستانس لہ بما اخرجہ الحاکم وصححہ عن حذیفۃ قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما اخبرنا فیہ بما یکون الی	بعض علماء نے کہا ہے کہ تبیین قرآن سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو ان کی مختلف استعداد و اہلیت کے مطابق قرآن کریم کے ان بے پایاں اسرار و علوم سے آگاہ فرمائیں جو صحابہ پر مخفی ہیں اور یہ بیان قرآن صرف حلال و حرام یا ازمنہ سابقہ اور اقوام ماضیہ کے حالات بیان کر دینے کے ساتھ مخصوص و منحصر نہیں ہے اس کی تائید حضرت حذیفہ کی حدیث سے ہوتی ہے جس کو حاکم نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مجمع میں تقریر کرنے کے لئے کھڑے

يوم القيامة عقله منا من عقله ونسيه من نسيه وهذا في معنى ما ذكره غير واحد ان التبيين اعم من التصريح بالمقصود ومن الاشارة الى مايدل عليه ويدخل فيه القياس واشارة النص ودلالته وما يستنبط من العقائد والحقائق والاسرار الالٰهية (روح المعانی)

ہوئے تو (اس تقریر میں، آپ نے جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اس کی خبر دی ہم میں سے جسکو یاد رہا، یاد رہا اور جو بھول گیا بھول گیا، اس حدیث کا مآل وہی ہے جو اکثر دبیشتر مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ لفظ تبیین (بیان کرنا) مقصود کلام کی تصریح اور مدلول کلام کی طرف اشارہ دونوں کو شامل ہے اور (اس لحاظ سے) اس تبیین میں قیاس اور اشارۃ النص، دلالۃ النص دونوں داخل ہیں اسی طرح تمام عقائد حقائق اور اسرار الٰہیہ بھی اس میں شامل ہیں

حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ اس سے بھی زیادہ تعمیم اور توسیع بیان شارع کے قائل ہیں فرماتے ہیں:-

والبيان قد يكون صريحا بالقول او الفعل او التقرير وقد يكون غير صريح كالامر بالقياس۔
(تفسیر مظہری سورۂ نحل)

اور (رسول اللہ کا یہ) بیان کبھی قول یا فعل یا بیان سکوتی کے طور پر صراحتاً ہوتا ہے۔ اور کبھی صریح نہیں ہوتا جیسا کہ — غیر منصوص امور میں — آپ کا قیاس کرنے کا حکم دینا (لہٰذا مجتہدین از روئے قیاس جو احکام بیان کرتے ہیں وہ بھی رسول کا ہی بیان ہے)

حقیقت یہ ہے کہ الذکر کا اولین مصداق تو قرآن کریم ہی ہے لیکن جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کتاب (قرآن) کی طرح حکمت (سنت) بھی منزل من اللہ ہے لہٰذا وہ بھی اس آیت کریمہ میں الذکر کے مصداق میں داخل و شامل ہے جس کا ثبوت ما نزل الیھم کا عموم ہے اگر ذکر سے صرف قرآن ہی مراد ہوتا تو لتبینہ للناس فرماتے اس لحاظ سے شارع علیہ السلام کا ہر بیانِ تشریعی خواہ وہ وحی متلو جلی پر مبنی ہو خواہ وحی غیر متلو خفی پر اور خواہ وہ قرآن میں صراحتاً مذکور ہو خواہ اشارتاً خواہ قرآن سے مستنبط ہو خواہ قرآن میں مطلق مذکور نہ ہو بلکہ شارع علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ اصولِ تشریع کے تحت اپنے قیاس و اجتہاد سے نافذ کیا ہو نیز خواہ فعلی ہو یا قولی یا بیان سکوتی، سب "تبیین" کے اندر داخل و شامل اور حجت شرعیہ

ہیں۔ اسی بیان شارع کا دوسرا نام سنت ہے اس لئے مذکورۃ الصدر آیت اور اسکی معاون آیات سے ثابت ہوا کہ کتاب کے بعد دوسرا مصدر تشریع (ماخذ احکام شرعیہ) سنت ہے۔ وَھٰذَا ما کنا بصدد ہٖ (یہی ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں) وباللہ التوفیق۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

مذکورۃ الصدر آیت کریمہ اور ہمارے بیان سے کسی کوتاہ نظر قاری کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر قرآن کریم کی مراد متعین کرنے اور معانی ومصادیق بیان کرنے کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں تو قرآن کریم کی ان صدہا چھوٹی بڑی تفسیروں میں قرون اولیٰ سے لے کر آج تک قرآن کی تفسیر کیسے کی گئی اور ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ سے لیکر حضرت شیخ الہند اور حضرت تھانوی رحمہما اللہ تعالیٰ تک یہ تمام مفسرین قرآن ان تفاسیر میں قرآن حکیم کے معانی و مطالب بیان کرنے میں کیوں مصروف رہے اور تفسیر قرآن کریم بیان کرنے میں ان حضرات نے اپنی عمریں کیسے صرف کردیں؟ اسی طرح اگر احکام دین کی تعبیر وتشریح اور احکام شرعیہ اور ان کی علل و اغراض کا بیان کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا تو روز اول سے ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے احکام شرعیہ فقہیہ اور ان کے دلائل وشواہد اور علل واغراض بیان کرنے میں اپنی عمریں کیسے صرف کردیں اور فقہ اسلامی کی یہ بے شمار کتابیں کیسے اور کیونکر وجود میں آگئیں اور اُمت تیرہ سو سال سے برابر ان قرآن عظیم کی تفسیروں کو اور فقہ وفتا وقضا کی کتابوں کو احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ کا ماخذ کس طرح اور کیوں مانتی چلی آرہی ہے؟

اس شبہ کے پیدا ہونے کا اصلی سبب تو علم تفسیر واصول تفسیر اور علم فقہ واصول فقہ سے ناواقفیت ہے اس لئے اس کا ازالہ حقیقی معنی میں تو ان علوم سے کامل واقفیت حاصل کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے ہمارا موضوع بحث اس وقت "سنت کا تشریعی مقام قرآن کی روشنی میں" بیان کرنا ہے اس لئے ہم تو اس شبہ کے ازالہ اور اس اعتراض کے جواب میں اپنے موضوع بحث کے اعتبار سے صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ

اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کی کسی بھی آیت کی اپنی رائے سے کوئی ایسی تفسیر وتاویل جو کتاب وسنت اور ضروریات وتواترات دین کے خلاف ہو ہرگز صحیح، معتبر اور جائز نہیں بلکہ موجب

عذاب جہنم ہے بلکہ حدیث شریف میں تو اپنی عقل اور رائے سے قرآن کی تفسیر کرنے کی ممانعت یہاں تک وارد ہے کہ اگر اپنی رائے سے کسی نے قرآن کی صحیح تفسیر بھی کی تو وہ بھی خطا کار و غلط کار ہے چنانچہ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطأ (رواہ الترمذی وابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی اور صحیح کہی تب بھی اس نے غلطی کی۔

اور تمام مفسرین رحمہم اللہ نے روز اول سے اسی اصول کو سامنے رکھکر اور ان تمام شرائط کی پابندی کرتے ہوئے وہی قرآن کے معانی و مطالب بیان کئے ہیں جو حقیقی اور اصلی مفسر قرآن یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور و منقول ہیں:

رہا یہ کہ اتنی تفسیریں لکھنے کی کیوں ضرورت پیش آئی اور کیوں یہ نو بنو تفسیریں لکھی گئیں تو یہ تو وہی شخص جان سکتا ہے، و سمجھ سکتا ہے جسے علوم قرآن کا کما حقہ علم ہو قرآن عظیم درحقیقت بحر لا تنقضی عجائبہ (ایک ایسا (حقائق کا) سمندر ہے جس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے)

اسی طرح تمام ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے صرف اُن احکام فقہیہ میں اجتہاد سے کام لیکر مسائل فقہیہ استنباط کئے ہیں۔ جو کتاب و سنت میں منصوص نہیں۔ اور انھیں شرائط کی پابندی کے ساتھ، اور اسی دائرہ میں محدود رہ کر، اور انہی اصول کے تحت، قیاس و استنباط سے کام لیا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر فرمائے ہیں۔ اور اُن کے مطابق اجتہاد کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے بلکہ حکم دیا ہے۔

اس لئے ان تمام مفسرین کا معانی و مطالب قرآن حکیم کو بیان کرنا اور ان تمام ائمہ مجتہدین اور فقہاء کا مسائل فقہیہ بیان کرنا درحقیقت یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تبیین و تفسیر اور تعبیر و تشریح ہے اس لئے کہ ایک طرف خود شارع علیہ الصلوٰۃ فرماتے ہیں۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں

دوسری طرف اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ کی اُمت کے متعلق شہادت دیتے ہیں۔

وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا

اسی طرح ہم نے تم کو ایک (افراط و تفریط کے درمیان،

شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ — معتدل اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں۔

رسول کا قول وفعل اُمت کے قول وفعل کے لئے معیار حجیت ہے اور صحیح وبرحق ہونے کی شہادت۔ اور اُمت کا قول وفعل تمام نوع انسانی کے لئے معیار صحت وحجیت اور حق ہونے کی شہادت ہے بالفاظ دیگر تمام نوع انسانی کے لئے اس اُمت کا قول وفعل معیار حق ہے اور اس اُمت کے اقوال وافعال کے لئے معیار، رسول اللہ کے اقوال وافعال ہیں اسلئے اُمت کی وہی تفسیر وتبیینِ قرآن اور تعبیر وتشریحِ دین حق، صحیح، معتبر اور حجت ہوگی۔ جس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تعلیمات نبوت سے ہوتی ہو اور اگر اس کے خلاف ہوگی تو باطل ومردود ہے۔

شریعت محمدیہ

آیت نمبر (٦) ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون

اللہ جل شانہٗ نے نوع انسانی کے ہوش سنبھالنے اور انسانیت کے سن بلوغ کو پہونچنے کے بعد اولاد آدم کو جس امر کا مامور و مکلف بنایا ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک "دین" اور دوسرے "شریعت" دین تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کا ایک ہی ہے۔ اسی دین کا نام ملتِ محمدیہ ہیں اسلام ہے اور اس کے ماننے والوں کا نام مسلمان ہے اب اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

(١) ان الدین عند اللہ الاسلام۔ (آل عمران ع ٢) — (١) بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے

(٢) ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین (آل عمران ع ٩) — (٢) جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا قصد کریگا ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خسارہ پڑنے والوں میں سے ہوگا۔

(٣) ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین من قبل وفی ھذا (الحج ع ١٠) — (٣) (یہ) تمہارے جدا مجد ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت ہے انہی نے پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھدیا ہے اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا نام مسلمان) ہے

تمام انبیاء و رسل صلواۃ اللہ علیہم اجمعین خود بھی اسی دین پر قائم رہے ہیں اور اپنی اُمتوں کو بھی اسی دین کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔

لہ دین اور شریعت میں نسبت | انسان کو اپنے "رب" کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے ارشاد ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون — اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

معبود کی ذات وصفات کی صحیح معرفت کے بغیر حقیقی معنی میں عبادت نہیں ہو سکتی۔ دُنیا کی جن قوموں نے غیر اللہ کی عبادت کی ہے اُس کا ایک سبب معبود کی ذات وصفات سے جہل اور ناواقفیت بھی ہے اسی لئے قرآن حکیم کی تعلیمات کا بڑا حصہ اسی معرفت معبود حقیقی سے متعلق ہے اسی لئے دین کے دو اہم ترین جزو ہیں ایک اعتقادیات یعنے اللہ کی ذات (باقی ص ١٥٢ پر)

شرع لکم من الدین ما وصی بہ	تمہارے لئے وہی دین تجویز کیا ہے جس کا ہم نے نوح
نوحاً والذی اوحینا الیک وما	کو حکم دیا تھا اور جس کی وحی (حکم) ہم نے تمہارے پاس
وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ	بھیجی ہے اور جس کا حکم دیا ابراہیم کو موسیٰ کو اور عیسیٰ
ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ	کو کہ تم (سب) اس دین کو قائم کرنا اور اس میں افتراق
(سورہ الشوریٰ ع ۲)	مت پیدا کرو۔

لیکن شریعتیں، مختلف انبیا ؤ رسل اور ان کی اُمتوں کی الگ الگ رہی ہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ہر رسول کو اس کی اُمت اور زمانے کے حسب حال ایک مخصوص اور مستقل شریعت عطا فرمائی ہے۔ اللہ جل شانہٗ تمام اُمم کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:۔

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا	ہم نے تم میں سے ہر ایک (اُمت) کے لئے ایک مخصوص
ولو شاء اللہ لجعلکم اُمۃ	شریعت اور مسلک تجویز کیا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو
واحدۃ۔ (مائدۃ ع ۷)	تم سب (اولادِ آدم) کو ایک ہی اُمت بنا دیتا

اسی سُنّت اللہ کے تحت اللہ تعالیٰ شانہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک "مخصوص"

(بقیہ حاشیہ نمبر ۱۵۱ سے آگے) وصفات اور مبداء و معاد کا صحیح علم اور معرفت دوسرا اس کی مرضی کے مطابق اس کی عبادت وطاعت۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات وصفات تغیر و تبدل سے وراء الوراء ہیں اسی طرح مبداء و معاد کی تفصیلات تمام ازمنہ وادوار اور اقوام وملل میں غیر متبدل ہیں اس لئے معتقدات تمام عالم کی قوموں کیلئے ہر عصر اور ہر زمانہ میں ایک ہی ہو سکتے ہیں۔ ہاں دُنیا کی مختلف قوموں، ملکوں اور زمانوں کے اختلاف کی بناء پر عبادت وطاعت کے طریقے اور احکام ضرور مختلف ہونے چاہئیں اس لئے لفظ دین کے مذکورہ بالا استعمال میں "دین" سے مراد معتقدات ہیں اور "شریعت" سے مراد احکام عبادات وطاعات ہیں۔ یہ لفظ "دین" کا ایک استعمال ہے جبکہ وہ شریعت کے مقابل ہو۔ باقی "مجموعہ عقائد وعبادات" کو بھی "دین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت	آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنا انعام تم
علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام	پر پورا کر دیا اور اسلام کو تمہارے لئے دین پسند
دینا۔ (المائدہ ع ۱)	فرمایا۔

یہ لفظ دین کا دوسرا اور عام استعمال ہے۔ ۱۲۰

مخصوص" اور مستقل" شریعت" عطا فرمانے کی خبر دیتے ہیں اور اسکی پیروی اور پابندی کا حکم دیتے ہیں ارشاد ہے:

ثم جعلنٰک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون (سورہ جاثیہ)

پھر (ان امتوں کے بعد اے نبی) ہم نے تم کو دین (الہی) کی ایک مخصوص (و مستقل) شریعت کا مامور بنایا ہے۔ تم اسی کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پروا نہ کرو جو علم سے کورے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تیئس سالہ تشریعی زندگی میں اس شریعت کے احکام نافذ کرنے کا فرض جن اصولوں کے تحت انجام دیا اور جو تشریعی اختیارات اللہ جل شانہٗ نے آپ کو عطا فرمائے تھے انکی تفصیل بھی اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ذیل میں بیان فرمائی ہے:

یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم۔ (سورۂ اعراف: ۱۹)

اور (وہ نبی امی) ان کو معروف (ہر نیک اور بھلے کام) کا حکم دیتا ہے اور منکر (ہر برے اور ممنوع کام) سے روکتا ہے اور پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور خبیث (گندی اور ناپاک چیزوں) کو حرام کرتا ہے اور وہ بوجھ (سخت ترین احکام) اور پھندے (پابندیاں) ان سے دور کرتا ہے جو ان پر عائد تھے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل "اصول" کے تحت رسول اللہ کے احکامات نافذ کرنے کی خبر دی ہے۔

(۱) **امر بالمعروف:۔** ہر شرعاً، عقلاً، اخلاقاً اور فطرۃً اچھے، بھلے اور مفید کام کا حکم دینا، خواہ از قبیل عبادات و معاملات ہو خواہ از قبیل اخلاق و عادات، خواہ شخصی اور انفرادی امور سے متعلق ہو خواہ عائلی اور اجتماعی امور سے۔ غرض تمام امور خیر اس امر بالمعروف میں داخل ہیں۔

(۲) **نہی عن المنکر:۔** ہر شرعاً، عقلاً، اخلاقاً اور فطرۃً برے، ناپسندیدہ اور ضرر رساں امر سے منع کرنا، خواہ از قبیل عبادات و معاملات ہو خواہ از قبیل رذائل و خسائس، خواہ شخصی اور انفرادی زندگی سے متعلق ہو خواہ خاندانی اور

اجتماعی زندگی سے۔ غرض جملہ منکر (ممنوع) اور قبیح اعمال واخلاق اور امور شر و فساد نہی عن المنکر میں داخل ہیں۔

(۳) **تحلیل طیبات:**۔ تمام عمدہ، مفید، ذوق سلیم اور فطرت صحیحہ کے اعتبار سے پسندیدہ اور لذیذ چیزوں کو حلال کرنا خواہ از قبیل ماکولات و مشروبات (خورد و نوش کی چیزیں) ہوں خواہ از قبیل ملبوسات (لباس) و زینت و آرائش ہوں خواہ منکوحات (بیویاں) اور فطری خواہشات کے مقتضیات، سب اس تحلیل طیبات میں شامل ہیں۔

(۴) **تحریم خبائث:**۔ تمام گندی مضرت رساں اور ذوق سلیم کے اعتبار سے مکروہ و ناپسندیدہ اور فطرت سلیمہ کو تباہ کرنے والی چیزوں سے منع کرنا، خواہ وہ کھانے پینے کی چیزیں ہوں خواہ غیر فطری خواہشات کے مقتضیات، خواہ انفرادی یا اجتماعی زندگی کو تباہ کرنے والی چیزیں ہوں سب اس تحریم خبائث میں داخل ہیں۔

(۵) **وضع اِصر:**۔ ان تمام سخت ترین احکام اور شدید ترین پابندیوں کے بوجھ کو ہلکا کر دینا جن میں پہلی اُمتیں اپنے تعنّت و سرکشی کی پاداش میں یا بتقاضاء ضرورت و مصلحت، گرفتار و مبتلا تھیں نیز احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کی راہ میں جو بھی دشواریاں، تنگیاں اور مجبوریاں حائل ہو سکتی ہیں، ان کو دور کر کے دین کو آسان اور ہر حالت میں قابل عمل بنا دینا، اس وضع اِصر کے ذیل میں آتا ہے

شریعت مطہرہ کے تمام تر احکامات خواہ کتاب (قرآن) سے ثابت ہوں خواہ سنت (حدیث) سے خواہ ان دونوں سے ماخوذ و مستنبط ہوں، ان سب کا جائزہ لے کر دیکھ لیجئے کسی بھی حکم کو مندرجہ بالا "اساسی اصول تشریع" سے خارج نہ پائیں گے۔

یہی ہے وہ مخصوص و مستقل "شریعت" جس کی تشریع و تنفیذ اور عملی تشکیل کیلئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا ہے اور بہ عنوان آیت کریمہ میں جس کی خبر دی گئی ہے ان تمام احکام شرعیہ کا ماخذ صرف دو ہیں ایک کتاب اللہ دوسرے سنت رسول اللہ۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس موعود کتاب (قرآن) کو مندرجہ ذیل حکمت و مصلحت کے تحت بتدریج تیئس "۲۳" سال کی مدت دراز میں نازل فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وقال الذين كفروا لولا نزل عليه القرآن جملة واحدة؟ كذلك لنثبت به فؤادك ورتلنه ترتيلا ولا يأتونك بمثل الا جئنك بالحق واحسن تفسيرا
(الفرقان ۳۲، ۳۳)

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے انھوں نے کہا: اس نبی پر ایک ہی دفعہ پورا کا پورا قرآن کیوں نہیں نازل کر دیا گیا؟! کہہ دو ہاں ہم نے اسی طرح اسے اتارا ہے، تاکہ (اے نبی) اس (وقتاً فوقتاً نزول) قرآن سے تمہارا دل مضبوط رکھیں۔ (اور ہمت بندھاتے رہیں) اسی لئے ہم نے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے، اور جب کبھی کوئی انوکھی بات وہ تمہارے پاس لائیں ہم تو حق اور وضاحت کے اعتبار سے بہترین (جواب) تمہارے پاس بھیج دیں۔

اسی حکمت و مصلحت کے تحت خدا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آہستہ آہستہ اور تھوڑے تھوڑے احکام حسب منشار الٰہی نافذ و جاری کئے ہیں تاکہ اُمت یکدم مختلف متنوع اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو محیط "مجموعہ احکام" کو دیکھ کر گھبرا نہ جائے اور ہمت نہ ہار بیٹھے بلکہ الاھم فالاھم (ضروری کے بعد ضروری) اور الاھون فالاھون (آسان کے بعد آسان) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے بتدریج اپنی تیئس سالہ تشریعی زندگی میں اس شریعت کے احکام نافذ بھی کئے، اور ان پر عمل کر کے بھی دکھلا دیا اور اُن پر عمل بھی کرا دیا اُنھیں مجموعہ احکام شرعیہ کا، دوسرا نام "سنتِ رسول" ہے جس کے اتباع و پیروی کا نبی کو بھی اور اُس کی اُمت کو بھی مذکورہ عنوانِ قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل کے سلسلہ میں چند نکتے اہل نظر اور ارباب بصیرت کی خاص توجہ کے مستحق ہیں۔

نکتہ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ تشریعی زندگی اور تدریجِ تشریعِ احکام اور وقتاً فوقتاً نزول آیاتِ احکام کے باہمی ربط و تعلق کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا اساسی اصول تشریع کے تحت اللہ کے حکم سے

رفتہ رفتہ احکامات جاری کرنے شروع کئے ہیں اور اللہ جل شانہٗ نگرانی فرماتے رہے ہیں

۱۔ جہاں آپ کے نافذ کردہ احکام میں اصلاح و ترمیم یا تنسیخ و تبدیل کی ضرورت ہوئی ہے وہاں آیات احکام نازل فرمائی ہیں [illegible] رمضان اور احکام صوم۔

۲۔ جہاں مستقل تشریعی مصلحت کے خلاف آپ سے کوئی حکم نافذ ہو گیا ہے وہاں فوراً تنبیہ و اصلاح فرمائی ہے مثلاً اسیرانِ جنگ بدر کا معاملہ۔

۳۔ ورنہ عموماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاری کردہ احکام سے متعلق آیات نازل فرما کر احکام نبوی کی تصدیق [illegible]

۴۔ اور جن احکام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس حکم پر اپنے پرائے سب چہ میگوئیاں یا اعتراضات کریں گے ایسے احکام کو اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری کیا ہے لیکن اللہ جل مجدہٗ نے ان کو وحیی طور پر اپنے حکم سے تعبیر کیا ہے کہ "ہم نے یہ حکم دیا" یا ہمارے حکم سے ایسا کیا گیا" مثلاً

(الف) [illegible] قبلہ کا حکم نہایت ہنگامہ خیز اور ہیجان انگیز تھا۔ ایک طرف یہود تو تش زیر پا تھے اور نہایت تیز و تند الفاظ میں طعن و تشنیع کر رہے [illegible] نے اس نسخ و تبدیل کو دلیل تکذیب اور [illegible] تمسخر و استہزا بنا رکھا تھا۔ مسلمان بھی حیران تھے اس لئے اللہ جل شانہٗ نے جہاں تقریباً دو رکوع سورۃ بقرہ کے اس مسئلہ سے متعلق نازل فرمائے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے حکم استقبال بیت المقدس کو آیت کریمہ ذیل میں اپنا حکم قرار دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

وما جعلنا القبلۃ التی کنت	اور وہ قبلہ (بیت المقدس) جس پر تم اب تک قائم تھے ہم
علیہا الا لنعلم من یتبع	نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون
الرسول ممن ینقلب علی	رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں (اپنی سابقہ
عقبیہ۔ (البقرۃ ع ۱۰)	حالت کفر پر) لوٹتا ہے

(ب) اسی طرح یہود کے عظیم تر قبیلہ بنو نضیر کو [illegible] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے غازیانِ اسلام نے جن کی شان ہی اللہ تعالیٰ نے اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ (کافروں کے حق میں نہایت سخت) بتلائی ہے یہودیوں کی شہ رگ پر ضرب کاری لگائی یعنی جنگی مصلحت کے تحت بیرون قلعہ کے نخلستان کے پھل دار درختوں کو کاٹنا شروع کیا تو یہودی چیخ اُٹھے اور جیانہ [illegible]

کی (دشمن کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دینے کی) جنگی ضرورت پوری ہو گئی تو آپ نے غازیوں کو اس حرکت سے روک دیا تو فوراً اللہ تعالیٰ نے سورہ حشر میں آیت کریمہ ذیل نازل فرما دی:

ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا فباذن اللہ (الحشر)

تم نے جو نرم و نازک (پھل دار) درخت کاٹ ڈالے یا جو ان کو کھڑے چھوڑ دیے (اور نہیں کاٹے) بس یہ دونوں کام اللہ کے حکم سے (کئے) ہیں۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام احکام بھی بامر من اللہ (اللہ کے حکم سے) ہی جاری کیا کرتے تھے۔ مگران دونوں حکموں کو اپنی طرف منسوب کرنے کی وجہ (والعلم عند اللہ) اسی ہنگامہ کو فرو کرنا مقصود ہے کہ:

(۱) اول بیت المقدس کا استقبال کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور اس کے بعد بیت اللہ کا استقبال بھی خدا کے حکم سے ہے۔

(۲) اسی طرح پھلدار درختوں کو کاٹنا بھی اللہ کے حکم سے تھا۔ اور پھر چھوڑ دینا اور نہ کاٹنا بھی اللہ کے حکم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کی خواہش اور اختیار کا اس میں مطلق دخل نہیں۔

۵۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کئے گئے اور وہ سوالات خود محتاج تصحیح و اصلاح تھے یا ان کے جوابات میں محض مسئلہ کا بیان کر دینا ہی مناسب نہ تھا بلکہ کسی تشریع مستانف (نئے حکم شرعی) کی ضرورت تھی اللہ جل شانہ نے ان سوالات کا قرآن حکیم میں ذکر فرمایا اور خود ان کے جوابات ایسے حکیمانہ اسلوب پر دیئے ہیں کہ سوال کی اصلاح و تصحیح بھی ہو گئی اور جواب بھی غائت درجہ مؤثر اور روح پرور بن گیا ہے اور گوناگوں مصالح و حکم کی بھی رعایت ہو گئی ہے مثلاً

(۱) یسئلونک عن الاھلۃ (۲) یسئلونک ماذا ینفقون (۳) یسئلونک عن المحیض (۴) یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ (۵) یسئلونک عن الانفال (۶) یسئلونک عن الروح (۷) یسئلونک عن ذی القرنین وغیر ذالک۔

ان گوناگوں سوالات کے حکیمانہ جوابات اور ان کے فوائد و مصالح اور وجہ اختصاص کے لئے مراجعت کیجئے کتب تفسیر کی ورنہ کم از کم حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فوائد (موضح القرآن) اور شیخ الہند حضرت محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ اور فوائد کی جانب — جن کی تکمیل حضرت مولانا شبیر احمد

عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے ۔ رجوع فرمائیے۔

نکتہ (۲) قرآن حکیم کے بارہا بنظر غائر مطالعہ اور تدبر و تفکر سے یہ معلوم ہوتا ہے (والعلم عند اللہ) کہ عبادات و معاملات وغیرہ کے احکام سے متعلق آیات میں اللہ جل شانہٗ نے احکام شرعیہ کے صرف اصول و ارکان بیان فرمائے ہیں اور وہ بھی مجمل صورت میں۔ ان اصول کے تحت فروع و جزئیات نیز ان کی تفصیل اور عملی تشکیل کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا ہے مثلاً نماز کے صرف ارکان پنجگانہ تکبیر تحریمہ، قیام، قرأت، رکوع و سجود کا قرآن حکیم میں ذکر فرمایا ہے اور بس۔ نماز کے بقیہ فرائض، واجبات، سنن، مستحبات نیز مکروہات و مفسدات و نواقض اور اس کی عملی صورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً و فعلاً و تقریراً بیان فرمائی ہیں بالفاظ دیگر نماز سے متعلق احکام قرآن حکیم میں معدودہ چند ہیں لیکن احکام صلوٰۃ سے متعلق تعلیمات سنت یعنی احادیث کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہزاروں تک پہونچتی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم اور مستحقین زکوٰۃ کے انواع و اصناف کا ذکر تو قرآن کریم میں اجمالاً فرمایا ہے۔ باقی وہ اموال جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور یہ کہ کتنے مال میں سے کسی زکوٰۃ نکالی جائے اور کب نکالی جائے؟ اس کی تمامتر تفصیل و تحدید شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احادیث صحیحہ میں بیان فرمائی ہے علیٰ ہذا القیاس صوم و حج کے تمامتر احکام و متعلقات کا تفصیلی بیان صرف سنت و حدیث کے وافر ذخیرہ میں موجود و محفوظ ہے۔

مختصر یہ کہ صرف قرآن کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اگر کوئی شخص ان عبادات چہارگانہ میں سے کسی ایک پر عمل کرنا یا صحت و فساد وغیرہ کے اعتبار سے ان کے احکامات معلوم کرنا چاہے تو ہرگز معلوم نہیں کر سکتا اور یہی مطلب ہے حضرت مکحول کے اس مشہور و معروف مقولہ کا جو اس سے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں۔ الکتاب احوج الی السنۃ من السنۃ الی الکتاب

اسی طرح معاملات کے سلسلہ میں قرآن حکیم نے مثلاً مالی تبادلوں اور معاوضات کے باب میں اَحَلَّ اللّٰہُ البیع وحرم الربوٰا (اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربوا کو حرام) ایک جامع ترین اصول بتلا دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوع کی تمام انواع و اصناف اور ہر ایک کی حلت و حرمت صحت و فساد اور اباحت و کراہت کا جداگانہ حکم تفصیل کیساتھ بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احل اللہ البیع کے ساتھ حرم الربوا کو مقرون کر کے اس اصول کی طرف رہنمائی فرمائی کہ بیع و شرا اور مالی

تبادلوں کے باطل وفاسد ہونے کا سبب "موٗ ربوا یا اس کا کوئی شائبہ" ہوگا۔ اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ نے (جن کا مزاج تمام صحابہ میں سب سے زیادہ تشریعی تھا اور علل احکام شرعیہ خوب سمجھتے تھے) فرمایا:

قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنا ولم یبین لنا وجوہ الربوا فدعوا الربوا والریبۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اُٹھ گئے اور ربوا کی صورتیں (اور جزئیات وتفصیلات) نہیں بیان فرمائیں لہٰذا تم ربوا کو بھی چھوڑ دو اور شائبۂ ربوا کو بھی

درحقیقت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول کا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع ذیل ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحلال بیّن والحرام بیّن وبینہما مشبہات لا یعلمہا کثیر من الناس فمن اتقی الشبہات فقد استبرء لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات کراع یرعی حول الحمٰی یوشک ان یواقعہ الا وان لکل ملک حمی الا وان حمی محارمہ

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳)

حلال بھی بالکل واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت سے مشتبہ امور (و معاملات) ہیں جنکو بیشتر لوگ نہیں جانتے (اور فیصلہ نہیں کر سکتے کہ یہ حلال ہیں یا حرام) پس جو شخص ایسے شبہات (اور امور) سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچا لیا (دنیا وآخرت میں حرام خوری کی رسوائی اور سزا سے بچ گیا) اور جو شخص مشتبہ امور میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی مانند ہے جو محفوظ وممنوع چراگاہ کے آس پاس اپنی بکریاں چراتا ہے کسی نہ کسی دن اس چراگاہ میں بھی جا گھسے گا (اور ارتکاب جرم کر بیٹھے گا) آگاہ ہو جاؤ ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے (جس میں قدم رکھنے والا مجرم اور مستحق سزا ہوتا ہے) آگاہ ہو جاؤ اللہ کی حمٰی اس کے حرام کردہ امور ہیں (لہٰذا اگر دنیا وآخرت کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو مشتبہ امور سے بچو کہ ارتکاب حرام کا اندیشہ نہ رہے)

حقیقت یہ ہے کہ بیوع کی انواع و اصناف اور پھر ان کی جزئیات اس قدر متنوع اور ایک دوسرے سے مشتبہ ہیں کہ نہ تو ان کا استقصاء ہر ایک کے بس کا کام ہے نہ شائبہ ربوا (سود کی آمیزش) سے ان کے خالی ہونے نہ ہونے کے متعلق ایک یا چند اصول ہر شخص بنا سکتا ہے یہ تو فقہاء امت کا اُمت پر احسان عظیم ہے کہ انھوں نے کتاب و سُنت کی نصوص اور صحابہ کرام کے تعامل، اجماع اُمت اور قیاس وغیرہ اصول شرعیہ کو سامنے رکھ کر انتہائی تیقظ و تثبت کے ساتھ انواع بیوع (بیع کی اقسام) کی جزئیات و تفصیلات کا استقصاء (احاطہ اور چھان بین) کر کے ہر ایک کا حکم جُداگانہ متعین کر دیا اور اُمت کی مکمل رہنمائی فرمائی اور حلال و حرام، صحیح و باطل، جائز و ناجائز میں فرق آسان کر دیا۔ اسی لئے محققین کی رائے ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ اور فقہ کے بغیر حدیث پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ ونعم ما قالوا۔ اسی پر قیاس کیجئے بقیہ تمام انسانی زندگی سے متعلق شرعی احکام کو۔

نکتہ (۳) شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان تئیس سالہ احکام کا ایک اور پہلو سے جائزہ لیجئے

(الف) ان احکام شرعیہ میں آپ بکثرت ایسے احکام پائیں گے جن کو شارع علیہ السلام نے اللہ جل شانہ کے حکم سے نافذ اور جاری کیا ہے مگر قرآن حکیم میں ان احکام سے متعلق آیات کافی عرصہ کے بعد نازل ہوئی ہیں مثلاً طہارت سے متعلق تمام احکام یقیناً اسی وقت سے نافذ اور جاری ہیں جب سے کہ مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں آپ نے اور مسلمانوں نے نماز پڑھنی شروع کی ہے حالانکہ احکام طہارت سے متعلق آیات سورۂ مائدہ اور سورۂ نساء میں نازل ہوئی ہیں اور یہ دونوں مدنی سورتیں ہیں۔ اور ۲، ۳ھ میں مدینہ میں نازل ہوئیں ہیں بالفاظ دیگر تقریباً اٹھارہ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے احکام الٰہیہ پر عمل کرتے رہنے کے بعد وضو، غسل، نواقض طہارت، تیمم وغیرہ طہارت و نجاست کے احکام سے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں اور وہ بھی غالباً (واللہ اعلم عند اللہ) حکم تیمم کے بیان کرنے کی غرض سے کہ یہ ایک تشریع مستانف (نیا حکم شرعی) اور اس اُمت کی خصوصیات میں سے ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جعلت لی الارض مسجدا وطهورا (زمین میرے لئے نماز کی جگہ اور (پانی نہ ملنے کے وقت) طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی ہے)

اسی طرح سنہ ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے "صوم عاشوراء" اور "ایام بیض" (چاندنی راتوں) کے روزے آپ خود بھی رکھتے تھے اور امت بھی مگر احکام صوم سے متعلق آیات سورہ بقرہ میں نازل ہوئیں جو مدنی سورۃ ہے اور سنہ ۲ھ میں نازل ہوئی ہے اور یہ بھی صرف اسی لیے کہ خاص ماہ رمضان کو روزوں کیلئے وقت متعین کرنا نیز یہ کہ روزہ صبح صادق سے شروع ہو کر غروب شمس پر ختم ہو جاتا ہے اور شب میں اکل و شرب و جماع وغیرہ مفطرات صوم سے انتفاع جائز ہے۔ تشریع مستانف (یا حکم شرعی) ہے اور اسی امت کی خصوصیت ہے ورنہ پہلی امتوں میں کوئی خاص مہینہ روزوں کے لیے متعین تھا نیز شب کو سو جانے کے بعد سے ہی روزہ شروع ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ان آیات کے نزول سے قبل امت محمدیہ کا عمل بھی یہی تھا۔ رسول اللہ کا عمل بھی یہی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصل ما بین صیامنا وصیام اھل الکتاب اکلۃ السحر (مشکوٰۃ ص ۱۷۵)

ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق سحری کے چند لقمے ہیں۔

اسی طرح مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں قبلہ "بیت اللہ" تھا مدینہ میں آنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "بیت المقدس" کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور تقریباً [illegible] ماہ تک بیت المقدس کی جانب نماز پڑھنے کے بعد تحویل قبلہ کا حکم ہوا تو استقبال قبلہ سے متعلق آیات سنہ ۲ھ میں نازل ہوئیں اور مکہ میں "بیت اللہ" کی جانب اور مدینہ میں [illegible] ماہ تک (استقبال قبلہ کا حکم قرآن میں نازل ہونے سے پہلے) بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز آپ ہی کے حکم سے پڑھی گئی۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام احکام آپ اللہ کے حکم سے ہی جاری کرتے ہیں بلکہ بعض احکام کے متعلق تو جبرئیل علیہ السلام کے آنے اور حکم الٰہی لانے کی تصریح احادیث میں ملتی ہے اسی لئے اللہ جل شانہٗ نے ان تمام احکام کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے مثلاً وَماجعلنا القبلۃ التی کنت علیھا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ۔ اسی طرح احکام طہارت سے متعلق آیات نازل فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج

اللہ کو تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم

ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم (المائدہ ع ۲) کو پاک کر دے اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دے۔

حالانکہ جزئیات احکام طہارت ایسے ہیں جن کا صراحتاً قرآن حکیم میں ذکر نہیں ہے مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی وہ احکام نافذ کئے اس لئے مطلقاً تطہیر کو جس میں جملہ احکام طہارت شامل ہیں اپنا فعل اور اپنی نعمت کی تتمیم قرار دیا۔ اسی طرح احکام صوم سے متعلق آیات نازل فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:۔

یرید اللہ بکم الیسر — اللہ تمہارے لئے سہولت پیدا کرنا چاہتا ہے تمہیں
ولا یرید بکم العسر (البقرہ ع ۲۳) — دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

حالانکہ صوم سے متعلق احکام بھی بیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ اور جاری کئے ہیں۔ وَقِس علیٰ ھٰذا۔

(ب) اور بے شمار احکام آپ ایسے پائیں گے جن کا قرآن حکیم میں مطلق ذکر نہیں اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوحی من اللہ (اللہ کی وحی سے) انہی اصول و اختیارات تشریعی کے تحت نافذ و جاری کیا ہے جن کا ذکر مذکورۃ الصدر آیات میں آچکا ہے مثلاً

(۱) نماز پنجگانہ کے لئے کلمات اذان و اقامت اور ان سے متعلق تفصیلی احکام آپ نے نافذ اور جاری فرمائے قرآن حکیم میں ان کا مطلق ذکر نہیں۔ صرف جمعہ کی اذان کا ضمناً ذکر آیا ہے۔

(۲) پانچوں نمازوں کے لئے اوقات نماز مقرر و متعین فرمائے کہ فلاں نماز فلاں وقت سے فلاں وقت تک پڑھنا جائز ہے اور فلاں وقت مستحب و پسندیدہ ہے اور فلاں وقت مکروہ یا حرام ہے۔ غرض ہر نماز کیلئے الگ الگ وقت کی تحدید (حد بندی) فرمائی۔ اور جن اوقات میں نماز مکروہ یا حرام ہے ان کو الگ متعین فرمایا حالانکہ یہ تحدید و تعیین اور اس سے متعلق احکام قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ وَقِس علیٰ ھٰذا کثیراً من احکام الصلوٰۃ وَغیرھا من العبادات۔

(۳) اسی طرح جنگ خیبر کے موقع پر آپ نے حُمُر اھلیہ (پالتو گدھوں) کے اور درندوں کے گوشت کو حرام فرمایا۔ حالانکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً علی — (اے نبی) کہہ دو: جو وحی (کے احکام) میرے پاس بھیجے
طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او — گئے ہیں ان میں کسی بھی کھانے والے پر کوئی چیز جو وہ کھائے

دماً مسفوحاً او لحم خنزیر فانہ	حرام ہیں یا تا بجز اس کے کہ وہ میتہ (غیر مذبوح) ہو یا بہتا
رجس او فسقاً اھل لغیر اللہ بہ	ہوا خون یا خنزیر کا گوشت یا کوئی ایسا جانور ہو جس کو
(جزو ۸ ع ۵۔ انعام)	خدا کی نافرمانی کر کے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

(۴) اسی طرح شادی شُدہ زانی مرد و عورت کو آپ نے رجم (سنگسار) فرمانے کا حکم دیا حالانکہ قرآن میں اس سزا کا مطلق ذکر نہیں۔

(۵) اسی طرح آپ نے پھوپی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا حالانکہ قرآن حکیم میں صرف دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت کا ذکر ہے۔ یہ "مشتے از گلزارے" کے طور پر چند احکام ہم نے ذکر کئے ہیں ورنہ بیشتر احکام شرعیہ کا ماخذ "سنت" ہے۔

نکتہ (۴) کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ کو ماخذ احکام شرعیہ قرار دینے کی ایک حکمت یہ بھی ہے — جیسا کہ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں — کہ اللہ تعالیٰ کا "کلام" اس کے لامحدود علم اور لامتناہی قدرت تدبیر و تصرف پر مبنی ہونے کی وجہ سے غایت درجہ بلیغ، جامع، محیط، زمان و مکان کی قیود اور احوال و ظروف کی حد بندیوں سے آزاد اور ہمہ گیر ہے اس لئے وہ معانی، مصادیق اور وجوہ متکثرہ کا حامل ہے اس کا لازمی نتیجہ ایجاز و اجمال اور ابہام ہے اس لئے کہ وضاحت و تفصیل کے بعد معانی و مصادیق زمانی و مکانی حدود کے اندر محدود اور احوال و ظروف کی قیود سے مقید ہو جاتے ہیں۔ اور وسعتِ معانی، جامعیت مصادیق اور احاطۂ وجوہ کا امکان باقی نہیں رہتا اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کے کلام کے حق میں نقص و عیب کے مرادف ہے۔

اس کے برعکس رسول اللہ کا کلام ظاہر ہے کہ ایک بشر کا کلام ہے جو ظروف و احوال کی قیود اور زمان و مکان کی حدود سے آزاد نہیں ہو سکتا اس میں نہ وہ وسعت و جامعیت ہو سکتی ہے نہ وہ احاطہ و استقصاء اس کا لازمی نتیجہ وضاحت و تفصیل ہے خاص کر جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اور آپ کا فرض منصبی ہی اُمت کو احکام الٰہیہ کی تعلیم و تفہیم اور ما نزل الیھم کی تبیین و تشریح ہے اسی تعلیم و تبلیغ کی ضرورت سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات میں، مختلف حالات میں، مختلف اغراض شرعیہ کے تحت مختلف لوگوں کے سامنے ایک ہی مسئلہ اور حکم شرعی کو بیان فرمائیں گے تو لازمی طور پر آپ کے الفاظ و تعبیرات اور احوال و ظروف کی رعائتیں

متنوع اور مختلف ہوں گی یہ اختلافِ الفاظ و تعبیرات اور اختلافِ احوال و ظروف ہی درحقیقت اُمت کے لئے مختلف اور متنوع احکام و فروقِ شرعیہ (شرعی فرق) اور وجوہ فقہیہ (فقہی صورتوں) کا ماخذ و منبع (سرچشمہ) ہیں اور یہی تکمیلِ وجوہِ احکام شرعیہ کی تشکیل و تکمیل کا ذریعہ، اور پھر یہی حکمت ہے کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ کو مصدرِ تشریع اور رسول اللہ کو شارع (صاحب شریعت) اور اُن کے ہر قول و فعل کو حجت شرعیہ قرار دینے کی اس حقیقت کو آپ ذیل کی ایک مثال سے سمجھئے۔

نماز میں "قرأت" قرآن سے متعلق قرآن کریم میں صرف دو آیتیں وارد ہیں۔

(۱) فاقرأوا ما تیسر من القرآن (جو قرآن میں سے میسر ہو پڑھ لیا کرو)

(۲) واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو)

اگرچہ احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت کی بنا پر ہر دو آیات کا اولین مصداق "نماز میں قرأت قرآن" ہے تاہم ان آیات کا حکم، نماز اور خارج نماز دونوں کے لئے عام ہے چنانچہ نماز کے علاوہ بھی قرأت قرآن سے متعلق ہر دو حکم معمول بہ ہیں کہ جتنا آسانی سے میسر ہو روزانہ قرآن پڑھا کرو اور جب کوئی شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو تو اس کو خاموش رہ کر سننا چاہیئے۔ یہ متعین کرنا فقہا کا کام ہے کہ ہر دو حکم خارجِ صلوٰۃ میں وجوب کے لئے ہیں یا ندب (استحباب) کے لئے نیز یہ حکم دائمی ہیں یا عمر بھر ایک مرتبہ ان پر عمل کر لینا کافی ہے ـــ بہر حال ہر دو حکم خارج نماز بھی معمول بہ ہیں نماز کے ساتھ مخصوص نہیں۔

نماز میں قرأت قرآن سے متعلق ہر دو حکم، ظاہر ہے کہ ان میں دوسرا مقتدی سے متعلق ہے اور پہلا منفرد اور امام سے۔ یہ تو قرآن کا بیان ہوا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی آیت کریمہ کے تحت نماز میں قرأت قرآن کی مقدار اور سورتوں کے تعین و عدم تعین سے متعلق مذکورہ ذیل مختلف احادیث مروی ہیں:

(۱) لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب (اخرجہ البخاری عن عبادۃ)

(۲) لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب فصاعدا (اخرجہ مسلم وابوداؤد عن عبادۃ بن الصامت)

(۳) اُمرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر (اخرجہ ابوداؤد وغیرہ عن ابی سعید الخدری)

(۴) امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان انادی انہ لا صلوٰۃ الا بقرأۃ فاتحۃ الکتاب فما زاد (اخرجہ ابوداؤد وغیرہ عن ابی ھریرۃ)

(۵) من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فھی خداج (اخرجہ ابوداؤد ومسلم عن ابی ھریرۃ وعائشۃ)

(۶) ثم اقرأ ما تیسر معک من القرآن (اخرجہ ابوداؤد ومسلم عن ابی ھریرۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا قولی روایات سے معلوم ہوا کہ:

(۱) سورۃ فاتحہ ہر نماز و ہر رکعت میں پڑھنا ضروری ہے

(۲) علاوہ سورہ فاتحہ کے باقی سورتوں میں سے کسی سورت کا تعین تو نہیں مگر کسی نہ کسی سورت یا بقدر سورت آیات کا ملانا بھی ضروری ہے یہ تو نماز میں قرأت قرآن کی کامل تر صورت ہے اور یہی فاقرؤا ما تیسر من القرآن کا مطلوب مصداق ہے۔

(۳) اگر فاتحہ نہیں پڑھی اور اس کے علاوہ کوئی بھی ایک یا چند سورتیں پڑھ لیں یا صرف سورۂ فاتحہ پڑھی اور اس کے علاوہ کچھ نہیں پڑھا تو نماز ناقص ہے — اگر بھول کر ایسا کیا ہے تو سجدہ سہو واجب ہے اگر قصداً کیا ہے اور وقت باقی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اگر اعادہ نہ کیا یا وقت نہیں تھا تو فرض نماز تو ادا ہو جائے گی مگر نماز کو ناقص ادا کرنے کا گناہ ضرور ہوگا یعنی ترک سورۃ کا مواخذہ تو نہ ہوگا اس لئے کہ قرآن کی نص کے مطابق ما تیسر من القرآن پر عمل ہو گیا مگر بنص حدیث نماز کو ناقص ادا کیا ہے اس کا مواخذہ ضرور ہوگا یہ سب فقہی تخریجات ہیں جن کا ماخذ قرآن و حدیث کی نصوص ہیں۔

(۴) اگر پوری سورہ فاتحہ [illegible] (جو اس پڑھا نہ ہو) پڑھنے پر قدرت نہیں تو جو بھی پڑھ لے گا نماز ادا ہو جائے گی اس لئے کہ وہی ما تیسر من القرآن کا مصداق ہے۔

(۵) اگر قدرت کے باوجود قرآن کریم بالکل نہیں پڑھا تو نماز باطل ہوگی۔ اس لئے کہ قرأت قرآن بنص قرآن نماز کا ایک رکن ہے قدرت کے باوجود وہ ادا نہیں ہوا۔

دوسری آیت کریمہ کی تفسیر و تبیین کے ذیل میں مذکورہ ذیل احادیث وارد ہیں۔

(۱) واذا قرأ فانصتوا (اخرجہ مسلم عن ابی موسی الاشعریؓ وابوداؤد والنسائی

(٢) فانتهى الناس عن القراءة خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما جهر فيه (اخرجه الترمذی والنسائی ومالک)

(٣) من ادرک رکعة من الصلوٰة فقد ادرک الصلوٰة رواه مالک فی موطاه

(٤) من کان له امام فقراءة الامام له قراءة (اخرجه محمد فی موطاه من حدیث جابر والطحاوی فی شرح معانی الآثار مرفوعا عن جابر)

١۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی کا فریضہ خود قرأت کرنے کے بجائے امام کی قرأت کو کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا ہے۔ خصوصاً جہری نمازوں میں۔

٢۔ اگر سِری نمازوں میں مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو چنداں مضائقہ نہیں اگرچہ امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے۔ غور فرمایئے کہ مذکورہ بالا تمام احکام شرعیہ کا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مختلف اور متنوع احادیث قولیہ ہیں اسی طرح نماز میں قرآن سراً پڑھنا یا جہراً پڑھنا، نیز قرأت قرآن کے اعتبار سے صلوٰۃ سِریہ اور جہریہ میں فرق اور اس کے علاوہ قرأت قرآن سے متعلق تفصیلی احکام کا ماخذ بھی اسی طرح کی دیگر احادیث قولیہ وفعلیہ ہیں جو مختلف اوقات وحالات میں وارد ہوئی ہیں۔

ان احادیث کے بغیر محض قرآن حکیم کی دو آیتوں سے ان تمام احکام کی تشریع ممکن نہیں۔

یہ صرف نماز کے محض ایک رکن سے متعلق احکام شرعیہ کا حال ہے اسی پر آپ قیاس کیجئے جملہ عبادات، معاملات، حدود وقصاص، دیات وجنایات وغیرہ ابواب سے متعلق احکام شرعیہ کو اور اس کے بعد یقین کیجئے کہ مذکورہ عنوان آیت کریمہ میں جس شریعت کو آپ کے لئے تجویز کرنے کی خبر اور اور اس کے اتباع کرنے کا آپ کو اور امت کو حکم دیا گیا ہے اس کی تشکیل اور دین کی تکمیل سُنّت اور حدیث کے بغیر ممکن نہیں اسی لئے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی سُنّت اور حدیث کا اتنا وافر ذخیرہ موجود ومحفوظ ہوچکا تھا کہ شریعت کے تمام احکام کی تشکیل اور دین کے ابواب کی تکمیل کے لئے کافی ووافی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی فقہ اسلامی کی تشکیل ہوسکی تھی بالفاظ دیگر ارتقاء فقہ اسلامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ تشریعی زندگی میں ہی پایہ تکمیل اور منتہائے عروج کو پہونچ چکا تھا حتیٰ کہ آنے والے زمانوں میں پیش آنے والے غیر منصوص مسائل اور حوادث ونوازل کے احکامات کے استنباط واستخراج کے لئے

یہی خود شارع (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے قیاس واجتہاد کے اصول تک متعین فرما دیئے تھے اس کے بعد ہی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آخری نازل شدہ آیت میں — جو رسول کے تشریع احکام سے فارغ ہونے کے بعد وفات سے صرف اسی دن پہلے نازل ہوئی ہے — دین اسلام کی تکمیل اور پسندیدگی کا ذیل کے الفاظ میں اعلان فرمایا ہے

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ (المائدہ ۳)

اس لئے کتاب وسنت سے ناواقف ہیں وہ لوگ جو مفروضہ "تاریخ ارتقاء فقہ اسلامی" کے راگ الاپتے ہیں اور دوسری تیسری صدی کو "فقہ اسلامی کے ارتقا کا عہد" اور "تشکیلی دور" قرار دیتے ہیں۔ کیا کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے بڑھ کر فقہ اسلامی کے ارتقاء اور تشکیل اسلام کا کوئی اور دور تسلیم کرسکتا ہے؟ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ فقہ اسلامی کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے اور اسلام کی تشکیل کرنے والے بقول منکرین حدیث دوسری اور تیسری صدی کے وہ مزعومہ و مفروضہ دشمنانِ حدیث ہوئے جنھوں نے اپنی آراء فقہیہ اور نظریات کلامیہ پر اسلام کا ٹھپہ لگانے کے لئے فقہی اور کلامی حدیثیں گھڑ گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلائیں نہ کہ خدا اور اس کا وہ معصوم[۱]

---

[۱] دراصل منکر حدیث وسنت ہیں وہ ملحد جو فقہی اور کلامی احادیث کو "زمانہ مابعد" اور "دور ارتقاء فقہ اسلامی" یا "اسلام کے تشکیلی دور" کی پیداوار کہتے ہیں۔ درحقیقت تمام ذخیرۂ احادیث کو موضوع اور جعلی قرار دینے کے لئے ہی تو "ارتقاء فقہ اسلامی" اور "اسلام کی تشکیلی دور" کا افسانہ گھڑا گیا ہے کہ اس کے بغیر تمام احادیث کو موضوع اور جعلی کہنے کی ان لوگوں میں جرأت نہیں ہے یا یہ کہنے کو مسلمانوں میں رد کرا اور مسلمان کہلا کر امت مسلمہ کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہم ان اور صریح لفظوں میں تمام احادیث گھڑی ہوئی اور جعلی نہیں کہتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد یا قرن اول کو "اسلام کا عہد طفولیت" اور "ناپختگی کا دور کہنے" والے درحقیقت حدیث کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی حسب ذیل آیات کے بھی منکر ہیں۔

(۱) الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

(۲) ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون

اس لئے کہ اگر اسلام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں کمال نضج "نا پختگی" کو نہیں پہونچا تھا اور عہد طفولیت میں ہی تھا تو اللہ تعالیٰ کا اس "ناپختہ" اور "نامکمل" دین کی تکمیل وتتمیم اور پسندیدگی کا اعلان کذب ہے العیاذ باللہ۔ اسی طرح اگر اسلام کی تشکیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہیں ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس "غیر متشکل" اور "نامکمل شریعت" کے اتباع کا حکم اپنے نبی اور اس کی امت کو کیسے دیا نعوذ باللہ من زلّات الھویٰ وضلالات النفس

درحقیقت یہ لوگ "فقہ اسلامی" کی حقیقت وماہیت اور "فقہاء اسلام" کے دینی کارناموں سے بھی ناآشنا ہیں ائمہ مجتہدین اور فقہاء اسلام نے جو دینی کام انجام دیئے وہ حسب ذیل ہیں (باقی صفحہ ۲۰۲ پر)

نبی جس کو ایک مستقل شریعت دینے کی خبر اور اس کی پیروی کا حکم آیت مذکورۃ الصدر میں دیا گیا ہے اور جس کی بعثت کا مقصد ہی تعلیم و تبلیغ دین تھا العیاذ باللہ جس کا یہ عقیدہ ہو وہ قطعاً کافر ہے۔ اور اسلام سے خارج۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷ سے آگے) (۱) کتاب و سنت میں منصوص احکام شرعیہ کی نوعیت کتاب و سنت کی روشنی میں متعین کرنا کہ کونسا حکم شرط ہے اور کونسا رکن اور کونسا حکم فرض ہے اور کونسا واجب یا سنت یا مستحب یا مباح ہے اور کونسا حرام ہے اور کونسا مکروہ تحریمی یا تنزیہی یا غیر اولیٰ ہے اسی طرح کسی امر "مامور بہ" کے ترک اور کسی امر "منہی عنہ" کے ارتکاب کا دنیوی اور اخروی حکم کیا ہے۔

(۲) نصوص کتاب و سنت سے جو مسائل و احکام مستنبط ہو سکتے ہیں (نکل سکتے ہیں) ان کی نشاندہی اور ابواب فقہیہ پر تدوین کرنا۔

(۳) جو احکام کتاب و سنت میں بالکل منصوص نہیں ان میں شریعت کے مقرر کردہ اصول اور طریق کار کے تحت غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرنا اور ان کے احکام متعین کرنا۔

(۴) حوادث و نوازل کے احکام یعنی جو جزئیات و واقعات مابعد میں پیش آئیں ان پر کلیات و اصول شرعیہ کو حسب ہدایت شارع علیہ السلام منطبق کر کے جدید واقعات و جزئیات کے احکام بیان کرنا۔

ظاہر ہے کہ نہ اس کام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ضرورت تھی ـــ اس لئے کہ وحی کے نزول کا سلسلہ جاری تھا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود تھے ـــ اور نہ ہی اس کام کا تشکیل اور ارتقاء فقہ اسلامی سے کوئی تعلق۔ یہ تو نہ ناگزیر نتائج ہیں جو ایک شریعت مستقلہ اور دین کامل پر عمل کرتے وقت سامنے آتے ہیں چنانچہ اس کام کو سب سے پہلے فقہاء صحابہ و تابعین نے اپنے اپنے عہد میں انجام دیا اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین نے۔ چونکہ دوسری اور تیسری صدی میں مختلف اور متنوع گمراہ فرقے اور ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیاں منتہائے عروج پر پہونچ رہی تھیں اس نے علمائے اسلام نے امت کو گمراہی سے اور دین کو ملحدوں اور زندیقوں کی تاویلوں اور تحریفوں اور کذب و افتراء سے بچانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق۔

يحمل هذا العلم من كل خلف
عدوله ينفون عنه تحريف الغالين
وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين

تقسیم کار کے اصول پر اپنے اپنے ذوق اور فطری صلاحیت کی مناسبت سے دین کے مختلف شعبے اپنے لئے انتخاب کر لئے اور اپنی زندگیاں ان میں صرف کر دیں کسی نے "تدوین احکام شرعیہ" کو اپنا مقصد زندگی بنایا۔ کسی نے "عقائد اسلامیہ" کو اور کسی نے جمع و تدوین حدیث کو۔ اسی بناء پر علماء اسلام فقہاء، متکلمین اور محدثین کے گروہوں میں بٹ گئے اور علیحدہ علیحدہ علوم دینیہ شکل ہو کر سامنے آ گئے۔

ان نادانوں کے نزدیک چونکہ کسی علم و فن کی تشکیل اور مستقل تصانیف وجود میں آئے بغیر ہوتی ہی نہیں اس لئے انہوں نے اسی دوسری تیسری صدی کو اسلام کی تشکیل جدید اور فقہ اسلامی کے دور ارتقاء اور احادیث کی پیداوار کا زمانہ قرار دے دیا اور انہی زمانوں کے لوگوں کے سر اسلام کی تشکیل اور ارتقاء فقہ اسلامی کا سہرا باندھا اور العیاذ باللہ نبی مبعوث و معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تشریع احکام الٰہیہ اور تکمیل و تبلیغ دین کے پیغمبرانہ منصب کی ادائیگی سے یکسر قاصر و معذور بلکہ معزول قرار دے دیا (باقی ص ۱۶۹ پر)

نکتہ (۵) کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصدر تشریع اور احکام شرعیہ کا ماخذ قرار دینے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم کی ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ قطعی الثبوت ہے اس کے کلام الٰہی ہونے میں ادنیٰ شک و شبہ کا بھی امکان نہیں قرآن حکیم بطور تحدّی (چیلنج) اعلان کرتا ہے

قل ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورة من مثله (البقرہ ع ۳)	(اے نبی، کہہ دو:) اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے ذرا سا بھی شک و شبہ ہو تو تم اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ

ہاں معنی و مفہوم اور مصداق و مراد کے اعتبار سے بے شک دو قسم کی آیات ہیں (۱) اکثر و بیشتر آیات "محکم" ہیں (۲) اور کچھ آیات "متشابہ" ہیں۔ بنص قرآن حکیم "متشابہ" آیات کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اُمت صرف ان کے "من عند اللہ" ہونے پر ایمان لانے کی مامور و مکلف ہے اور بس، ارشاد ہے:

هو الذی انزل علیك الکتاب منه آیات محکمات هن ام الکتاب واُخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب (آل عمران ع ۱)	اللہ ہی نے (اے نبی) تجھ پر کتاب نازل کی جس کی کچھ آیات محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں، اور کچھ آیات متشابہ ہیں جن لوگوں کے دلوں میں کجی (اور عناد) ہے وہ تو کتاب کی متشابہ آیات کے ہی پیچھے پڑتے ہیں (مسلمانوں میں) فتنہ انگیزی کی غرض سے اور ان کی مراد متعین کرنے کی خواہش سے حالانکہ ان کی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور پختہ علم (اور ایمان) والے مسلمان کہدیتے ہیں: ہم تو اس کتاب پر ایمان لے آئے (محکم اور متشابہ) سب ہمارے رب کی جانب سے ہے (اسی پر ہمارا ایمان ہے) اور نصیحت تو صرف خرد مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۴ سے آگے) کہ "قیاس کہتا ہے کہ آنحضرت جو نہ تو وقت وفات تک اہل مکہ اور عرب کی اخلاقی اصلاحات کی شدید جد و جہد میں مصروف اسلامی قوتوں کا یا امت کی تنظیم میں مشغول رہے ان کو اتنا وقت ہی کہاں مل سکتا تھا کہ وہ زندگی کے جزئیات کے لئے قوانین مرتب کرتے ملاحظہ ہو مقالہ تصورات ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ جولائی ۱۹۶۳ء ص ۱۲، ۱۳، ۱۸۔

باقی محکم آیات جو "امہات کتاب" (اصول شرائع و احکام الٰہیہ) ہیں اُن پر ایمان لانا بھی فرض ہے اور عمل کرنا بھی فرض ہے اور منکر کافر اور اسلام سے خارج ہے ارشاد ہوتا ہے۔

فانھم لا یکذبونک ولکن الظالمین بآیات اللہ یجحدون (انعام ع ۴) | پس بیشک (اے نبی) وہ تجھے جھوٹا نہیں کہتے بلکہ وہ ظالم تو اللہ کی آیات کا (از روئے عناد) انکار کرتے ہیں۔

"محکم" آیات میں سے جن آیات کے معانی واضح اور مصادیق متعین ہیں یعنے "نصوص صریحہ" وہ سب یقینی اور قطعی ہیں ــــ علماء اصول کی اصطلاح میں ان آیات کو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ (وہ آیات جن کا ثبوت بھی یقینی اور معنی و مراد بھی یقینی ہیں) کہا جاتا ہے ــــ ان آیات پر بغیر کسی اختلاف و تاویل کے ایمان لانا بھی فرض ہے اور عمل کرنا بھی فرض ہے اور منکر کافر اور عمل نہ کرنے والا فاسق (عاصی و نافرمان) ہے بدوں توبہ اگر مر جائے تو مستحق عذاب ہے۔

اس کے مقابلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر و بیشتر حدیثیں ــــ متواتر و مشہور احادیث (جن کی مقدار بہت تھوڑی ہے)، کے علاوہ باقی تمام احادیث ــــ اخبار آحاد ہیں اور "خبر واحد" اگر معنی کے اعتبار سے "قطعی" بھی ہو تو ثبوت کے اعتبار سے بہر حال "ظنی" ہوتی ہے صاف اور سادہ الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ان "اخبار آحاد" میں سے ہر حدیث اس طرح قطعی اور یقینی نہیں جیسے قرآن کی آیات بلکہ "سند" اور راویوں کی "عدالت" اور "حفظ و اتقان" کو دیکھتے ہوئے ظن غالب یہ ہے کہ وہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل ہیں مگر یقینی طور پر قرآن کی آیت کی طرح ان کو قطعی نہیں کہا جا سکتا۔

اس کو دوسرے پہلو سے یوں سمجھئے کہ قرآن کی آیات اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں اور خبر واحد بہر حال رسول اللہ کا قول یا فعل ہے ان دونوں میں فرق کرنا عقلاً و شرعاً ہر اعتبار سے ضروری و لابدی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نیک نیتی سے کسی "خاص حدیث" کو اس بنا پر نہ مانے کہ وہ ظنی ہے اس میں راوی سے غلطی یا خطا کا امکان ہے تو وہ کافر اور اسلام سے خارج نہیں ہوتا بالفاظ دیگر اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ اس طرح کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کو صحیح مانتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور اس کا مخالف دوسری حدیث کو صحیح نہیں مانتا اور اُس پر عمل بھی نہیں کرتا یہ بھی

حدیث کو ماننے والا مومن و مسلمان اور ناجی ہے دوسرا شخص اس کے برعکس نیک نیتی سے دوسری حدیث کو صحیح مانتا اور اس پر عمل کرتا ہے [illegible] نہیں مانتا اور اس پر عمل بھی نہیں کرتا یہ بھی حدیث کو ماننے والا مومن و مسلمان اور ناجی ہے نہ پہلا شخص نافرمان و گنہگار ہے نہ دوسرا۔ پہلا شخص بھی حدیث پر عمل کر رہا ہے اور دوسرا بھی۔ نصوص قرآن اور نصوص حدیث میں یہ فرق قطعاً معقول و مسلم ہے۔

اس تحقیق کے بعد [illegible] سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے احکام شرعیہ کا ماخذ قرآن کریم کے بعد "حدیث" کو قرار دے کر احکام شرعیہ میں "نیک نیتی پر مبنی اختلاف" کی گنجائش پیدا کر دی ہے یہ اختلاف اُمت کے لئے بے انتہا آسانی اور سہولت کا موجب ہو گیا کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ احکام کی مختلف صورتوں میں سے جس صورت پر بھی کوئی شخص عمل کرے گا حق عبودیت پروردگار ادا ہو جائے گا اور وہ شخص مطیع و فرمانبردار کہلائے گا اور قیامت کے دن مواخذہ سے بچ جائے گا یہی ہے وہ اختلاف ہے جس کو [illegible] "رحمت" صلی اللہ علیہ وسلم نے "رحمت" قرار دیا ہے فرمایا ہے:

اختلاف امتی رحمة — میری اُمت کا اختلاف ایک رحمت ہے۔

یہ بحث ابھی تک خالص نظری ہے ہم ایک مذکورہ سابقہ مثال قارئین کو یاد دلا کر اس "رحمت الٰہی" کو عملی طور پر سمجھانا چاہتے ہیں اور وہ ہے مسئلہ قرأتِ قرآن فی الصلوٰۃ (نماز میں قرأت قرآن) مذکورہ سابق احادیث کے پیش نظر جو حضرات ائمہ حدیث صحیحین کی لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کی بنا پر سورۂ فاتحہ کو "فرض" اور باقی قرأت کو "مسنون" کہتے ہیں وہ بھی اپنی جگہ حق پر ہیں اور اپنے نقطۂ نظر سے صحیح کہتے ہیں اور جو ائمہ حدیث صحیح مسلم کی لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب فصاعدًا اور اس کے ہم معنی احادیثِ سنن کے پیش نظر سورہ فاتحہ اور ما زاد (یعنی الفاتحۃ (فاتحہ پر زاید سورت یا آیات) دونوں کو "واجب" اور مطلق قرأت قرآن کو بلا تعیین "فرض" قرار دیتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں اور اپنے نقطۂ نظر سے صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح جو حضرات محدثین فاتحہ کے پیش نظر امام و مقتدی دونوں کے لئے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری قرار دیتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں [illegible] سنت [illegible] جو حضرات [illegible] اذا قرأ فانصتوا اور حدیث [illegible] امام [illegible] الا مام له قراءة کی بنا پر مقتدی کو حدیث سورۂ فاتحہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور قرأت کے بجائے اس کا [illegible] استماع و انصات

(سننا اور خاموش رہنا) قرار دیتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں اور صحیح کہتے ہیں اور کرتے ہیں۔ اسی طرح جو حضرات حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بناء پر رکوع میں جاتے اور اٹھتے "رفع یدین" کرتے ہیں وہ بھی سنت کے مطابق کرتے ہیں اور جو حضرات حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بناء پر "رفع یدین" نہیں کرتے وہ بھی ٹھیک اور سنت کے مطابق کرتے ہیں اسی پر تمام تر ائمہ مجتہدین کے تمام اختلافی مسائل کو قیاس فرمائیے بہرحال کتاب کے ساتھ سنت (حدیث) کو بھی ماخذ احکام شرعیہ قرار دینے کی وجہ سے ادلہ احکام شرع دو قسم کے ہو گئے ایک "دلائل قطعیہ" دوسرے "دلائل ظنیہ" اور دلائل ظنیہ میں اختلاف کی یعنی ایک دلیل ظنی (خبر واحد) کو چھوڑ کر دوسری کو اختیار کرنے کی گنجائش پیدا ہو گئی یہ توسع عملی حیثیت سے امت کے لئے غایت درجہ سہولت و آسانی کا موجب بن گیا۔ اس دین اسلام کے متعلق قرآن عظیم کا اعلان بھی یہی ہے کہ اس دین میں ذرا تنگی نہیں ہے لیس فی الدین من حرج اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی بھی یہی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

جئتکم بالحنیفیۃ السمحۃ البیضاء لیلھا کنھارھا — میں ایسی آسان اور روشن شریعت مستقیم لایا ہوں کہ اس کی رات بھی دن کی طرح (روشن) ہے۔

اسی حقیقت کی بنا پر امام مالکؒ کا وہ جواب مبنی ہے جو انھوں نے عباسی خلیفہ کو دیا تھا جب کہ اس نے یہ خواہش کی تھی کہ "میں چاہتا ہوں کہ آپ کی کتاب موطا کو تمام ممالک اسلامیہ میں سرکاری طور پر معمول بہ قرار دیدوں کہ تمام ممالک اسلامیہ کے فقہاء و مفتیین و قضاۃ اسی کے مطابق احکام جاری کریں اور فتوے دیں" تو امام مالکؒ نے فرمایا "ایسا نہ کرو اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے ہیں اور اُن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ کی مختلف حدیثیں ان ملکوں میں پہونچ چکی ہیں اور وہاں کے قضاۃ و مفتیین ان پر عمل پیرا ہو چکے ہیں، فقہاء ان سے احکام شرعیہ استنباط کر رہے ہیں ایسی صورت میں تمام ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کو کسی ایک نہج (فقہی مسلک) پر عمل کرنے پر مجبور کرنا تنگی اور حرج کا موجب ہوگا" چنانچہ عباسی خلیفہ نے اس ارادے کو ترک کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ کتاب کے ساتھ سنت (حدیث) کا ماخذ احکام شرعیہ ہونا امت کے لئے گوناگوں رحمت کا باعث ہے واللہ اعلم

اطاعتِ رسول

آیت نمبر (۷) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذالک خیر واحسن تاویلا۔

قرآن حکیم کی نصوص — صریح آیات — کی رُو سے قرآن کے ماننے والوں کے لئے "مرجع طاعت" یعنے مُطاع اصلی دو ہیں ایک اللہ تعالیٰ شانہٗ دوسرے صاحب وحی والہام نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و	اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو
اطیعوا الرسول واولی الامر منکم	اس کے رسول کی اور اپنے ارباب اقتدار کی، پس اگر
فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ	کسی چیز میں تمہارا آپس میں تنازع ہو جائے تو اللہ اور
والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم	رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور یوم آخر پر
الاخر ذالک خیر واحسن تاویلا (النساء)	ایمان رکھتے ہو۔ یہی بہتر ہے اور یہی انجام جمع ہے

اس آیت کریمہ میں اطیعوا اللہ والرسول نہیں فرمایا بلکہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فرمایا اور اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کو مستقل طور پر اور الگ بیان فرمایا بالفاظ دیگر "رسول" کو مستقل طور پر مطاع قرار دیا ہے اس کی دو وجہ ہیں

اول یہ کہ ہر دو اطاعتوں کی نوعیت مختلف ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی حقیقت احکام الٰہیہ کی تصدیق و تعمیل اور امتثال امر الٰہی ہے اور رسول کی اطاعت کی حقیقت نہ صرف احکام نبویہ کی تعمیل ہے بلکہ افعال و اعمال اور اخلاق و شمائل نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علماً، عملاً اور اعتقاداً مکمل اتباع اور اپنی ہستی اور زندگی کو بقدر طاقت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے سانچے میں ڈھال لینا اطاعت رسول ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ	بے شک رسول کی ہستی تمہارے لئے ایک حسین نمونہ ہے

اسی کا نام "اتباع سنت" ہے اور یہی محبت و رضاء الٰہی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے چنانچہ

اللہ جل شانہٗ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے اعلان کراتے ہیں۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم (آل عمران ع ۴)

(اے نبی تم) کہدو: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو (اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا) اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

دوم یہ کہ مصادر تشریع یعنے قوانین واحکام شریعت کے ماخذ جو منزل من اللہ ہیں دو ہیں ایک کتاب اور دوسرے سنت چنانچہ ارشاد ہے :۔

وانزل الیک الکتاب والحکمۃ۔ (النساء ع ۱۰)

اور اللہ نے کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) تم پر نازل فرمائی۔

اسی لئے شریعت اسلامیہ کے تمام احکام وقوانین باتفاق اُمت کتاب وسنت ہی سے ماخوذ و مستنبط ہیں لہذا اگر کسی امر غیر منصوص کے حکم کے استنباط واستخراج میں اُمت اور وُلاۃ امور (ذی علم ارباب اقتدار) میں اختلاف ونزاع پیدا ہوجائے تو اس امر متنازع فیہ کا فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے کیا جائے گا صرف کتاب اللہ سے نہیں اس لئے کہ اصل مرجع طاعت اُمت کے لئے بھی اور اہل علم وُلاۃ امور کے لئے بھی وُہ ہیں اللہ اور رسول اور جس طرح "رد الی اللہ" کے معنی ہیں "رجوع الی کتاب اللہ" اسی طرح "رد الی الرسول" کے معنی ہیں "رجوع الی سنت رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) چنانچہ درج ذیل آیت کریمہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے اعلان کراتے ہیں۔

قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین (آل عمران ع ۴)

(اے نبی) کہدو: اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پس اگر تم (اس سے) منہ موڑو گے تو (یاد رکھو) اللہ منکروں کو دوست نہیں رکھتا

اس آیت کریمہ سے قطعی طور پر معلوم ہوگیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انکار یا اس سے انحراف موجب کفر ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا انکار یا اس سے انحراف موجب کفر ہے اسی طرح سورہ محمد میں خود مومنین کو خطاب فرما کر ارشاد ہے :

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔ (محمد ع ۴)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

اس آیت کریمہ سے بھی صریح طور پر معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ شانہٗ کی اطاعت سے انکار و انحراف کفر و ارتداد کا موجب ہے اسی طرح اطاعت رسول سے انکار و انحراف بھی کفر و ارتداد کا موجب ہے۔

اسی لئے رسول کی اطاعت سے انحراف اور نافرمانی کرنے والے قیامت کے دن اس ترکِ اطاعتِ رسول پر انتہائی یاس و حرمان کے عالم میں پشت کف دست کلتے ہوں گے، اور کہیں گے۔

ویوم یعض الظالم علیٰ یدیہ یقول یالیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا (الفرقان)	جس دن ظلم کرنے والا اپنے ہاتھ کاٹتا اور کہتا ہوگا کہ کاشکہ میں رسول کے ساتھ (اللہ کا) راستہ اختیار کر لیتا۔

صرف اس لئے کہ رسول کی اطاعت سے انحراف درحقیقت اللہ کی اطاعت سے انحراف ہے اس لئے کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے چنانچہ ارشاد ہے:

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

اور یہ اس لئے کہ:

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (النساء ع ۸)	ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے خدا کے حکم سے

اسی لئے رسول کی اطاعت و اتباع پر اللہ کی محبت، خوشنودی اور مغفرت ذنوب موقوف و منحصر ہے بہرحال ان نصوص قطعیہ سے ثابت ہوا کہ رسول کی اطاعت پر نجات کا مدار و انحصار ہے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح اللہ کی اطاعت اور رسائی الی اللہ کے لئے کتاب اللہ کا وجود ضروری ہے اسی طرح رسول کی اطاعت اور رسائی الی الرسول کے لئے سُنّتِ رسول کا وجود ضروری ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات سے چند ماہ پہلے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا:-

کیف تقضی اذا عرض لک قضاءٌ	"جب کوئی مسئلہ تمہارے سامنے آئے گا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ کہا: میں خدا کی کتاب سے فیصلہ کرونگا
قال: اقضی بکتاب اللہ قال: فان لم یکن فی کتاب اللہ؟ قال: فبسنة	(آپ نے) فرمایا: "اگر کتاب اللہ میں نہ ہوا؟ (معاذ نے) کہا: تو سنت رسول اللہ سے (فیصلہ کروں گا) (آپ نے)
رسول اللہ قال: فان لم یکن فی	

سنة رسول الله، قال: اجتهد برأئی ولا آلو، فضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم علی صدره وقال: الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسول الله (رواه ابو داؤد والترمذی والدارمی وابن سعد فی الطبقات وابن عبد البر والبیهقی فی المدخل واحمد فی مسنده)	فرمایا: اگر سنت رسول اللہ میں نہ پا؟ معاذ نے کہا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور مطلق کوتاہی نہ کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تحسین معاذ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: شکر ہے اس خدا کا جس نے اپنے رسول کے فرستادہ (حاکم) کو اس امر کی توفیق عطا فرمائی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے۔ (ابو داؤد، ترمذی اور دارمی نے اور ابن سعد نے طبقات میں اور ابن عبد البر نے اور بیہقی نے مدخل میں اور احمد نے مسند میں روایت کیا)

اس حدیث نے مذکورۂ عنوان آیت کریمہ کی وضاحت کردی کہ رد الی الرسول کے معنی رجوع الی سنت رسول اللہ ہیں، نیز یہ کہ جس طرح کتاب مدون و مرتب شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی موجود و محفوظ اور ماخذ احکام شرعیہ تھی اسی طرح سنت رسول بھی آپکی زندگی میں ہی موجود محفوظ اور ماخذ احکام شرعیہ تھی نیز احکام شرعیہ کے یہ ہر دو ماخذ حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی غیر منصوص اُمور کے لئے مرجع اجتہاد و استنباط ہیں اور مجتہد کے لئے وسیلۂ قیاس و رائے ہے کہ وہ غیر منصوص امور کو منصوص پر قیاس کر کے احکام شرعیہ بیان کرے ـــ یہی معنی رد الی کتاب اللہ اور رد الی سنة رسول اللہ کے ہیں۔ اسی لئے علماء اصول مذکورہ بالا آیت کریمہ اور حدیث معاذ کو قیاس کی حجیت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے۔ خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) اپنی کتاب کفایہ صفحہ ۴۸ پر روایت کرتے ہیں:۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مهما اوتیتم	حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کتاب اللہ کا کوئی حکم

من کتاب اللہ فالعمل بہ لا عذر لاحد کم فی ترکہ، فان لم یکن فی کتاب اللہ فسنۃ منی ماضیۃ فان لم یکن سنۃ ماضیۃ فما قال اصحابی ان اصحابی بمنزلۃ النجوم فی السماء فایما اخذ تم بہ اھتدیتم واختلاف اصحابی لکم رحمۃ

تمہارے سامنے لایا جائے (تمہیں) اس پر عمل کرنا ہے، اس کو ترک کرنے میں تم میں سے کسی شخص کا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو میری طرف سے نافذ شدہ کوئی سنت (ہوگی اس پر عمل کرنا) اگر کوئی نافذ شدہ سنت بھی نہ ہو تو جو میرے صحابیوں نے کہا ہو (اس پر عمل کرنا) بیشک میرے صحابی آسمان میں ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کا قول بھی تم اختیار کر لوگے ہدایت پاؤگے (یاد رکھو) میرے صحابیوں کا اختلاف تمہارے حق میں رحمت ہے۔

نوٹ :۔ ہم لفظ سنت کی اصطلاحی تعریف کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں کہ سنت صحابہ در حقیقت سنت رسول ہی ہے۔ پس مذکورۂ عنوان آیت کریمہ سنت کی حجیت اور اس کے ماخذ احکام شرعیہ ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ اسلئے کہ رہتی دنیا تک اطاعت رسول پر عمل کرنے کا اس کے بغیر امکان نہیں۔

(*)

سنّت رسول ادیان و امم سابقہ میں

آیت نمبر(۸) لکل جعلنا منکم شرعۃ و منہاجا ۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے قرآن حکیم میں تذکیر بایام اللہ (بیان وقائع امم سابقہ) کے تحت انبیا ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام، ان کی اُمم اور اُن کی تعلیمات کا تذکرہ متعدد مقامات پر حسب موقع ومحل اجمالاً یا تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔ بنظرِ غائر اُس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو اس کی اُمت کے حسب حال ایک مستقل اور مخصوص شریعت (مجموعہ احکام) عطا فرمائی ہے۔ اس رسول کی اور اُس کے تبع انبیا کی تمامتر دعوت وارشاد، اور عقائد و اعمال و اخلاق سے متعلق اس کے تمام تر احکامات (اوامر ونواہی) اُسی شریعت پر مبنی ہوتے ہیں اور اسی کی اطاعت وپیروی کی وہ خود اور اس کے تبع انبیاء اُمت کو دعوت دیتے ہیں۔

چنانچہ اصولی طور پر آیت کریمہ ذیل میں اللہ پاک اس کی تصریح فرماتے ہیں۔

لکل جعلنا منکم شرعۃ	ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مخصوص شریعت
و منہاجا (مائدہ ع ۷)	اور کھلا ہوا راستہ تجویز کیا ہے۔

اسی لئے علماء اُمت نے رسول کی تعریف ہی یہ کی ہے: "وہ صاحبِ وحی والہام نبی جو مستقل شریعت لایا ہو"۔ اور بنص قرآن ہر رسول کے تمام تر احکامات (اوامر ونواہی) اور افعال واعمال و اخلاق خدا کے حکم سے، اور وحی الٰہی پر مبنی ہوتے ہیں چنانچہ سورۃ نساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا	بے شک ہم نے تمہارے پاس ایسے ہی وحی بھیجی ہے جیسے
الی نوح والنبیین من بعدہ	نوح کے اور اس کے بعد کے نبیوں کے پاس وحی بھیجی ہے

اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کی بعثت کے ذیل میں اول رسول کو خطاب فرمایا ہے۔ اس کے بعد اُمت کو، اور اسی بنا پر "عصمت انبیاء" اُمت کا مجمع علیہ عقیدہ ہے اور قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔

اب یہ دیکھنا یہ ہے کہ ان تمام اُمتوں میں مصدر تشریع" اور "ماخذ احکام شرعیہ" کیا تھا؟ اس سلسلہ میں جب ہم قرآن عظیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو قرآن حکیم کے علاوہ صرف تین آسمانی کتابوں اور چند صحیفوں کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے (۱) عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب انجیل (۲) حضرت موسیٰ علیہ والسلام کی کتاب تورات (۳) حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور (۴) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفے۔ باقی حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے — جو سب سے پہلے صاحب شریعت رسول ہیں — حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام تک بجز ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفوں کے اور کسی بھی آسمانی کتاب کا تذکرہ نہیں ملتا۔ حالانکہ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح حضرت شعیب علیہم السلام سب صاحب شریعت مستقلہ رسول ہیں اور ان کی شریعتوں کے احکام جستہ جستہ قرآن عظیم میں مذکور بھی ہیں۔

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام انبیاء مرسلین کی بعثت کا مقصد اصولی طور پر "اطاعت رسول" بیان فرماتے ہیں۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ	اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے خدا کے حکم سے

یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت شعیب علیہ السلام تک تو تسلسل ایک ہی عنوان سے ہر رسول اپنی اُمت کو اپنی اطاعت و پیروی کی دعوت دیتا چلا آتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے سورۃ شعراء میں آیات ذیل:

کذبت قوم نوح المرسلین اذ قال لھم اخوھم نوح الا تتقون انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعون

"	عاد	"	"	ھود	"	"	"
"	ثمود	"	"	صالح	"	"	"
"	قوم	"	"	لوط	"	"	"
کذب	اصحاب الایکۃ	"	"	شعیب	"	"	"

سورہ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا سبب بھی عصیان رسول (رسول کی نافرمانی) کو ہی قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

فعصی فرعون الرسول فاخذناہ اخذاً وبیلاً (مزمل ۱۶) — پس فرعون نے رسول (موسیٰ) کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو تباہ کن سختی سے پکڑ لیا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنی قوم کو یہی دعوت دیتے ہیں:

فاتقوا اللہ واطیعون — پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی اولاد و ذریت کو ذیل کے الفاظ میں ملت ابراہیمی کے اتباع کی وصیت فرماتے ہیں۔

ووصی بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب (بقرہ ع ۱۶) — اور ابراہیم نے اپنی اولاد کو اس (ملت) کی وصیت کی اور یعقوب نے (اپنی اولاد کو)

ان تمام آیات ونصوص قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ ہر رسول اپنی اُمت کے لئے "مفروض الطاعت" ہے یعنے اس کے تمام تر احکامات (اوامر ونواہی) اور افعال واعمال واخلاق کا اتباع اور پیروی اُمت پر فرض ہے اور یہی اقوال وافعال اور اوامر ونواہی کا مجموعہ یعنے اس کی سنت ہی اس کی شریعت ہے لہذا ثابت ہوا کہ ہر نبی مرسل اگر صاحب کتاب ہو تو کتاب وسنت ہر دو ورنہ تنہا اُس کی سنت اس کی شریعت کے احکام کا "ماخذ" اور "مصدر تشریع" ہے۔

علاوہ ازیں قرآن حکیم کے مطالعہ اور تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ جل شانہٗ نے خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب وحکمت دو چیزیں عطا فرمائی ہیں اسی طرح انبیا ورسل سابقین علیہم السلام کو بھی کتاب وحکمت دو چیزیں عطا فرمائی ہیں چنانچہ اللہ جل شانہٗ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔

واذاخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ (آل عمران رکوع ۹) — اور جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کتاب وحکمت میں نے تم کو دی ہے (اس پر عمل کرنا اور) پھر جو کوئی پیغمبر تمہارے پاس اُس (کتاب وحکمت) کا مصدق (مطابق) آئے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی ضرور مدد کرنا۔

یہ تو اجمالاً جملہ انبیاء سابقین علیہم السلام کو کتاب وحکمت دینے کا ذکر ہے، سورۃ انعام میں تفصیل

کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک اٹھارہ انبیاء مرسلین کا نام بنام تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

اولئك الذين اتيناهم الكتاب والحكم (انعام رکوع ۱۰)
یہ تمام انبیاء مرسلین وہ ہیں جنکو ہم نے کتاب وحکمت دی ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ ذیل میں "ابو الانبیاء" حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل میں مبعوث ہونے والے تمام انبیا کو کتاب وحکمت عطا فرمانے کا ذکر فرماتے ہیں۔

ولقد اتينا آل ابراهيم الكتاب والحكمة واتيناهم ملكا كبيرا (نساء رکوع ۸)
اور بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب وحکمت عطا فرمائی اور ہم نے انکو ملک عظیم بھی دیا۔

اس آیت کریمہ کا مصداق تمام انبیاء بنی اسرائیل وبنی اسماعیل ہیں حضرت اسحٰق سے لیکر حضرت عیسیٰ تک اور حضرت اسمٰعیل سے لیکر خاتم انبیا تک۔ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے۔

ويعلمه الكتاب والحكمة والتوراة والانجيل۔ (آل عمران رکوع ۵)
اور اللہ اس (عیسیٰ) کو لکھنا اور حکمت اور توراۃ اور انجیل کی تعلیم دے گا۔

انہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی براءت کے ذیل میں ارشاد ہے۔

ما كان لبشر ان يؤتيه الله الكتاب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كونوا عبادا لي (آل عمران ع ۸)
کسی ایسے انسان کے لئے جسے اللہ کتاب، حکمت اور نبوت دے، ممکن نہیں کہ وہ (لوگوں سے) کہے تم میرے بندے بن جاؤ۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے

وقتل داؤد جالوت وآتاه الله الحكمة وعلمه مما يشاء (البقرۃ ع ۳۳)
اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے (اس پر) داؤد کو حکمت عطا فرمائی اور جو چاہا (اور مناسب سمجھا) سکھلایا۔

حضرت داؤد اور سلیمان ہر دو (علیہما السلام) کے متعلق ارشاد ہے۔

وكلا آتيناه حكما
اور ان دونوں (داؤد وسلیمان) میں سے ہر ایک کو ہم نے

وعلماً نے حکمت اور علم عطا فرمایا۔

(الانبیاء رکوع ۶)

واضح ہو کہ ان تمام انبیاء مرسلین علیہم السلام کے بارے میں حکمت اور حکم کا ذکر کتاب یا نبوت کے ساتھ اسی طرح آیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آیات میں حکمت کو کتاب کے ساتھ نازل کرنے یا تعلیم دینے کا ذکر آپ آیات سابقہ میں پڑھ چکے ہیں اس لئے "القرآن یفسر بعضہ بعضا" (قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے) کے اصول کے تحت اس حکمت اور حکم کا مصداق بھی ان انبیاء مرسلین علیہم السلام کی سُنّت ہے۔

اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیت کریمہ۔

سنۃ من قد ارسلنا قبلك من رسلنا تم سے پہلے جو ہم نے رسول بھیجے ہیں ان کی سنت

میں لفظ "سنت" کے متعلق آپ لغوی تحقیق کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں کہ ابوالحسن لحیانی صاحب نوادر، مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس، اور سید مرتضیٰ زبیدی صاحب تاج العروس کی تحقیق کے مطابق اس سنت سے مراد "سنت انبیا" علیہم السلام ہے یعنے ان کے اوامر و نواہی اور اقوال و افعال مراد ہیں اور من رسلنا کو یہ حضرات مَن قد ارسلنا قبلك کا بیان قرار دیتے ہیں اور یہی آیت کریمہ کے نظم سے ظاہر و متبادر ہے۔

اس صورت میں تمام انبیاء مرسلین علیہم السلام کا "صاحب سنت" ہونا بنص قرآن ثابت ہے خواہ صاحب کتاب ہوں یا نہ ہوں اور یہ کتاب و سنت یا تنہا "سنت رسول" ہی اُن کی شریعت کے احکام کا "ماخذ" ہوگی۔

لہٰذا ان تمام آیات و نصوص قرآن کے استقصاء اور تتبع سے ثابت ہوا کہ تمام ادیان و شرائع سماویہ میں کتاب و سنت ہر دو یا صرف سنت رسول "مصدر تشریع اور ماخذ احکام شرعیہ" رہی ہے اور یہی سنت اللہ ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

رسول اور سنت رسول کی مخالفت اور نافرمانی

آیت نمبر (۹): فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم

سابقہ آیات کریمہ جن میں اللہ جل شانہٗ نے اطاعت واتباع رسول کا امر فرمایا ہے اُن میں ایک طرف اطاعت رسول کو موجب رُشد وہدایت اور باعث رحمت ومغفرت قرار دیا ہے دوسری طرف رسول سے انحراف واعراض اور اس کی نافرمانی کو اعمال خیر کے بطلان کا سبب اور گمراہی اور کفر وارتداد کا موجب قرار دیا ہے۔ اسی طرح آیات ذیل میں رسول کی مخالفت، نافرمانی اور عداوت ودشمنی پر شدید ترین وعیدوں کا بیان فرمایا ہے۔

اگرچہ ازروئے لغت طاعت کی ضد معصیت بالقصد والارادہ نافرمانی کو کہتے ہیں مگر قرآن کریم نے طاعت رسول کے بالمقابل جتنی بھی صورتیں ہوسکتی ہیں ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ سب کا احاطہ واستقصاء کیا ہے اور تمام قسم کی قولی اور فعلی، ارادی وغیر ارادی ہلکی سے ہلکی اور سخت سے سخت، خلاف ورزی کے نتائج بد اور عواقب کی بھی تصریح فرمائی ہے ہم ذیل میں قرآن کریم کے مختلف الفاظ اور اُن کے باہمی فرق کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مخالفت مخالفت موافقت کی ضد ہے اور جامع ترین لفظ ہے۔ رسول کی موافقت ومتابعت کو ترک کرنے کی تمام قولی اور فعلی صورتیں اس کے تحت داخل ہیں اسکی سزا سنئے ارشاد ہے:۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔ (سورۃ نور ع ۹)	ضرور ڈرتے رہنا چاہیئے اُن لوگوں کو جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، اس سے کہ کوئی تباہی اُن پر آجائے یا وہ دردناک عذاب میں گرفتار ہوں۔

مخالفت کے مدارج مختلف ہیں اسی اعتبار سے اس کی سزائیں بھی جانی اور مالی دنیوی آفتیں اور مصیبتیں بھی ہوسکتی ہیں اور دردناک اُخروی عذاب بھی آیت کریمہ میں فتنۃ او عذاب الیم کی تردید

(یا یہ یا یہ) اسی کی طرف اشارہ ہے۔

عصیاں ہر قسم کی قولی اور فعلی نافرمانی کو شامل ہے اسی اعتبار سے اس کی مختلف سزائیں ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فان عصوك فقل انی بری مما تعملون
(سورۃ الشعراء ع ۱۱)

پس اگر (اے رسول) وہ تمہاری نافرمانی کریں (اور تمہارا کہنا نہ مانیں) تو کہہ دیں تمہارے اعمال سے بری ہوں

بظاہر یہ قولی اور لسانی نافرمانی ہے اسی لئے نبی کو ایسے لوگوں سے براءت اور بے تعلقی کے اعلان کر دینے کا حکم فرمایا ہے بالفاظ دیگر یہ نافرمانی کفر وارتداد کے مرادف ہے

ذیل کی آیت کریمہ میں عملی نافرمانی کا حکم بیان فرماتے ہیں۔

تلك حدود الله ومن يطع الله ورسوله يدخله جنات تجری من تحتها الانهار خالدين فيها وذلك الفوز العظيم ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين
(سورہ نساء ع ۲)

یہ (احکام) اللہ کی (قائم کردہ) حدیں ہیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (اور ان کے احکام کی پابندی) کریں گے اللہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (اور) وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی (اور احکام شرعیہ کی خلاف ورزی) کریگا اور اس کی (مقرر کردہ) حدود (احکام) سے تجاوز کرے گا اللہ اس کو (جہنم کی) آگ میں داخل کرے گا (اور) وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہو گیا کہ "حدود اللہ" یعنے احکام الٰہیہ کی پابندی میں ہی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مضمر ہے اور حدود اللہ یعنے احکام شرعیہ سے تجاوز کرنے کا دوسرا نام معصیت رسول ہے گویا طاعت ومعصیت کا مدار "حدود اللہ" اور احکام شرعیہ کی پابندی کرنے یا نہ کرنے پر

ہے۔ ذیل کی آیات کریمہ ہر قسم کی نافرمانی کے لئے عام ہیں۔

ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیھا ابدا (سورۂ جن ع ۲)

جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریں گے ان کے لئے جہنم کی آگ ہے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (سورۂ احزاب ع ۵)

جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی وہ ... کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا۔

عورتوں سے بیعت لینے کے ذیل میں ارشاد ہے۔

ولا یعصینک فی معروف (سورۂ ممتحنہ ع ۲)

اور وہ عورتیں (اس پر بیعت کریں کہ) کسی بھی بھلے کام میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی۔

غرض دل سے، زبان سے، عمل سے، رسول کے کسی بھی حکم کو یعنے سنت رسول کو نہ ماننا خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی ہے اور دنیوی و اخروی خسران کا سبب ہے۔

اسی لئے قیامت کے دن یہ رسول کی نافرمانی کرنے اور کہا نہ ماننے والے تمنا کریں گے۔

یومئذ یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوّی بھم الارض، ولا یکتمون اللہ حدیثا (نساء ع ۶)

اُس (قیامت کے دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کو اختیار کیا اور رسول کی نافرمانی کی وہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم خاک میں ملا دیئے جاتے (اور رسول کی نافرمانی نہ کرتے) اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔

اور جن کی خاطر دنیا میں ان ظالموں نے "اتباع رسول" کو ترک کیا تھا ان کی رفاقت پر پشت کف دست کاٹیں گے:

ویوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یالیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا یا ویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا (الفرقان ع ۳)

جس دن (یہ) ظالم اپنے ہاتھ کاٹتے اور کہتے ہوں گے کاش کہ میں رسول (کے اتباع) کا راستہ اختیار کر لیتا، ہائے میری ہلاکت! کاش کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔

اہل کتاب خصوصاً "یہود" کا یہ طریقہ تھا کہ وہ رسول اللہ کی زبان مبارک سے آپ کے احکامات اور اوامر و نواہی کو سنتے اور زبان سے تو کچھ نہ کہتے یا اطاعت کا اقرار کر لیتے مگر دل میں اسی وقت ٹھان

لیتے کہ ہرگز عمل نہیں کریں گے۔ اللہ جل شانہ مسلمانوں کی نصیحت و تنبیہ کی غرض سے اُن کے اس طرز عمل کا اور اس کے بالمقابل اہل ایمان کی مخلصانہ "طاعت رسول" کا ذیل کی آیات میں تذکرہ فرماتے ہیں:

(۱) من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ ویقولون سمعنا وعصینا
(النساء ع ۷)

ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں کچھ ایسے لوگ ہیں جو بات کو اس کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں (یعنی بے محل استعمال کرتے ہیں یا معنی بدل دیتے ہیں) اور (زبان سے) کہتے ہیں ہم نے سُن لیا اور (دل میں کہتے ہیں) نہیں مانا

فرماتے ہیں اگر یہ یہودی دل وجان سے رسول کی بات سنتے اور اطاعت کرتے تو دُنیا اور آخرت دونوں میں اُن کے حق میں بہتر اور دُرست ہوتا:

(۲) ولو انھم قالوا سمعنا واطعنا لکان خیرا لھم واقوم

اور اگر وہ (زبان سے) کہتے ہم نے سُن لیا اور (دل میں کہتے) مان لیا تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور دُرست ہوتا

اسی طرح "منافقین" کے حکم [illegible] (ص کی سماعت" اور مومنین کی دل وجان سے اطاعت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

(۱) ویقولون آمنا باللہ وبالرسول واطعنا ثم یتولی فریق منھم من بعد ذلک وما اولئک بالمومنین
(النور ع ۶)

(۱) اور کہتے ہیں ہم تو ایمان لے آئے اللہ پر اور رسول پر اور ہم نے اطاعت کرلی پھر اس (عہد وپیماں) کے بعد بھی ان میں کا ایک گروہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ (درحقیقت) مومن ہیں ہی نہیں۔

(۲) واذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم اذا فریق منھم معرضون وان یکن لھم الحق یاتوا الیہ مذعنین
(النور ع ۶)

(۲) اور جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف تاکہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کردیں تو اچانک ان میں کا ایک گروہ منحرف ہوجاتا ہے اور اگر انکا اپنا کوئی حق (اور نفع) ہو تو (بڑے) فرمانبردار بنے چلے آتے ہیں۔

یہ تو نفاق اور منافق کا شعار ہے ایمان اور مومن کی شان یہ ہے:

انما کان قول المومنین اذا دعوا

مومنوں کا کہنا تو ــــ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی

الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئک ھم المفلحون۔ (النور ع ۷)	طرف بُلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں، یہ ہی کہ وہ فوراً کہتے ہیں ہم نے (آپ کا فیصلہ) سُن لیا اور (دل وجان سے) مان لیا صرف یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

دنیوی اور اخروی فوز وفلاح کا مدار تو صرف دل وجان اور قول وعمل سے رسول اللہ کی اطاعت کرنے پر ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ دل میں خوف وخشیت الٰہی اور اتباع رسول میں کوتاہیوں سے بچتے اور ڈرتے رہنے کی لگن اور تڑپ بھی کارفرما رہنی چاہیئے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

ومن یطع اللہ ورسولہ ویخش اللہ ویتقہ فاؤلئک ھم الفائزون (النور ع ۷)	اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت (بھی) کرتے ہیں۔ اور (دل میں) اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور (اسکی نافرمانی سے) بچتے ہیں وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے

رسول کی اطاعت کے خلاف سازشیں کرنے والوں کا حال ذیل کی آیات میں بیان فرماتے ہیں:

الم تر الی الذین نُھوا عن النجوی ثم یعودون لما نھوا عنہ ویتناجون بالاثم والعدوان ومعصیۃ الرسول۔ (مجادلۃ ع ۲)	اور تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشیوں سے منع کر دیا گیا پھر بھی وہی کانا پھوسی کرتے ہیں جس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا، اور یہ لوگ چپکے چپکے گناہ، ظلم وجور اور رسول کی نافرمانی کی سازشیں کرتے ہیں۔

اس نفاق کی سزا سنئے:

حسبھم جھنم یصلونھا فبئس المصیر (مجادلۃ ع ۲)	ان کے لئے جہنم بہت کافی ہے وہ اس میں (ضرور) داخل ہوں گے پس وہ (ان کا) بدترین ٹھکانا ہے۔

ذیل کی آیات میں مومنین کو اس تباہ کن رویہ کے اختیار کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا اذا تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیۃ الرسول وتناجوا بالبر والتقوی واتقوا اللہ الذی	اے ایمان والو! تم جب چپکے چپکے بات کرو تو گناہ، ظلم وجور اور رسول کی نافرمانی کی سازشیں ہرگز نہ کرنا (ہاں) نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں چپکے چپکے کیا کرو (اس میں کچھ حرج نہیں) اور اس اللہ جل شانہ سے ڈرو ڈرو جس کے پاس

الیہ تحشرون (مجادلہ ع ۳) تمہیں (مرنے کے بعد) جانا ہے۔

عصیان رسول سے متعلق یہ چند آیات بطور تذکیر ہم نے جمع کردیں ورنہ قرآن عظیم کی تلاوت کیجئے قدم قدم پر آپ کو عصیان رسول کی ممانعت، تخویف اور اُس کے تباہ کن دینوی و اخروی عواقب کا تذکرہ ملے گا اور یہ کچھ اسی اُمت کی تخصیص نہیں بلکہ جس طرح آپ پڑھ چکے ہیں کہ تمام انبیاء سابقین کی متفقہ دعوت "اطاعت رسول" ہے اسی طرح عذاب الٰہی اور قہر خداوندی میں گرفتار ہونے والی تمام اُمتوں کی ہلاکت کا واحد سبب "عصیان رسول" ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کی نافرمانی بعثت انبیاء کے اساسی مقصد "طاعت رسول" کے قطعاً منافی ہے چنانچہ آپ پڑھ چکے ہیں:

وما ارسلنا من رسول اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بھی رسول کو مگر صرف اس لئے
الا لیطاع باذن اللہ کہ اس کی اطاعت کی جائے خدا کے اذن سے۔

عربی داں حضرات جانتے ہیں کہ کس قدر تاکید کے ساتھ اس آیت میں تمام انبیاء مرسلین کی بعثت کا مقصد منحصر کردیا گیا ہے طاعت رسول میں؛ اُردو داں حضرات بھی ترجمہ میں قوت کلام کو ضرور محسوس کریں گے۔

اور رسول کی نافرمانی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے احکام (اوامر و نواہی) اور اقوال و افعال کو یعنے "سنت رسول" کو نہ مانا جائے خواہ قولاً خواہ عملاً خواہ اعتقاداً اس لئے قرآن کریم کی ان آیات بینات کی روشنی میں سنت رسول کو قرآن کے بعد مطاع ثانی ماننا پڑے گا۔ و باللہ التوفیق۔

تولّی از روئے لغت تولی کے معنی ہیں روگردانی اور انحراف، یہ عموماً عملی مخالفت ہوتی ہے۔ رسول اور سنت رسول سے اس روگردانی کی سزا سنئے ارشاد ہے۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی
ومن تولی فما ارسلناک علیھم اطاعت کی اور جس نے (رسول سے) روگردانی کی تو ہم
حفیظا۔ (نساء ع ۱۲) نے تم کو ان کا پاسبان (اور ذمہ دار) بنا کر نہیں بھیجا۔

گویا رسول سے روگردانی اور انحراف درحقیقت اللہ جل شانہ سے بغاوت ہے آپ پر اس کی مسئولیت مطلق عائد نہیں ہوتی چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور

واحذروا فان تولیتم
فاعلموا انما علی رسولنا
البلاغ المبین. (مائدہ ع ۱۲)

ہوشیار رہو (کسی کی نافرمانی نہ ہو جائے، پس اگر تم نے (رسول سے) روگردانی کی، تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف واضح طور پر (ہمارا) پیغام پہونچا دینا ہے۔

اس سے بھی زیادہ واضح اور صاف الفاظ میں ارشاد ہے۔

قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول
فان تولوا فانما علیہ ما حُمّل
وعلیکم ما حُمّلتم وان تطیعوہ
تھتدوا وما علی الرسول
الا البلاغ المبین
(النور ع ۷)

(اے نبی) اعلان کر دو: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر تم (اس سے) روگردانی کرو گے تو (یاد رکھو) رسول کے ذمہ صرف وہ کام ہے جس کا اسے ذمہ دار بنایا گیا ہے (یعنے تبلیغ حق) اور تمہارے ذمہ وہ کام ہے جس کے تم ذمہ دار بنائے گئے ہو (یعنے ایمان لانا اور عمل کرنا) اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے، تو تم ہدایت پا جاؤ گے۔ اور رسول کے ذمہ میں تو واضح طور پر پیغام پہونچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔

یعنے رسول کی اطاعت کا فائدہ بھی تم کو پہونچے گا اُس سے انحراف اور روگردانی کا نقصان بھی تم کو پہونچے گا رسول نے خدا کا پیغام تم تک پہونچا کر اپنا فرض ادا کر دیا وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا۔

صُدودا ازروئے لغت صدود کے معنی ہیں اعراض وانحراف، صدود کے لفظ میں یہ اعراض شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

رسول سے اعراض اور اس کی اطاعت سے انحراف کو خاص طور پر منافقین کا شعار قرار دیا ہے ارشاد ہے۔

واذا قیل لھم تعالوا
الی ما انزل اللہ والی الرسول
رأیت المنافقین یصدون
عنک صدودا (نساء ع ۹)

جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ، جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کو قبول کرو اور رسول کی اطاعت کرو تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے (دور دور) بھاگیں گے اور (اعراض ہی اعراض) کریں گے۔

مُشاقّت شقاق سے ماخوذ ہے۔ شدید ترین عداوت اور کھلی ہوئی دشمنی کو کہتے ہیں رسول سے ایسی عداوت و دشمنی کی سزا سنئے:

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولّه ما تولّیٰ ونصله جهنم وساءت مصیرا (النساء ع ۱۷)

جو شخص ہدایت کے واضح اور عیاں ہو جانے کے بعد رسول سے عداوت اور دشمنی اختیار کرے گا اور مومنوں کی راہ (دینِ حق) کے علاوہ کسی بھی راستہ کی پیروی کریگا تو جو اُس نے اپنے لئے اختیار کیا ہم اسی (حالت) پر اس کو چھوڑ دیں گے اور (پھر) اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور جہنم بد ترین ٹھکانا ہے۔

ومن یشاقق الله ورسوله فان الله شدید العقاب (الانفال ع ۲)

جو اللہ اور اُس کے رسول سے دشمنی کرے گا پس (وہ یاد رکھے کہ) بیشک اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

مُحادّۃ حد سے ماخوذ ہے جس کے معنی انتہا اور کنارہ کے ہیں ایسی عداوت اور دشمنی جو حد و انتہا کو پہونچی ہوئی ہو اُسے محادّۃ کہتے ہیں۔ خدا اور اُس کے رسول سے ایسی شدید عداوت اور دشمنی کی دنیوی اور اخروی سزا بھی ایسی ہی شدید ہے ارشاد ہے۔

ان الذین یحادون الله ورسوله کُبتوا کما کُبت الذین من قبلهم وقد انزلنا آیات بینات وللکافرین عذاب مهین (مجادلہ ع ۱)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کریں گے وہ اسی طرح ذلیل و خوار کر دیئے جائیں گے جیسے ان سے پہلے لوگ خاک میں ملا دیئے گئے۔ بیشک ہم نے واضح اور روشن آیات نازل کر دی ہیں، اور کافروں (اور منکروں) کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

اس رسوا کن عذاب کی تفصیل یہ ہے:

ان الذین یحادون الله ورسوله اولٰئک فی الاذلّین کتب الله لاغلبن انا ورسلی ان الله قوی عزیز۔ (مجادلہ ع ۳)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں وہی لوگ ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہیں، اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے بیشک اللہ بہت طاقتور اور (سب پر) غالب ہے۔

اس عداوت رسول کے انجام بد سے ذیل کے الفاظ میں آگاہ فرماتے ہیں۔

الم یعلموا انه من یحادد الله ورسوله فان له نار جهنم خالدا فیها ذلك الخزی العظیم

(انفال ع ۸)

کیا ان کو معلوم نہیں ہوا کہ جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھے گا بیشک اس کی سزا جہنم کی آگ ہے اس میں وہ ہمیشہ رہے گا یہی سب سے بڑی رسوائی ہے۔

رسول اللہ کی ہر دعوت پر "لبیک" کہنا ہی دنیوی و اخروی سعادت کا سرمایہ ہے اور یہ سعادت صرف توفیق الٰہی پر موقوف ہے ارشاد ہے

یا ایها الذین آمنوا استجیبوا لله والرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموا ان الله یحول بین المرء وقلبه والیه تحشرون

(انفال ع ۲)

اے ایمان والو جب اللہ اور رسول تم کو حیات آفریں کام (ایمان وعمل صالح) کی طرف بلائے تو تم اس کی بات مانو (اور اس کی دعوت پر لبیک کہو) اور یاد رکھو کہ بیشک اللہ انسان اور اسکے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (کہیں تمہاری غفلت اور لاپروائی کو دیکھ کر تمہیں اس توفیق سے محروم نہ کر دے) اور اسی کے پاس تم کو جانا ہے

رسول اللہ کی مجلس سے اجازت لئے بغیر جانا بھی ایمان کے منافی ہے

انما المومنون الذین آمنوا بالله ورسوله واذا کانوا معه علی امر جامع لم یذهبوا حتی یستاذنوه ان الذین یستاذنونك اولئك الذین یومنون بالله ورسوله

(النور ع ۹)

اس کے سوا نہیں کہ مومن تو صرف وہی لوگ ہیں جو (دل و جان سے) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی اجتماعی امر (مشورہ وغیرہ) میں شریک ہوتے ہیں تو وہاں سے جاتے نہیں جب تک رسول سے اجازت نہ لیں، بیشک وہ لوگ جو (اے رسول) تم سے (جانے کی) اجازت مانگتے ہیں (اب جاتے ہیں) وہی لوگ ہیں جو (درحقیقت) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

اور رسول اللہ سے اجازت لئے بغیر چپکے سے کھسک جانا منافقوں کا شعار ہے۔

قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذاً (النور ع ۹)	بیشک اللہ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں۔

- رسول اللہ کی مجلس میں حضور سے زیادہ بلند آواز سے بولنا اور تڑخ تڑخ کر بات کرنا بھی بے ادبی اور گستاخی ہے اللہ جل شانہٗ اس گستاخی سے منع فرماتے ہیں اور اس کی مضرت اور انجام بد سے آگاہ کرتے ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا لہٗ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون۔ (حجرات ع ۱)	اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو (نبی سے بلند آواز سے بات نہ کرو) اور آپ سے ایسے تڑخ کر بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے تڑخ کر بات کرتے ہو کہیں تمہارے سارے اعمال (اس گستاخی کی وجہ سے) برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

رسول اللہ سے ملاقات کے لئے دروازے پر کھڑے ہو کر دہقانیوں کی طرح ہانک لگانا اور پکارنا جہالت ہے اور ادب و احترام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قطعاً منافی ہے اور صبر و سکون کے ساتھ باہر تشریف لانے کا انتظار کرنا ایمان اور دانشمندی کا تقاضہ ہے۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لایعقلون ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم (حجرات ع ۱)	بیشک وہ لوگ جو (اے نبی) تم کو حجروں (زنانے مکان) کے پیچھے (باہر سے) پکارتے ہیں ان میں سے بیشتر لوگ بے عقل ہیں (نبی کے احترام کو نہیں جانتے) اگر وہ صبر (اور انتظار) کرتے یہاں تک تم (اپنے وقت پر) نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا

رسول اللہ کے کسی راز کو افشا کرنا اللہ اور رسول کے ساتھ بدترین خیانت ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا لاتخونوا اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون (انفال ع ۳)	اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے بھی خیانت نہ کرو اور آپس میں بھی اپنی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت نہ کرو۔

جیسے رسول کے راز کو افشا کرنا خیانت ہے ایسے ہی اس کے احکام کو پس پشت ڈالدینا یا سُنت رسول کا کسی بھی عنوان سے انکار کرنا بھی خیانت ہے۔ اس کے بالمقابل اللہ کے احکام اور رسول کی سُنت پر عمل کرنا اداء امانت ہے ارشاد ہے:

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا (النساء ع ۸)

بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں، امانت والوں کو ادا کیا کرو۔

رسول کا دل دکھانا، کسی بھی نوع سے ایذاء پہونچانا، سخت ترین تباہی کا موجب ہے ارشاد ہے

وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذلکم کان عند اللہ عظیما۔ (الاحزاب ع ۷)

تمہیں حق نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا پہونچاؤ اور نہ یہ کہ تم ان (کی وفات) کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو بیشک تمہاری یہ حرکت اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

رسول اللہ کے سامنے کسی بھی معاملہ کا فیصلہ کرنے میں گستاخانہ پیشقدمی اور جلد بازی کرنا سخت بے ادبی ہے اللہ جل شانہٗ اس سے منع فرماتے ہیں،

یا ایھا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم (الحجرات ع ۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے کسی بھی معاملہ میں) آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے۔

مذکورۂ بالا آیات سے جو ہم نے بطور "گلے از گلزارے" جمع کی ہیں قرآن عظیم پر ایمان رکھنے والے ہر مسلمان پر آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں اور روشن ہوجاتا ہے کہ تمام تر خدا پرستی و دینداری قولاً فعلاً اور اعتقاداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و متابعت، عقیدت و محبت، ادب و احترام اور آپ کے جملہ اخلاق و اعمال کے اتباعِ کامل میں منحصر ہے اور یہ اطاعت و متابعت آپکی حیات میں بھی اور وفات کے بعد بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احکام اور اعمال و اخلاق کی دل و جان سے پیروی پر موقوف ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور وفات کے بعد بھی اِس سُنت رسول کا اتنا وافر اور واضح ذخیرہ موجود و محفوظ ہونا ضروری ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں — عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات وغیرہ — میں نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے

قیامت تک کافی ووافی ہو ورنہ قرآن حکیم کا اُمت سے "اطاعت رسول" اور "اتباع اسوۂ رسول" کا مطالبہ اور اس پر دنیوی و آخروی فوز و فلاح کا وعدہ اور اس کی مخالفت ونافرمانی اور اس سے اعراض وانحراف پر یہ تمام تر شدید وعیدیں سب بے معنی اور تکلیف مالایطاق کا مصداق ہوں گی۔

لہذا قرآن کریم کی یہ تمام آیات "سنت رسول" کے تشریعی مرتبہ و مقام اور عظمت و اہمیت کو نیز سنت رسول کے اتنے وافر، واضح اور مکمل ذخیرہ کے موجود ہونے کو، اور قیامت تک اس کے بقا و تحفظ کو، جو نزول قرآن کے وقت سے ہی موجود و محفوظ ہو اور آئندہ آنے والی نسلوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کر سکے اور اسوہ بن سکے، قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں اس لئے کہ قرآن عظیم کا مطالبہ اطاعت رسول "ابدی" ہے اور تمام موجودہ اور آنے والی نسل انسانی سے یکساں ہے۔

یہ حضرات جن کا کہنا ہے کہ:۔

"مجموعۂ سنن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا وہ مقدار میں کچھ زیادہ نہ تھا اور نہ وہ کچھ ایسا تھا جسے بالکلیہ صریح اور واضح کہا جا سکے"[1]

حالانکہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ:۔

قرآن مجید لفظاً اور معناً منزل من اللہ ہے وہ ابدی اور انسانی تخلیق سے ماوراء ہے۔[2]

اس اعتراف کے بعد وہ بتلائیں کہ قرآن حکیم ایک غیر واضح، مبہم اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے ناکافی، غیر متعین اور غیر مشکل چیز کی اطاعت و متابعت کا مطالبہ کیسے کرتا ہے اور اس کی مخالفت اور نافرمانی پر انسان کو اتنی شدید دنیوی اور آخروی سزاؤں کا مستحق کیسے قرار دیتا ہے؟

یاد رہے کہ قرآن کے نزول کے وقت جو سنت رسول موجود ہے اور جس اسوۂ رسول کے اتباع کا قرآن حکم دیتا ہے وہ اُس "سنت جاریہ" سے قطعاً مختلف ہے جس کو یہ حضرات زمانہ مابعد کی پیداوار مانتے ہیں، جس کی تخلیق پہلی اور دوسری صدی کے "فقہی اجتہاد" اور "رائے عامہ" کی فکری کاوش کی رہین منت ہے۔ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ یہ سنت نزول قرآن کے زمانہ کی چیز ہرگز نہیں نیز وہ انسانی تخلیق ہے اور قرآن کو لفظاً و معنیً آپ انسانی تخلیق سے ماوراء تسلیم کرتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ فرمایئے مقالہ سنت صفحہ ۱۲ ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ جولائی اگست ۱۹۶۳ء [2] ملاحظہ فرمایئے جواب سوالات صفحہ ۱۱۵ ماہنامہ "فکر و نظر" بابت ماہ فروری ۱۹۶۵ء۔

قرآن حکیم جس سُنتِ رسول کی دل و جان سے اطاعت اور مکمل اتباع کا حکم دیتا ہے اور جس کی مخالفت و نافرمانی اور اس سے اعراض و انحراف کو ایمان کے منافی اور یہود و منافقین کا شعار قرار دیتا ہے اور اس پر شدید ترین دنیوی اور اُخروی آفات و مصائب اور عذاب الیم، عذاب مہین کی خبر دیتا ہے وہ صرف وہ "سُنتِ رسول" ہے جس کی تخلیق و تشکیل وحی و الہام کے ذریعہ ایک معصوم القول، معصوم الفعل اور معصوم الرأی نبی کی مقدس و منزہ ذات مبارک سے ہوئی ہے۔ اور قرآن کریم کی طرح وہ بھی تخلیق انسانی سے ماوراء ہے یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت" اور "اسوۂ رسول" وہی قرآن کریم کا مصداق ہے وہی اللہ جل شانہٗ کی کتاب کے بعد باذن اللہ مرجع طاعت ہے اسی کی اطاعت اور اتباع نوع انسانی سے مطلوب ہے

اس سُنتِ رسول کا وجود، مدوّن ذخیرۂ احادیث صحیحہ یعنے صحاح ستہ سے زیادہ قابل اعتماد اور کہیں نہیں ہے جو حضرات یہ کہتے ہیں:

> یہ سُنت رسول اولاً اور بالذات سیر کی کتابوں میں ملتی ہے کیونکہ سیر اور تاریخ کی کتابیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی دعوت کو من حیث الکل پیش کرتی ہیں یہ نعمتی العبارہ سے بہت زیادہ نہیں[1]

وہ درحقیقت جان بوجھ کر "علوم حدیث" خاص کر "علم الاسانید والرجال" اور علم الجرح والتعدیل سے نیز ان حفاظ حدیث ائمہ جرح و تعدیل اور ماہرین علم اسماء الرجال کی خارق العادہ مساعی اور چھان بین سے، اپنی مخصوص اغراض و مقاصد کے تحت چشم پوشی کرنا چاہتے ہیں ورنہ تو "تاریخ و سیرت" اور "حدیث" کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ محدثین نے روایات کی تخریج میں صحت کا جو اہتمام و التزام فرمایا ہے کسی ایک بھی تاریخ و سیرت کی کتاب میں وہ صحت کا اہتمام موجود نہیں ہے۔ کیا شروط ائمہ خمسہ یا شروط صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی قسم کی شروط مورخین و ارباب سیرت کے ہاں موجود ہیں؟[2] یہ کھلی ہوئی تلبیس ہے۔ اور کیوں ہے اس کی غمازی مذکورہ بالا فقرہ (پیراگراف) کا آخری

---

[1] جواب سوالات ص ۳۰ ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ فروری ۱۹۶۴ء [2] ایک مورخ کا فرض ہوتا ہے کہ وہ واقعات کو ایسے مربوط و مسلسل طریق پر بیان کرے کہ متعلقہ ملک، حکومت یا قوم کی تاریخ اس طرح واضح ہو جائے کہ کوئی خلاء باقی نہ رہ جائے اسی طرح ایک سیرت نگار کا فرض ہوتا ہے کہ وہ متعلقہ شخص کی پوری زندگی کو ایسے مربوط اور مکمل طریق پر بیان کرے کہ اس کی زندگی کا کوئی (باقی صفحہ ۱۹۶ پر)

حصہ بخوبی کر رہا ہے اور وہ یہ کہ فاضل مقالہ نگار تاریخ، سیرت، اخلاق عبادات اور ان کی تفصیلات جزئیہ سے متعلق تمام احادیث کی صحت اور حجیت کو تسلیم کرتے ہیں صرف فقہی اور کلامی احادیث کو "زمانہ مابعد" اور "اسلام کے تشکیلی دور کی پیداوار" یعنے "موضوع" کہتے ہیں اور ان کی صحت وحجیت سے انکار کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کتب تاریخ وسیرت میں فقہی اور کلامی روایات ہو ہی نہیں سکتیں۔ فقہی اور کلامی روایات کتب حدیث میں ہی موجود ہیں اس لئے وہ "سنت رسول" کے لئے کتب حدیث کا نام لینے کے بجائے کتب تاریخ وسیرت کا حوالہ دیتے ہیں۔

باقی رہا یہ کہ وہ فقہی اور کلامی احادیث کے درپے کیوں ہیں؟ ان کے طرز عمل سے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ عصری اور سماجی تقاضوں سے مرعوب اور انفرادی و اجتماعی اغراض وخواہشات سے مغلوب ہو کر "شرعی تحریم وتحلیل کی حدود" سے تجاوز کرنا چاہتے ہیں اور نصوص قرآن کریم میں "تاویلات" کرکے اور احادیث احکام کو "تعارض وتضاد" کی آڑ میں زمانہ مابعد کی پیداوار قرار دے کر بعض محرمات شرعیہ کو —[لے] جن کی حرمت مجمع علیہ اور ضروریات دین میں سے ہے — حلال کرنا چاہتے ہیں اور اہل حق کی تضلیل و تفسیق اور تکفیر سے بچنے کے لئے کلامی احادیث کو بھی قرآن کے معارض کہہ کر "اسلام کے فقہی اور کلامی دور ارتقاء

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵ سے آگے) گوشہ تاریکی میں نہ رہ جائے اس لئے مورخ اور سیرت نگار روایات کے باب میں محدثانہ چھان بین اور جرح وتنقید کو پیش نظر رکھ نہیں سکتے ورنہ تاریخ اور سیرت لکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے اسی لئے مشہور ہے کہ تاریخ وسیرت کی کتابوں میں ہر قسم کی رطب ویابس روایات ہوتی ہیں اس کے برعکس محدث ہر گز رطب ویابس روایات اپنی کتاب حدیث میں نہ صرف یہ کہ لانے پر مجبور نہیں ہوتا بلکہ وہ "تجرید صحیح من غیرہ" کے مقصد اہم کے پیش نظر انتہائی چھان بین اور جرح وتنقید سے کام لیتا ہے اسی لئے مسلّم ہے کہ کتب صحاح کی روایات کتب تاریخ وسیرت کی روایات کے مقابلہ پر زیادہ صحیح قابل اعتبار اور حجت ہوتی ہیں اس لئے مقالہ نگار موصوف کا یہ فرمانا "تاریخ ابد قدیمہ ہے"۔

[لے] واضح رہے کہ یہ محض سوءظنی یا افترا نہیں ہے بلکہ ماہنامہ فکر ونظر کے مطبوعہ اوراق شاہد ہیں کہ موصوف نے تجارتی سود اور بینکوں کے سود کو "منافع" کہہ کر حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ زکوٰۃ کو اسلامی حکومت کا "ٹیکس" قرار دیکر زکوٰۃ کی فیصد شرح میں اضافہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، "بدلے ہوئے سماجی حالات اور اختلاف احوال وظروف" کی بنیاد پر ایک عورت کی شہادت کو ایک مرد کے برابر قرار دیا ہے۔ مشاورتی کونسل کی رپورٹ شاہد ہے کہ انھوں نے شراب کی ممانعت کے مسئلہ میں کونسل کی اکثریت سے اختلاف کیا ہے اور اختلافی نوٹ لکھا ہے۔ ریڈیو کی تقریروں کا ریکارڈ شاہد ہے کہ انھوں نے یو۔ پ کے طرز کی مہذب قمار بازی کو جائز قرار دیا ہے۔ استغفر اللہ العلی العظیم۔

کی پیداوار" قرار دیتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے فقہی اور کلامی احادیث کو نشانہ بنا رکھا ہے لیکن وہ قرآن عظیم کی مذکورہ ذیل آیت کو یاد رکھیں اور اس چند روزہ زندگی کے ختم ہونے کے بعد آخرت کی مسئولیت کے لئے تیار رہیں۔

ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ ناراً خالداً فیھا ولہ عذاب مھین (النساء ع ۲)

جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی (قائم کردہ) حدود (احکام) سے تجاوز کرے گا اللہ اس کو جہنم کی آگ میں داخل کرے گا وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب (مقرر) ہے۔

"محرمات شرعیہ" حدود اللہ ہیں قرآن تو ان کے پاس جانے سے بھی منع کرتا ہے۔

تلک حدود اللہ فلا تقربوھا

یہ اللہ کی (قائم کردہ) حدیں ہیں پس تم ان کے قریب بھی مت جاؤ۔

اسی لئے اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ جمیع محرمات شرعیہ "ضروریاتِ دین" (قطعی اور بدیہی امور دین) میں سے ہیں ان کا انکار بھی کفر ہے اور تاویل بھی کفر ہے یاد رکھئے اپنی "رائے" اور "اجتہاد" سے "تحریم حلال" اور تحلیل حرام" اہل کتاب خصوصاً یہود اور مشرکین کا شیوہ تھا چنانچہ اہل کتاب کے متعلق ارشاد ہے۔

ولا یحرمون ما حرم اللہ ولا یدینون دین الحق (التوبہ ع ۴)

اور جو اللہ نے حرام کیا ہے (جیسے "ربوا") اس کو حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو اختیار نہیں کرتے۔

یہودی سود لینے کو خصوصاً عربوں سے، قطعاً حلال کہتے تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ یہودی سے بڑھکر سودخوار دنیا میں کوئی قوم نہیں ہے اور نسئی کے سلسلہ میں مشرکین کے متعلق ارشاد ہے۔

انما النسیئ زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاما ویحرمونہ عاما لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ فیحلوا ما حرم اللہ (التوبہ ع ۵)

اس کے سوا نہیں کہ (مہینوں کو) آگے پیچھے کرنا کفر میں زیادتی کا موجب ہے اس حرکت سے کفر اختیار کرنے والے لوگ ہی (مزید) گمراہ ہوتے ہیں چنانچہ (شہر حرام کو) کسی سال حلال کر دیتے ہیں اور کسی سال حرام کر دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی تعداد میں موافقت و مطابقت کر دیں پس اس طرح وہ اللہ کے حرام کردہ مہینے کو حلال بنا لیتے ہیں۔

اس لئے ہماری مخلصانہ درخواست ہے کہ عہد حاضر کے تجدد پرست حضرات اپنے اوپر بھی رحم فرمائیں اور اُمت پر بھی۔ اور نصوص قرآن میں تاویل و تعلیل (علتیں اختراع کرنے) سے اور محرمات شرعیہ کی تحلیل (حلال کرنے) سے باز آجائیں اور قہر خداوندی سے ڈریں۔

قرآن، حدیث اور پورے دین کا محافظ خدا ہے

آیت نمبر (۱۰) انا نحن نزّلنا الذکر و انا لہ لحافظون

(۱) سابقہ آیات کے ذیل میں آپ تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔ کہ قرآن عظیم میں عموماً احکام شرعیہ کے اصول ۔ اور وہ بھی اجمالاً ۔ مذکور ہیں ان کی تفصیل وتشریح، اُن کی عملی شکل وصورت اور مراد ومنشاء الٰہی کی تعیین، کا واحد ذریعہ تعلیمات سُنت اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی لئے یہ کہنا بالکل بجا اور برحق ہے کہ قرآن عظیم متن ہے اور سُنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی شرح ہے اور دونوں" منزل من اللہ" (اللہ کی جانب سے نازل شدہ) ہیں۔

فرق صرف اتنا ہے کہ ایک یعنی قرآن "وحی متلو" ہے (نماز میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے) اور دوسری یعنے سُنت وحی غیر متلو ہے (اس کی نماز میں تلاوت نہیں کی جاتی) یہ فرق بھی صرف اس لئے ہے کہ قرآن بلفظ کلام اللہ ہے اور سُنت کے الفاظ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہیں اور معنی منزل من اللہ ہیں زیادہ واضح اور سادہ لفظوں میں یوں کہئے کہ قرآن کے الفاظ اللہ جل شانہٗ کے الفاظ ہیں اسلئے وہ "اللہ کا کلام" ہے اور سُنت کے الفاظ رسول اللہ کے الفاظ ہیں، اسلئے وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام" ہے۔ مگر اسکے معنی چونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ہی بتلائے ہوئے ہیں اسلئے وہ بھی قرآن کے بعد حجت شرعیہ اور احکام وتعلیمات شرعیہ کا ماخذ ہے لہٰذا قرآن کی حفاظت بھی سُنت اور حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

(۲) اور جبکہ یہ ایک مسلم اور بدیہی حقیقت ہے ۔ حتیٰ کہ ہمارے زمانہ کے وہ "محققین" بھی جو ذخیرۂ احادیث کے "غیر محفوظ" ہونے کے مدعی ہیں اس امر کا اعتراف کرتے ہیں ۔ کہ "قرآن پر عمل حدیث کے بغیر نہیں ہوسکتا" تو ماننا پڑے گا کہ قرآن کی حفاظت بھی حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کے بغیر نہیں ہوسکتی اور جس طرح تیرہ سو سال گزر جانے کے باوجود قرآن اُمت کے پاس محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا اسی طرح ذخیرۂ حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی محفوظ ہے اور رہے گا۔ مستشرقین اور اُن کے پیرو مستغربین (مغرب پرست) جو چاہیں کہتے رہیں۔

(۳) علاوہ ازیں محض الفاظ قرآن کی حفاظت سے کلام اللہ (اللہ کا کلام) انسانی قطع وبرید تحریف وتصرف سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کے معنی ومفہوم اور مراد ومنشا کی بھی قطعی طور پر حفاظت نہ ہو۔

قرآن سے پہلی آسمانی کتابوں کا حشر آپ کے سامنے ہے احبار (علماء یہود) اور رہبان (علماء نصاریٰ) نے محض اپنی ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کے تحت، من مانی تحریف وتبدیل، آیات تورات وانجیل کے بے محل استعمال اور منشاء الٰہی کے خلاف تصرفات کی بدولت آسمانی کتابوں (تورات وانجیل) اور ان کی تعلیمات کو مسخ کر دیا تھا وہ شب وروز نت نئی تاویلیں اور تحریفیں کرنے اور حرام کو حلال، حلال کو حرام، ایمان کو کفر، کفر کو ایمان بنانے میں مصروف رہتے تھے اور یہودی ونصرانی عوام بھی اللہ اور رسول کی اطاعت اور پیروی کے بجائے، انہی احبار ورہبان کی پیروی کرتے تھے۔ اسی صورت حال اور اس کی شناعت کو قرآن حکیم نے ذیل کے حکیمانہ اور بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا	(ان یہودیوں اور نصرانیوں نے) اللہ کے بجائے اپنے
من دون اللہ (توبہ ع ۵)	عالموں اور پادریوں کو اپنا رب بنالیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی قرآن حکیم نے جگہ جگہ اور نوبنو انداز میں علماء یہود ونصاریٰ کی اس مجرمانہ خیانت اور عمداً تحریف وتلبیس کو اُمت محمدیہ کی عبرت کے لئے نہایت واضح طور پر بیان کیا ہے اس لئے بھی قرآن کے الفاظ ومعنی اور مصداق ومراد کی ایسے قطعی طریق پر حفاظت ازبس ضروری ہے کہ کسی بھی جاہل ونادان یا ملحد وزندیق کو اس میں تاویل وتعلیل، لفظی یا معنوی قطع برید، اور بے محل استعمال یا اصلی مراد ومنشاء الٰہی کے خلاف خود ساختہ مراد ومنشاء بیان کرنے کا امکان باقی نہ رہے اور اس طرح کی حفاظت سُنت وحدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کے بغیر ناممکن ہے۔

(۴) قرآن "کلام اللہ" ہے اس کی شان یہ ہے۔

لو انزلنا ھذا القرآن علی	اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کردیتے تو بے شک
جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا	تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے لرز جاتا اور پارہ پارہ
من خشیۃ اللہ۔ (الحشر ع ۳)	ہو جاتا۔

انسانی قلب اس کا متحمل ہو، انسانی دہن وحلقوم سے یہ ادا ہو، انسانی زبان پر یہ جاری

ہو، انسانی عقل وفہم کی اس کے معنی ومراد تک رسائی ہو، یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ اللہ جل شانہٗ اپنی قدرت کاملہ سے بطور معجزہ " اس بنیۂ ناتواں (کمزور انسان) کو اس کا اہل نہ بنا دیں چنانچہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جس طرح آیت کریمہ :

ان علینا جمعه و قرانه — بیشک ہمارے ذمہ ہے اسکو یاد کرا دینا اور پڑھا دینا۔

کے تحت اس کو پڑھانا اور یاد کرانا اپنے ذمہ لیا اسی طرح آیت کریمہ :

ثم ان علینا بیانه۔ — پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس (کے معنی ومراد) کو بیان کر دینا

کے تحت اس کے معنی ومفہوم اور مراد ومنشاء کو بیان کرنا بھی اپنے ذمہ لیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر معترض کے اعتراض کا جواب، ہر پیچیدہ اور مشکل مسئلہ کا حل، ہر معاندانہ یا غیر معاندانہ سوال کا جواب، ہر مجمل ومبہم امر کی تشریح وتفسیر بھی خود ہی فرمائی ارشاد ہے۔

ولا یاتونك بمثل الا جئنٰك بالحق واحسن تفسیرا۔ (فرقان ع ۳) — وہ جو بھی کوئی (انوکھی) بات تمہارے سامنے پیش کریں گے ہم تمہیں (اس کا) حق (اور صحیح جواب) اور بہتر تفسیر بتلا دینگے

اور اس کے بعد بتلا دیا کہ دیکھو ہر چیز کا بیان اصولاً اس کتاب میں موجود ہے۔

ونزلنا علیك الکتٰب تبیاناً لکل شئ۔ (النحل ع ۴) — ہم نے یہ کتاب تم پر (تدریجاً) نازل کی ہے جس میں (اصولاً) ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے۔

اور پھر اُمت کو آگاہ فرما دیا کہ یہ "نبی معصوم" کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہتا ہے نہ کرتا ہے بلکہ یہ وہی بات کہتا ہے جس کی وحی اس کے پاس بھیجی جاتی ہے اور وہی کام کرتا ہے جس کا حکم اس کو دیا جاتا ہے" قرآن کی شہادت یہ ہے۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (النجم ع ۱) — وہ (نبی) کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہتا، وہ جو کچھ کہتا ہے وہ (اسکے پاس) بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی اعلان کرا دیا کہ " میں نہ اپنی طرف سے کوئی تغیر وتبدل کر سکتا ہوں، نہ اپنی طرف سے کوئی بات کہہ سکتا ہوں نہ کوئی کام کر سکتا ہوں میں تو صرف وحی الٰہی کا متبع ہوں "

قل ما یکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی ان اتبع — (اے نبی) تم کہہ دو میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی جانب سے اس میں کچھ تبدیلی کر دوں میں تو صرف اس وحی (الٰہی)

الا ما یوحیٰ الیَّ (یونس ع۲) کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح "امر الٰہی"

واُمرتُ ان اکون من المسلمین وان اتلوا القرآن (النمل ع ۸) اور مجھکو حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں شامل ہوجاؤں اور (تمہارے سامنے) قرآن کی تلاوت کروں

کے تحت قرآن عظیم کے "الفاظ" اُمت کو پہنچا دیئے قرآن اس کی شہادت دیتا ہے۔

یتلو علیکم آیاتہ وہی اللہ کی آیات تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ۔

وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزّل الیہم اور (اے نبی) ہم نے تم پر ذکر (قرآن) اس لئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے سامنے بیان کر دو وہ (دین) جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے۔

کے تحت قرآن کے معنی و مفہوم اور مراد و منشاء الٰہی کو بیان فرما دیا۔ خود اس پر عمل کر کے اور اُمت سے کرا کے اس کی شکل و صورت کو متعین کر دیا قرآن اس کی شہادت دیتا ہے:

ویعلمہم الکتاب والحکمۃ اور وہ نبی تم کو کتاب و حکمت (قرآن کے معنی و مراد اور منشاء و مصلحت الٰہیہ) کی تعلیم دیتا ہے۔

اب چونکہ قرآن حکیم خبر دیتا ہے کہ:۔

"یہ رسول اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور دین الٰہی کی تکمیل ہو چکی ہے اب نہ کوئی نبی و رسول آئے گا نہ کوئی آسمانی کتاب نازل ہو گی یہی دینِ اسلام قیامت تک کے لئے دینِ مرضی (پسندیدہ دین) اور آخری نعمت ہے"

اس لئے رہتی دُنیا تک انسانی دستبرد اور تاویل و تحریف سے اس کتاب کی طرح نبی معصوم کی تعلیمات کی اور شرائع و شعائر اسلام کی حفاظت و صیانت بھی از بس ضروری تھی اس لئے اللہ جل شانہٗ اس کی حفاظت و صیانت بھی اپنے ہی ذمہ لیتے ہیں اور مذکورہ عنوان آیت کریمہ میں اس کی حفاظت کا نہایت پختہ وعدہ فرماتے ہیں ارشاد ہے:

انا نحن نزلنا الذکر بیشک ہم ہی نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی

وانا له لحافظون اس کے محافظ ہیں۔

اس آیت کریمہ میں لفظ الذکر آیا ہے اور یہی لفظ الذکر مذکورۂ سابق آیت وانزلنا الیک الذکر الآیۃ میں آیا ہے لہٰذا جس الذکر کو اللہ نے نبی معصوم علیہ السلام پر نازل فرمایا اور جس کی لسانی اور عملی توضیح وتفسیر اللہ جل شانہٗ کے حکم سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی، اُسی کی حفاظت کا اللہ جل شانہٗ نے اس آیت کریمہ میں وعدہ فرمایا ہے لہٰذا اس الذکر کا مصداق جس طرح الفاظ قرآن ہیں اسی طرح قرآن کے معنی ومفہوم، مراد ومنشا، قولی وعملی بیان وتفسیر اور عملی صورت کی تعیین وتشکیل جو اللہ کے حکم کے تحت آپ نے فرمائی، وہ بھی الذکر کا مصداق ہے اسلئے کہ قرآن اس کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں جس طرح قرآن کی حفاظت کا وعدہ ہے اسی طرح سنت وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا بھی وعدہ ہے۔ ان دونوں آیتوں میں القرآن یا الکتاب کے بجائے الذکر کا لفظ اختیار کرنے سے متعلق ایک اہم نکتہ آیت کریمہ وانزلنا الیک الذکر کے ذیل میں قسط نمبر (۴) کے اندر بیان ہو چکا ہے اس کی بھی مراجعت فرمایئے

بہرصورت اللہ جل وعلیٰ نے اس وعدہ کو اس شان سے پورا فرمایا کہ عقل انسانی دنگ ہے اور انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے

ایک طرف "خرق عادت" (معجزہ) کے طور پر حفظ قرآن کو اُمت کے لیے ایسا سہل اور آسان کر دیا کہ بڑے تو بڑے کمسن بچے تک پورا کا پورا قرآن صفحات قلب پر ثبت (نوشتہ) سینوں کے سفینوں (بیاضوں) میں محفوظ، نوک زبان پر جاری وساری کا اس طرح محفوظ ومستحضر لیے پھرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لفظ تو کیا زیر زبر کی بھی غلطی کر دے تو فوراً ٹوک دیں کہ تم قرآن غلط پڑھ رہے ہو۔ اگر بالفرض دنیا کی تمام "طاغوتی" طاقتیں روئے زمین سے مطبوعہ قرآن کی تمام کاپیاں (نسخے) ایک ایک کر کے ضبط کر لیں، اور چھین لیں قرآن کی طباعت ونشر واشاعت کو ممنوع اور جرم قرار دے دیں اور روئے زمین کے مطبع (پریس) والے قرآن کے نہ چھاپنے پر اتفاق کر لیں تب بھی قرآن بدستور محفوظ اور سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہے گا

اسی کا نتیجہ ہے کہ آج روئے زمین کے کسی بھی چپہ پر کوئی بھی اسلام کا دشمن الفاظ قرآن میں، کسی بھی طریق پر تحریف وتلبیس یا شک وشبہ پیدا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا ایک ہی نسخہ

(ایڈیشن) ہے جو تیرہ سو سال سے یکساں طور پر بے حساب اور بیشمار تعداد میں چھپتا اور شائع ہوتا چلا آرہا ہے۔ صدیوں پہلے کے قلمی نسخے مختلف ملکوں کے آثار قدیمہ کے شعبہ "مخطوطات" (قلمی کتابوں کے شعبے) کو ملے ہیں اور آئے دن ملتے رہتے ہیں مگر آج کے مطبوعہ قرآن میں اور اُن میں ذرہ برابر فرق نہیں نکلتا۔

غرض آج تک دُنیا میں کوئی اتنی ضخیم (بڑی) کتاب ــــ خواہ آسمانی ہو خواہ غیر آسمانی، مذہبی ہو یا غیر مذہبی ــــ اس قدر محفوظ طریق پر اتنی کثیر تعداد میں کہ شمار سے باہر ہو نہ حفظ کی گئی اور نہ شائع ہوئی۔ اور لطف یہ ہے کہ اس حفظ اور نشر و اشاعتِ قرآن کے لئے نہ کبھی کوئی عالمگیر "تنظیم" عمل میں آئی نہ کوئی "سرکاری" یا غیر سرکاری "ادارہ" قائم ہوا نہ کوئی خاص عالمگیر پروپیگنڈہ، بلکہ ہر زمانہ میں عوام از خود اپنے بچوں کو قرآن حفظ کرانے کے لئے انفرادی یا اجتماعی انتظام کرتے چلے آتے ہیں اور پریسوں اور کتب خانوں کے مالک طبع کراتے اور شائع کرتے چلے آتے ہیں۔

اب کچھ دنوں سے قرآن عظیم کی دیکھا دیکھی مسیحی مشنریوں نے "بائبل سوسائٹیاں" قائم کر کے بائبل کے لاکھوں ایڈیشن شائع کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ لیکن دُنیا کے مسیحی ملکوں اور قوموں کے درمیان وقتاً فوقتاً شائع شدہ نسخوں (ایڈیشنوں) کو جمع کر کے ملائیے زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا ہر ایڈیشن دوسرے ایڈیشنوں سے کچھ نہ کچھ ضرور مختلف ہوگا۔ باقی رہے بائبل کے حافظ تو ہمیں یقین ہے کہ دُنیا کی تمام مسیحی مشنریاں پوری بائبل کا ایک بھی حافظ پیش کرنے سے قاصر ہیں اسی طرح اصل "عبرانی" انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور اصل "عبرانی" تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی وہ تو دُنیا سے بالکل ہی ناپید او رعنقا ہے۔

دوسری طرف اللہ جل شانہ نے قرآن کے معنی و مفہوم، مراد و منشا اور بیان و تفسیر قرآن یعنے حدیث و سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظ کو بھی حیرت انگیز طریقہ پر بلکہ خرق عادت کے طور پر اُمت کے لئے ایسا آسان و سہل فرما دیا کہ سیکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں حدیثوں کے حافظ اُمت میں دو چار دس یا پانچ نہیں بلکہ صد ہا گذرے ہیں۔ اور حدیث رسول اللہ کو حاصل کرنے اور پھر مع سند اس کو یاد کرنے میں انہوں نے کیسے کیسے اہتمام اور کیسی کیسی احتیاطیں کی ہیں؟ سبحان اللہ، انسانی عقل حیران ہے (اس کی تفصیل اور تاریخی ثبوت انشاء اللہ کتاب کے دوسرے

حصہ میں آپ پڑھیں گے)

ان حضرات محدثین اور حفاظ حدیث کے ابتلاء کے لئے یا یوں کہئے کہ ان حضرات کو ہوشیار و بیدار کرنے کی غرض سے پہلی صدی ہجری میں ہی اللہ تعالیٰ نے وضع حدیث اور کذب فی الحدیث کا فتنہ کھڑا کر دیا تھا اور گمراہ فرقوں اور نام نہاد دشمنِ دین مسلمانوں نے اپنے اپنے مذہبی یا سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے جھوٹی حدیثیں گھڑنی شروع کر دی تھیں۔ محدثین و حفاظِ حدیث نے یہ دیکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حدیث اور ہر حدیث کے ایک ایک راوی کی ایسی حیرت انگیز طریق پر چھان بین کی ہے اور "روایت و درایت" ہر دو پہلوؤں سے ایسی زبردست جرح و تنقید کی ہے اور اس مقصد کے لئے ایسے ایسے دور دراز کے سفر کئے اور مشقتیں اٹھائی ہیں کہ دنیا حیران ہے۔ اس عظیم مقصد کے لئے ایک مستقل علم علم الاسانید والرجال مدون کر دیا جس کی نظیر بجز مسلمانوں کے اور کسی قوم میں نہیں ملے گی اور اس بے مثل جدوجہد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھری اور بکھری ہوئی احادیث مع الاسانید کو "کتب صحاح" میں اس طرح محفوظ کر دیا کہ جیسے رہتی دنیا تک قرآن محفوظ رہے گا اسی طرح انشاء اللہ تعالیٰ "وضّاعین حدیث" اور "منکرین حدیث" کی ناپاک کوششوں اور کاوشوں کے باوجود سنت و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ذخیرہ بھی محفوظ رہے گا۔

درحقیقت حفظ قرآن اور حفظ حدیث اسلام کی حقانیت کے وہ زندۂ جاوید معجزے ہیں جو اس آخری کتاب، آخری دین اور آخری شریعت کے ساتھ ساتھ قیامت تک موجود و محفوظ رہیں گے اور اسلام کی حقانیت کی شہادت دیتے رہیں گے۔

مختصر یہ ہے کہ مذکورہ دلائل کی روشنی میں زیرِ نظر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف قرآن کے الفاظ اور معنی و مراد یعنے سنت و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، بلکہ پورے دین اسلام کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور امت مسلمہ نے قرآن کے الفاظ و معنی کے ساتھ ساتھ تعامل و توارث کے ذریعہ پورے دین کی ہر ممکن طریق سے ـــــ تیغ و سناں سے بھی، زبان و بیان سے بھی، قلم و قرطاس سے بھی۔ اس حفاظت کے فرض کو انجام دیا ہے اور قطعی و یقینی طور پر اس طرح پورے دین کو محفوظ کر دیا ہے کہ کسی بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بالہام ربانی امت کو خبر دی ہے کہ تم کو آنے والے زمانہ

میں قرآن کے معنی و مفہوم اور مراد و منشاء کے منوانے کے لئے بھی نام نہاد "قرآن پڑھنے والوں" سے ایسے ہی قتال کرنا پڑے گا جیسا کہ میں نے قرآن کو کلام اللہ نہ ماننے والوں سے قتال کیا ہے۔

امام نسائی اپنی تصنیف خصائص علی میں حسب ذیل روایت نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابو عبداللہ الحاکم اپنی کتاب مستدرک میں اس روایت کو "شیخین" (بخاری و مسلم) کی شرط پر صحیح بتلاتے ہیں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان منکم لمن یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلته علی تنزیله۔	بیشک تم میں سے بعض لوگ قرآن کے معنی و مراد کو منوانے کے لئے منکرین سے ایسے ہی جنگ کریں گے جیسے میں نے قرآن کو منزل من اللہ منوانے کے لئے جنگ کی ہے۔

حاضرین صحابہ یہ بشارت سُنکر اس سعادت کو حاصل کرنے کے شوق میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب دیکھنے لگے کہ "قرعہ فال" کس کے نام پر نکلتا ہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ہوں وہ شخص؟ آپ نے فرمایا "نہیں"۔ حضرت عمر نے دریافت کیا "میں ہوں یا رسول اللہ؟" آپ نے فرمایا "نہیں" پھر ارشاد فرمایا "وہ شخص وہ ہے جو اپنی چپل سی رہا ہے" "یہ حضرت علی (رضی اللہ عنہم اجمعین) تھے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے متبعین نے اور اُن کے بعد عامۃ المسلمین نے سالہا سال تک اس قوم سے قتال کیا ہے جس کی زبان پر ہر وقت قرآن رہتا تھا مگر وہ قرآن کی غلط تاویل (مراد) کی بنا پر تمام صحابہ کرام حتیٰ کہ حضرت علی کو بھی کافر اور واجب القتل کہتے تھے اور بقول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی وہ تمام آیات جو کفار و مشرکین سے قتال کے متعلق نازل ہوئی ہیں عام مسلمانوں کو ان کا مصداق قرار دے کر رات دن کفار و مشرکین کے بجائے عام مسلمانوں کو تاخت و تاراج اور قتل و غارت کرنے میں مصروف رہتے تھے مگر اہل حق نے بھی سالہا سال کی خونریز لڑائیوں کے بعد اس فرقہ (خوارج) کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا کر چھوڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر (پیش گوئی) پوری ہو کر رہی۔

---

(۲) اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری کا ص ۴۰۳ ج ۷، پر بحوالہ مسند ابو یعلی بروایت عبدالرزاق عمرۃ قضا کے موقع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ صلح کے تحت "عمرۃ القضاء" کی غرض سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے تو عبد اللہ بن رواحہ آپ کے آگے آگے یہ "رجزیہ اشعار" پڑھتے جا رہے تھے۔

(۱) خلوا بنی الکفار عن سبیلہ	(۱) ہٹ جاؤ کافروں کی اولاد آپ کے راستہ سے
(۲) قد انزل الرحمٰن فی تنزیلہ	(۲) بیشک اللہ نے اپنی نازل کردہ کتاب میں نازل فرمایا ہے
(۳) بان خیر القتل فی سبیلہ	(۳) کہ بہترین قتل وہ ہے جو خدا کی راہ میں ہو۔
(۴) نحن ضربناکم علی تاویلہ	(۴) ہم تمہیں قرآن کی مراد و منشا کے منوانے پر ایسے ہی ماریں گے
(۵) کما قتلناکم علی تنزیلہ	(۵) جیسے ہم نے تم سے اس کے نازل ہونے کو منوانے پر جنگ کی ہے

حضرت عمر نے چاہا کہ ان کو ان اشعار کے پڑھنے سے روکیں آپ نے ان کو منع کیا اور فرمایا:
یہ اشعار تو تیروں سے بھی زیادہ منکرین کے دلوں کو چھلنی کرتے ہیں۔

(۴) یہ تو منکرین معنی و مرادِ قرآن سے "قتال بالسیف" تھا۔ "جہاد باللسان والقلم" سے متعلق حسب ذیل روایت ہے جس کو حافظ بیہقی نے اپنی کتاب مدخل میں نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال یحمل ھذا العلم من کل خلف	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنے والی نسل کے
عدولہ ینفون عنہ تحریف	ثقہ عالم اس علم دین کے حامل اور علمبردار بنتے رہیں گے
الغالین و انتحال المبطلین	غالی گمراہوں کی تحریفوں، باطل پرستوں کی افترا
وتاویل الجاھلین	پردازیوں اور جاہلوں کی تاویلوں کی تردید و بیخ کنی کرتے رہیں گے (قیامت تک)

چنانچہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں علماء حق کا ایک طبقہ ان جاہل خود رَو لین اور منکرین مرادِ قرآن سے برابر زبان و بیان اور قلم و قرطاس کے ساتھ جنگ کرتا رہا ہے اور حفاظت معنی و مراد قرآن کا فرض انجام دیتا رہا ہے اور قیامت تک مقابلہ کرتا رہے گا اور رہتی دنیا تک معنی و مرادِ قرآن انشاء اللہ محفوظ رہیں گے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک ناتمام کوشش ہے اللہ تعالیٰ اسکو قبول فرما کر سعی مشکور بنا دیں آمین۔

ایک اہم نکتہ سُنّت و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، درحقیقت خاتم انبیا صلی اللہ علیہ

وسلم کی تیس ۲۳ سالہ تشریعی زندگی کی ایسی مکمل، منقح اور امکانی حد تک صحیح اور یقینی "تاریخ" ہے کہ روئے زمین پر نہ آج تک ایسی مکمل ومنقح اور یقینی تاریخ نوع انسانی کے کسی بھی فرد کی لکھی گئی ہے اور نہ لکھی جائے۔ کسی بھی تاریخ کے واقعات اور مدونین کتب تاریخ تک ہر واقعہ کا پورا سلسلۂ روایت اور اس کے ایک ایک راوی کی چھان بین اور "روایت و درایت" ہر دو پہلو سے مکمل جرح و تنقید کو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تاریخ حیات (حدیث رسول اللہ) میں اختیار کیا گیا ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ دُنیا کی کسی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

اس کی وجہ بالکل معقول ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی نصوص (تصریحات) کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس "تاریخ" (رسول اللہ کے اقوال وافعال و بیان سکوتی) پر مسلمانوں کے دین و ایمان اور بندگی و خدا پرستی، اور اُس کے نتیجہ میں دنیوی و اخروی فوز و فلاح کا مدار و انحصار تھا ان کے لئے آسمانی کتاب قرآن پر عمل کرنا اس کے محفوظ و منضبط کئے بغیر ممکن نہ تھا ان کے دین کے عقائد و احکام کا ماخذ و منبع اور حجت و سند یہ تاریخ حیات رسول تھی اس لئے انہوں نے انتہائی دیانتداری، حزم واحتیاط اور تیقظ و تثبت کے ساتھ اپنے رسول معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے اقوال، احکام اور کلمات طیبات کو، آپ کی معصوم ہستی سے صادر ہونے والے اعمال وافعال اور اخلاق وشمائل کو امکانی حد تک محفوظ کیا اور اپنے اخلاف تک سلسلہ بسلسلہ پہنچایا اور بعد کے لوگوں نے اس ذخیرہ واقعات واحوال کو ایک ایک کرکے پرکھا "سلسلۂ اسناد" کے نقائص کا، راویوں کے ضعف اور عیوب کا انتہائی دیانتداری سے جائزہ لیا اور جب تک کلی طور پر اطمینان اور شرح صدر نہ ہو گیا اس وقت تک صحیح احادیث کے ذخیرہ میں شامل نہ کیا اگر کسی متن یا سند (اصل واقعہ یا سلسلۂ روایت) میں کوئی عیب یا شک و شبہ پیدا کرنے والا نقص نظر آیا تو اوّل تو اس کی تخریج ہی نہیں کی اور اگر کسی وجہ سے اس کی تخریج کی بھی تو اس ضعف یا سُقم کو پوری دیانتداری کے ساتھ ظاہر کر دیا اور اس تحقیق و تنقیح کی غرض سے مستقل "علوم حدیث" جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچی ہے مدون کر دیئے۔ دنیا کے علم تاریخ میں ایک نئی قسم کی تاریخ یعنی "تاریخ احوال و واقعات حدیث" ــــ جس کا اصطلاحی نام علم اسماء الرجال ہے ــــ کا اضافہ کر دیا۔

ہمیں سخت حیرت ہے کہ اس حقیقت کے جاننے کے باوجود ہمارے عہد کے بعض "محققین"

کیوں انجان بنتے ہیں؟ اور کتب احادیثِ صحاح کے مقابلہ پر کتب تاریخ وسیرت کو کیوں زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں؟ نہ صرف یہ بلکہ وہ کتب احادیث صحاح میں مدون ذخیرۂ احادیث صحیحہ کو "تاریخی واقعات" کے معیار پر پرکھنے کے درپے ہیں اور اُمت کو احادیث رسول اللہ کی از سرِ نو اس "خود ساختہ معیار" (واقعات تاریخ) پر جرح و تعدیل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ کیا وہ واقعات تاریخ کی صحت اور حجیت کی کوئی حدیث کی صحت و حجیت سے بڑھ کر ضمانت دے سکتے ہیں؟

فھم فی ریبھم یترددون (التوبہ ۴۵) پس وہ تو اپنے شکوک وشبہات میں ہی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ اس موضوع پر قلم اُٹھانے سے پہلے بدقتِ نظر علوم حدیث خصوصاً علم مختلف الحدیث کا مطالعہ کریں تعارض احادیث کے باب میں ان کی اُلجھن دور ہو جائیگی محدثین رحمہم اللہ نے تو اس علم پر مستقل تصانیف لکھی ہیں اور تطبیق و توفیق بین الاحادیث کے اصول منضبط کر دیئے ہیں اس کے بعد "احادیث ربا" میں تعارض کا عقدہ کھل جائے گا اور تجارتی سود کو حلال قرار دینے کی نوبت نہ آئے گی بشرطیکہ ان کا مقصد تلاش و تحقیق حق ہو ورنہ افمن اتخذ الٰھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم فمن یھدیہ بعد اللہ

حاصل بحث و تنقیح

قرآن حکیم کی ان دس آیات کریمہ کو ــــ جو بمصداق تلک عشرۃ کاملۃ قرآن عظیم کی روشنی میں سُنت وحدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حجیت اور اس کے تشریعی مقام کو ثابت کرنے کے لئے انشاء اللہ پورے دس دلائل ہیں ــــ اور ان کی معاون آیات کو پیش نظر رکھ کر ہم "تحقیق سُنت" کے بارے میں اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔

۱۔ سُنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) قطعی اور یقینی طور پر "تشریع احکام" کا مصدر ثانی یعنی احکام شرعیہ کا دوسرا ماخذ اور حجت ہے اور قرآن کریم کے بعد مفروض الطاعت اور واجب الاتباع ہے اس کا انکار کفر اور اس سے انحراف ارتداد کے مترادف ہے۔

۲۔ سنت رسول کا مصداق حسب ذیل امور ہیں۔

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اوامر ونواہی و احکامات خواہ لسانی ہوں خواہ سکوتی خواہ عملی، قرآن حکیم میں مذکور ہوں یا نہ ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر سکوت فرمایا ہو۔

(ب) مسلمانوں کے باہمی تنازعات سے متعلق تمام تر فیصلے اور قضا و فصل خصومات کے اصول وضوابط نیز حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کے نفوس و اموال سے متعلق تمام تر احکامات۔

(ج) اخلاق فاضلہ، خصائل حسنہ اور تزکیۂ نفوس سے متعلق تمام تر عملی اور لسانی تعلیمات وہدایات اور ادعیہ و اذکار۔

(د) عقائد، عبادات، معاملات، خصومات، جنایات، حدود وقصاص، غزوات ومحاربات صلح وآشتی کے اصول ومعاہدات نیز سیاست مدن اور سیاست منزل سے متعلق قرآن عظیم کی تعلیمات واحکام کی وہ تمام تعبیرات وتوضیحات (خواہ لسانی ہوں خواہ عملی) جن کے ذریعہ آپ نے اُمت کو قرآن سمجھایا، عمل کر کے دکھلایا اور دین اسلام کا مکمل ڈھانچہ تیار کیا اور اصولاً "تشکیل فقہ اسلامی" کا فرض انجام دیا۔

(۳) ان مصادیق سنت کا دقیق ترین تجزیہ اس بات کیا جا سکتا ہے کہ یہ تمام تر سنت کے مصداق یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں یا افعال یا کسی امر کے مشاہدہ یا علم میں آنے کے بعد اس پر آپ کا سکوت ہے جو "السکوت فی معرض البیان بیان" (بیان کے موقع پر خاموشی بھی بیان ہوتی ہے) کے تحت "بیان سکوتی" ہے۔

لہٰذا قرآن حکیم کی روشنی میں سنت کی جامع ومانع تعریف یہ ہوئی، یہی تعریف آپ ارباب لغت اور علماء حدیث کی زبانی سن چکے ہیں:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول وفعل اور تقریر (بیان سکوتی) کا نام سنت ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا یہ ذخیرہ جو از روئے مقدار قرآن کریم سے "اضعاف مضاعفہ" (چند در چند) ہے۔ بشہادت قرآن عہد رسالت میں ہی تمام شعبہ ہائے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی رہنمائی کے لیے کافی ووافی اور واضح ومفصل موجود تھا جس سے آپ قرآن

کی تشریح و تفسیر اور منشاء و مراد قرآن کی تعیین اور اس کی عملی تشکیل کر کے اور تکمیل دین و شریعتِ اسلام کا فرض انجام دیا۔ اور آپ کی وفات کے بعد بھی وہ الیٰ یومنا ھذا (آج تک) حفاظِ حدیث اور کتب حدیث کے ذریعہ اسی طرح محفوظ ہے جیسے حفاظِ قرآن کے ذریعہ متن قرآن۔

۵۱۔ قرآن کریم کی قطعی نصوص (تصریحات) کی بنا پر سنت اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ کا قطعی اور ناگزیر ماخذ ہے۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وافر ذخیرۂ احادیث کی حفاظت کس طرح ہوئی؟ اس کی تفصیل ہم انشاء اللہ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں بیان کریں گے وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین۔

تیسرا باب

وحی

چونکہ "سنت کا تشریعی مقام قرآن کی روشنی میں" متعین کرنے کا تمام تر مدار وحی پر ہے، اسی لئے جگہ جگہ وحی اور وحی متلو و غیر متلو کا تذکرہ آیا ہے لہٰذا ضروری محسوس ہوا کہ لغت عربی اور قرآن عظیم کی روشنی میں ہی وحی والہام اور اس کی انواع واقسام اور خصائص واحکام سے متعلق سیر حاصل بحث مستقل باب کی صورت میں اضافہ کی جائے اس لئے اس تیسرے باب کا اضافہ کیا گیا ہے ــــ وباللہ التوفیق۔

وحی کے لغوی معنی

وحی، ایحاء اور اس لفظ (مادہ) سے نکلے ہوئے الفاظ (مشتقات) عربی زبان میں نزول قرآن سے پہلے بھی اور بعد میں بھی بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ لغت کے استعمالات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ (مادہ) کے اصلی معنی ہیں مخفی اور غیر محسوس طریق پر کوئی پیغام پہونچا دینا، حکم دینا، کسی بات کی خبر دینا، اشارۃً کوئی بات بتلا دینا کوئی خیال دل میں پیدا کر دینا کوئی بات دل میں ڈال دینا وغیرہ ہیں، سرعت اور اخفاء سب میں مشترک ہے۔

چنانچہ لغت اور عربیت کے معروف امام ابو اسحاق لغوی (متوفی ۳۱۱ھ) کا قول علامہ منظور افریقی لسان العرب میں نقل کرتے ہیں:

واصل الوحی فی اللغۃ کلھا اعلام فی خفاء و لذا الذی صار الالھام یسمی وحیا۔

لغت کے تمام استعمالات میں لفظ وحی کے اصلی معنی خفیہ طور پر آگاہ کر دینا ہیں اسی لئے الہام کو بھی وحی کہا جاتا ہے

اسی طرح علامہ افریقی لغت کے مشہور امام محمد بن احمد ازھری (متوفی ۳۷۰ھ) کا حسب ذیل قول نقل کرتے ہیں:

وقال الازہری وکذالک الاشارۃ والایماء یسمیٰ وحیا والکتابۃ تسمی وحیا

ازہری کہتے ہیں اور اسی طرح اشارہ اور ایماء کو بھی وحی کہا جاتا ہے اور لکھ دینے کو بھی وحی کہا جاتا ہے

لغت کے معروف امام ابو نصر جوہری (متوفی ۳۹۳ھ) صحاح میں لکھتے ہیں۔

والوحی ایضا الاشارۃ والکتابۃ والرسالۃ والکلام الخفی وکل ما القیتہ الی غیرک

وحی کے معنی اشارہ کر دینے، لکھ دینے، پیغام بھیجنے کے بھی آتے ہیں اور پوشیدہ کلام کو بھی وحی کہتے ہیں اور ہر اس بات کو بھی وحی کہتے ہیں جو تم دوسرے کو بتلاؤ۔

حافظ بدر الدین عینی صحیح بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں "باب بدء الوحی" کے تحت وحی کے لغوی معنی کے ذیل میں یہی تمام معنی لکھتے ہیں جن کا مآل الاعلام فی خفاء" (اخفاء کے ساتھ خبر دینا) ہے۔

شعراء عرب کے کلام اور عربی محاورات میں لفظ وحی اور اس کے مشتقات کے مذکورہ بالا معانی میں استعمال کی مزید تفصیل کے لئے لسان العرب اور صحاح کی مراجعت کیجئے۔

وحی کے شرعی معنیٰ

حافظ بدر الدین عینی وحی کے لغوی معنی بیان کر کے وحی کے شرعی معنی کے ذیل میں لکھتے ہیں:-

وفی اصطلاح الشریعۃ ھو کلام اللہ المنزل علی نبی من انبیاءہ

اور شریعت کی اصطلاح میں وحی کی حقیقت وہ "اللہ کا کلام" ہے جو اس کے کسی نبی پر اتارا گیا ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لغوی معنی بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

وشرعا الاعلام بالشرع وقد یطلق ویراد بہ اسم المفعول منہ ای "الموحیٰ" وھو کلام اللہ المنزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور از روئے شرع وحی کے معنی ہیں "شریعت سے آگاہ کرنا" اور بعض مرتبہ وحی، اسم مفعول یعنے "موحیٰ" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کی حقیقت اللہ کا وہ کلام ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتارا گیا ہے۔

وحی اور ایحاء کا استعمال قرآن عظیم میں

قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اور اس سے مشتق الفاظ لغوی اور شرعی ہر دو معنی میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں اور نہ صرف انبیاء علیہم السلام اور انسانوں کے حق میں بلکہ حیوانات اور جمادات کے حق میں

بھی لفظ ایحاء کا استعمال بکثرت ہوا ہے۔

(۱) **لغوی معنی میں استعمال** | چنانچہ زمین کے حق میں ارشاد ہے:

یومئذ تحدث اخبارھا بان ربك اوحی لھا (سورۃ اذا زلزلت)	اس دن (قیامت کے دن) زمین اپنی باتیں بتلائیگی اس لئے کہ تیرے رب نے اس کو حکم بھیجا ہوگا۔

نحل (شہد کی مکھی کے متعلق ارشاد ہے:

واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا الآیۃ (النحل ع ۵)	اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈال دیا کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا، آخر آیت تک

حوارییّن (مخلصین) عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

واذ اوحیت الی الحواریین ان آمنوابی وبرسولی (المائدہ ع ۱۵)	اور جبکہ میں نے (عیسیٰ کے) حواریوں کے دل میں ڈال دیا کہ مجھ پر اور میرے رسول (عیسیٰ) پر ایمان لے آؤ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے متعلق ارشاد ہے:-

واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ - الآیۃ (القصص ع ۱)	اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں ڈال دیا کہ تو اسے دودھ پلا آخر آیت تک

پھر یہ ایحاء صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی نہیں ہوتا بلکہ انسانوں، یہاں تک کہ کافروں اور شیطانوں کی جانب سے بھی ہوتا ہے چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:-

فاوحی الیھم ان سبحوا بکرۃ وعشیا (مریم ع ۱)	پس زکریا نے ان (اپنے متبعین) سے اشارہ میں کہا کہ تم صبح شام تسبیح کرتے رہو۔

کفار و مشرکین کے متعلق ارشاد ہے:-

یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا (الاعراف ۱۴)	بعض (کافر و مشرک) بعض کے دلوں میں گھڑی ہوئی پر فریب باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔

شیاطین کے متعلق ارشاد ہے:-

ان الشیاطین لیوحون	بیشک شیطان (بھی) اپنے دوستوں (پرستاروں)

الی اولیاء ھم (الاعراف ۱۴) — کی طرف وحی بھیجتے رہتے ہیں (کفریہ خیالات و وساوس دل میں ڈالتے رہتے ہیں)

ان آیات میں اور اس قسم کے اور تمام استعمالات میں لفظ ایحاء سے مشتق افعال مذکورہ بالا لغوی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

(۲) شرعی معنی میں استعمال انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرداً فرداً بھی اور اجتماعی صورت میں بھی لفظ وحی اور ایحاء کا استعمال بڑی کثرت سے اور مختلف عنوانات سے ہوا ہے چنانچہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہے:۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وھارون وسلیمان وآتینا داؤد زبورا (النساء ع ۲۳)

(اے نبی) بیشک ہم نے تیرے پاس ایسے ہی وحی بھیجی ہے جیسے نوح اور اس کے بعد کے نبیوں کے پاس بھیجی ہے اور (جیسے) ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور انبیاء بنی اسرائیل کے پاس وحی بھیجی ہے اور عیسیٰ، ایوب، یونس ہارون اور سلیمان کے پاس وحی بھیجی ہے اور داؤد کو ہم نے زبور دی ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ جامع ترین آیت کریمہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی نبوت و رسالت کا خاصہ لازمہ ہے اور نوح علیہ السلام ـــ پہلے نبی مرسل ـــ سے لیکر خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاء و رسل کے پاس اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی ہے۔ اسی لئے امام بخاری علیہ الرحمہ نے "باب بدء الوحی" کے ذیل میں اسی آیت کریمہ کو ذکر کیا ہے۔

خاص قرآن عظیم کے متعلق ارشاد ہے:

نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک ھٰذا القرآن (سورۂ یوسف ع ۱)

ہم بیان کرتے ہیں تم سے بہترین قصہ اس لئے کہ ہم نے اس قرآن کی تمہارے پاس وحی بھیجی ہے۔

یہ قرآن کتاب اللہ ہے ارشاد ہے:

واتل ما اوحی الیک من — جو تیرے پاس تیرے رب کی کتاب بھیجی گئی ہے اس کی

کتاب۔ بلا، (الکہف ع ۷) تلاوت کیا کرو۔

قرآن کریم کے استعمال میں وحی اور ایحاء کا فرق

اگرچہ ارباب لغت وَحَیتُ اور اَوحَیتُ (ثلاثی اور مزید) دونوں کے ایک ہی معنی بیان کرتے ہیں چنانچہ جوہری کی صحاح میں لکھتے ہیں۔

یقال وَحَیتُ الیہ الکلام واَوحَیتُ وھوان یکلمہ بکلام یخفیہ۔ وحیت الیہ الکلام اور اَوحیتُ (ثلاثی اور مزید) دونوں خفیہ طریق پر کلام کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی تصریح کرتے ہیں:۔

واوحی ووحی لغتان والاولی افصح وبھا ورد القرآن۔ اوحی اور وحی (مزید اور ثلاثی) اگرچہ دونوں مستعمل ہیں مگر پہلا (اوحی) زیادہ فصیح ہے قرآن میں بھی یہی استعمال ہوا ہے

اسی طرح علامہ منظور افریقی لسان العرب میں ابو الہیثم (متوفی ...) کا قول نقل کرتے ہیں

قال ابوالهیثم: واما اللغة الفاشية فی القرآن فبالالف واما فی غیرالقرآن العظیم فوحیت الی فلان مشهور۔ ابوالہیثم کہتے ہیں: قرآن عظیم میں یہ لفظ عام طور پر "الف" کے ساتھ (اوحی) استعمال ہوا ہے قرآن کے علاوہ وحیتُ (بغیر الف) بھی مشہور ہے

چنانچہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات ہی میں نہیں بلکہ عام طور پر لغوی اور شرعی دونوں معنی میں اوحٰی (مزید) اور اس سے مشتق افعال استعمال ہوئے ہیں۔ باقی وحی کا لفظ قرآن عظیم کی صرف چھ آیات میں استعمال ہوا ہے۔

(۱ و ۲) حضرت نوح علیہ السلام کو سورۃ ھود اور سورۃ مومنون میں خطاب ہے۔

واصنع الفلك باعیننا ووحینا (ھود ع ۴، مومنون ع ۲) (اے نوح) تم کشتی بناؤ ہمارے سامنے اور ہمارے تبلانے کے مطابق

(۳) سورۃ طٰہٰ میں خاتم انبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے:۔

ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضٰی الیك وحیه (طٰہٰ ع ۶) اور تم قرآن (کے پڑھنے) میں اس کی وحی (اترنے) کے پورا ہونے سے پہلے جلدی مت کیا کرو۔

اس آیت کریمہ میں وحیہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے لہٰذا اس آیت میں وحی بھی بطور مصدر ہے۔

مذکورہ ذیل تین آیات میں وحی کا لفظ بطور اسم، نبوت اور رسالت کی طرح ایک خاص شرعی اصطلاح کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے:۔

(۴) انما انذرکم بالوحی (الانبیاء ۴) — اس کے سوا نہیں کہ میں تو تم کو صرف وحی کے ذریعہ (اللہ کے عذاب سے) خبردار کرتا ہوں (یعنی میرا ڈرانا تمہارا کلام ہے)

تمام انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلنے والے الفاظ اور کلام کے متعلق ارشاد ہے۔

(۵) وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (النجم ع ۱) — وہ (تمہارا نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا وہ (جو کچھ بولتا ہے وہ) تو صرف وحی ہوتی ہے جو اس کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

وحی کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

وحی کی حقیقت آیت کریمہ ذیل سے واضح ہوتی ہے۔ یہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے ایک موقعہ پر کئے ہوئے ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے کفار کہا کرتے تھے:

لولا یکلمنا اللہ (البقرہ پ ع ۱۴) — اللہ (تم ہی سے کلام کرتا ہے) ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا

حق سبحانہ وتعالیٰ اس سورۃ میں بطور جواب ارشاد فرماتے ہیں:۔

(۶) ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء (شوریٰ ع ۵) — کسی بشر کی یہ مجال نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے بجز اس کے کہ بطور وحی کے یا پردہ کے پیچھے سے (بات کرے) یا کسی پیغام رساں (الٰہی فرشتہ) کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وحی (اللہ کا کلام) پہنچا دے۔

آیت کریمہ دو اہم ترین حقیقتوں کو واضح کرتی ہے۔

وحی اللہ کا کلام ہے

(۱) ایک یہ کہ قرآنی اصطلاح میں اس وحی کی حقیقت اللہ کا کلام ہے[1] جو رسالت و نبوت کی خصوصیت ہے اسی اللہ کے کلام (وما کان لبشر ان) یکلمہ اللہ

[1] اس لئے کہ کفار و مشرکین نے اللہ کے کلام کا ہی مطالبہ کیا تھا جس کے جواب کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور الا کا استثناء ان یکلمہ اللہ سے ہے اور استثناء متصل ہے عربیت کے لحاظ سے تقدیر عبارت یہ ہو (باقی صفحہ ۲۱۷ پر)

کے بندوں تک پہونچانے کے لئے انبیاء ورسل بھیجے جاتے ہیں اللہ جل شانہٗ تکوینی طور پر اپنے اس کلام کو جس کے ثقل کی پہاڑ جیسی سخت مخلوق بھی متحمل نہیں ہو سکتی آنے والی تین صورتوں میں انبیاء ورسل تک پہونچا دیتے ہیں۔

اللہ کے کلام کرنے یعنی وحی الٰہی کی تین صورتیں "

(۲) دوسرے یہ کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ مذکورہ ذیل تین صورتوں میں انبیاء ورسل سے کلام فرماتے یا اپنا کلام ان کے پاس پہونچاتے ہیں۔

(۱) الا وحیا ـ وحی کے طور پر کلام فرمائیں ـ یعنے اللہ تعالیٰ اپنا کلام براہ راست بلاواسطہ فرشتہ، نبی و رسول کے دل میں القاء فرما دیتے ہیں۔

(۲) او من وراء حجاب ـــ پردے کے پیچھے سے اللہ کا کلام سنائی دے۔

(۳) او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشاء ـــ یا کسی پیغامبر کو بھیجیں اور وہ اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہے وہ پیغام (اللہ کا کلام) پہونچائے۔

ہم ان تینوں صورتوں کی تشریح وتفصیل اور باہمی فرق کو اپنے شیخ امام العصر حضرت مولینا انورشاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کی تحقیق کی روشنی میں بیان کرتے ہیں

وحی کی پہلی صورت

(۱) وحی کی پہلی صورت الا وحیا ہے یعنے براہ راست اور بلا واسطہ کلام کرنا ـ حضرت شیخ رح فرماتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶ سے آگے) الا ان یکلمہ وحیا او یکلمہ من وراء حجاب او یرسل رسولا الآیہ نفی صرف شفاھًا " (آمنے سامنے) کلام کرنے کی ہے اس لئے کہ یہ عظمت وجلال خداوندی کے بھی منافی ہے اور کسی مخلوق کے لئے قابل برداشت بھی نہیں صحیح مسلم کی حدیث ہے حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجہہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ ـــ اللہ کا حجاب (پردہ) نور ہے یعنی نور ہے اگر بالفرض اللہ اسکو کھول دے (ہٹادے) تو اس کے چہرہ کی شعاعیں جہاں تک اس کی نگاہ پہونچے تمام مخلوق کو پھونک دیں ـــ اس لئے روبرو اور آمنے سامنے ہو کر کلام کرنا تو کسی مخلوق کے لئے ممکن ہی نہیں ہاں آنے والے تین طریقوں سے اللہ اپنا کلام انبیاء ورسل تک پہونچاتا ہے۔ چونکہ خطاب کفار سے ہے جو سرے سے رسالت ونبوت کے منکر ہیں اس لئے ما کان لنبی کے بجائے۔ ما کان لبشر عنوان اختیار فرمایا ہے۔

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ "موحیٰ الیہ" کے (جس سے کلام کیا جائے) اس کے باطن۔ ذی شعور روح۔ کو (جسم مادی سے) عالمِ قدس کی جانب کھینچ لیا جاتا ہے یعنے مسخر کرلیا جاتا ہے پھر اس باطن ۔۔ روح ۔۔ میں وہ اللہ کا کلام دفعتاً ڈالدیا جاتا ہے فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس وحی کے معنی اعلام بخفیۃ ہیں یعنے خفیہ اور غیر محسوس طریق پر آگاہ کردینا۔"

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ ذیل میں۔

سنلقی علیک قولا ثقیلا (مزمل ع ۱)	ہم تمہاری جانب ایک گراں اور دشوار کلام کا القاء کریں گے

آپ کو اس القاء (ڈالدینے) سے بھی آگاہ کیا ہے اور اپنے کلام کے ثقل (گرانی اور شدت) سے بھی آپ کو باخبر کیا ہے

اور آیت کریمہ ذیل میں مخالفین کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کے دور کرنے اور آپ کو اور اُمت کو اطمینان دلانے کی غرض سے اس امر کی توثیق فرمائی ہے کہ یہ قرآن اللہ جل شانہٗ کی جانب سے ہی آپ پر القاء کیا جارہا ہے ارشاد ہے۔

وانك لتلقی القرآن من لدن حکیم علیم (النمل ع ۱)	اور بیشک قرآن آپ پر بڑی حکمت اور علم والے (پروردگار) کے پاس سے القاء کیا جارہا ہے

حضرت شیخ فرماتے ہیں: اس صورت میں نہ کسی واسطے ۔ فرشتہ ۔ کا دخل ہوتا ہے نہ ہی موحیٰ الیہ کے حواس یعنے "سننے" کا مطلق دخل ہوتا ہے بلکہ موحیٰ الیہ کے بدن سے منسلخ روح پر وہ کلام دفعتاً ڈالدیا جاتا ہے اور وہ فوراً ثبت ونقش ہوجاتا ہے۔

موجودہ دور کی سائنسی اور مادی ایجادات ٹیلی ویژن وغیرہ نے اس ملکوتی اور روحانی حقیقت کو اس مادی زندگی میں سمجھنا اور باور کرنا آسان کردیا ہے۔

اللہ کے کلام کرنے یعنے وحی الٰہی کی دوسری صورت

(۲) حق جل وعلیٰ کے کلام فرمانے کی دوسری صورت او من وراء حجاب ہے یعنے اللہ جل شانہٗ پس پردہ کلام فرمائیں۔ فرماتے ہیں: اس صورت میں واسطے یعنے فرشتہ کا تو دخل

نہیں ہوتا مگر موحیٰ الیہ کے حواس یعنی سمع — سننے — کا دخل ہوتا ہے یعنی وہ اللہ جل وعلی کے کلام کو غیر معہود طریق پر یعنی بغیر کسی جہت اور زمان ومکان کی تعیین وتخصیص کے اپنے کانوں سے سنتا ہے" من وراء حجاب کا مطلب یہی ہے کہ موحیٰ الیہ صرف کلام اپنے کانوں سے سنتا ہے اتنا یقین ہوتا ہے کہ متکلم اللہ ہے لیکن کہاں ہے کس طرف ہے اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ فرماتے ہیں: منقول ہے کہ حضرتِ موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوہ طور پر اللہ کا کلام ہر طرف سے سنائی دے رہا تھا" نیز فرماتے ہیں: حق جل وعلی نے لیلۃ الاسراء (شبِ معراج) میں خاتم انبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی صورت میں کلام فرمایا ہے" جس کا ذکر سورۃ والنجم کی آیت فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ میں آیا ہے۔

اللہ کے کلام یعنے وحی الٰہی کی تیسری صورت

(۳) اللہ جل شانہٗ کے کلام فرمانے کی تیسری صورت او یرسل رسولا فیوحی باذنہٖ ما یشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتے — جبرئیل علیہ السلام — کو اپنے کلام — وحی — کا حامل[1] بنا کر نبی مرسل کے پاس بھیجیں اور وہ بعینہٖ اللہ کا کلام اس نبی کے پاس پہونچا دے۔ فرماتے ہیں:

پھر اس فرشتے کے وحی پہونچانے کی بھی دو صورتیں ہوتی ہیں

(۱) کبھی تو وہ فرشتہ نبی کے باطن — روح شاعرہ کو (بدن سے) اپنی طرف کھینچ لیتا ہے یعنے مسخر کر لیتا ہے اور خود اپنی ملکی صورت پر قائم رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس روح شاعرہ پر دفعتًا القاء کر دیتا ہے۔

---

[1] فرشتہ بعینہٖ اللہ کے کلام کا اسی طرح حامل بن جاتا ہے جیسے — بلاتشبیہ — ٹیپ ریکارڈ مشین "کا فیتہ" ٹیپ — بولنے والے کی بعینہٖ گفتگو، حتیٰ کہ لب ولہجہ انداز آواز کے اتار چڑھاؤ کا بھی حامل ہوتا ہے اور پھر وہ فرشتہ نبی مرسل کے پاس ہو بہو اور بعینہٖ اس اللہ کے کلام کو اسی طرح پہونچا دیتا ہے جیسے "ٹیپ ریکارڈ مشین" بولنے والے کی گفتگو کو سننے والوں تک اس طرح پہونچا دیتی ہے کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ بولنے والا ہمارے سامنے کھڑا ہے چنانچہ "ٹیلی ویژن" کے ذریعہ تو سامنے نظر بھی آتا ہے... اسی لئے فرشتہ کے رسول کے سامنے اللہ کا کلام پڑھنے کو اللہ جل وعلیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ارشاد ہے فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ پس جب ہم اس (قرآن) کو پڑھیں تو تم اس کے پڑھنے کا اتباع کرو یعنی کان لگا کر سنو — تو جدید سائنسی ایجادات کی یہ مثالیں محض سمجھنے میں آسانی کی غرض سے ذکر کی گئی ہیں ورنہ اللہ کا کلام انبیاء ورسل تک اس کے پہونچنے کی اصل حقیقت تک تو انسانی عقل وفہم کی رسائی ممکن ہی نہیں ۱۲

(۲) اور کبھی وہ فرشتہ خود اپنی ملکی صورت سے انسانی صورت میں آجاتا ہے اور بعینہ اللہ کا کلام پہونچا دیتا ہے اس دوسری صورت کے ثبوت میں فرماتے ہیں: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ میں فرمایا ہے:

فتمثل لها بشرا سویا (مریم ع ۲) — پس وہ (فرشتہ جبرئیل) ایک تنومند تندرست بشر کی صورت میں اس (مریم) کے سامنے آگیا۔

چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام عام طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک حسین وجمیل صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آیا کرتے تھے مگر اس صورت میں ان کو عموماً تو صرف آپ ہی دیکھتے تھے اور کبھی کبھی دوسرے صحابہ بھی دیکھتے تھے مگر یہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ انسان نہیں فرشتہ ہیں ان کے جانے کے بعد آپ بتلاتے کہ یہ حضرت جبرئیل تھے تب ان کو علم ہوتا جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل ایک غیر معروف اور اجنبی انسان کی صورت اور حلیہ میں صحابہ کے مجمع میں آپ کے پاس آئے اور بغرض تعلیم امت آپ سے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے متعلق سوالات کئے اور آپ نے وحی الہی کے تحت ان کے جوابات دیئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد آپ نے بتلایا: ھٰذا جبرئیل جاء لیعلمکم دینکم — یہ جبرئیل تھے تمکو دین کی تعلیم سے آگاہ کرنے کے لئے آئے تھے۔

اس آیت کریمہ میں بیان شدہ وحی الہی کی تین صورتوں کے متعلق یہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی تحقیق ہے باقی عام محدثین ومفسرین الا وحیا کے تحت وحی بواسطہ فرشتہ کی پہلی قسم کو داخل کرتے ہیں اور او یرسل رسولا کے تحت وحی بواسطہ فرشتہ کی دوسری قسم کو داخل کرتے ہیں اور فرشتہ کے واسطہ کے بغیر وحی کا مصداق صرف او من وراء حجاب کو قرار دیتے ہیں۔ دراصل یہ اختلاف صحیح بخاری باب بدء الوحی کی حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تشریح وتحقیق میں ہے تفصیل کے لئے فتح الباری، عمدۃ القاری اور فیض الباری کی مراجعت کیجئے۔

وحی کی دو قسمیں

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بیان شدہ نزول وحی الہی کی تین صورتوں کے تحت ہی علماء شریعت نے اصولاً وحی کی دو قسمیں قرار دی ہیں اور ہر ایک کے خصائص واحکام الگ الگ بیان کئے ہیں ایک وحی متلو اور دوسرے وحی غیر متلو ہمارے

موضوع بحث کے پیش نظر ان کا بیان کرنا از بس ضروری ہے۔

وحی متلو اللہ جل شانہٗ کا وہ قطعی اور یقینی کلام یعنی قرآن عظیم ہے ـــــ جو اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور اسکی دیگر صفات کی طرح ازلی ، ابدی اور غیر مخلوق ہے جس کے نہ صرف حروف و الفاظ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ہیں بلکہ مفہوم و معنی ، مراد و مصداق بھی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ہیں۔ جس کو مخالفین و منکرین کے سامنے بطور "تحدی" (چیلنج) پیش کیا گیا ہے کہ اگر تمکو اس کے اللہ کا کلام ہونے میں ذرہ برابر شک و شبہ ہو تو نہ صرف تم بلکہ تمہارے ساتھ تمام غیر خدائی طاقتیں ملکر اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ ارشاد ہے :۔

فان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءکم من دون الله ان کنتم صادقین (البقرہ پ ۱ ع ۳)	اور اگر تمکو اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے ذرا سا بھی شک ہو تو تم ایک سورت ہی اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا جو بھی تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

اور پھر کتنے عزم و یقین کے ساتھ خبر دی ہے کہ دنیا کی قدرت سے باہر ہے کہ وہ اس اللہ کے کلام کی مثال پیش کر سکے ارشاد ہے :۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة اعدت للکافرین (ایضاً)	پس اگر تم (ایسا) نہ کر سکو اور ہمیں یقین ہے، تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو پھر تم اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں وہ منکروں کے لئے ہی تیار کی گئی ہے

چنانچہ نزول قرآن کے زمانہ سے آج تک یہ تحدی (چیلنج) اپنی جگہ قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا اور آج تک اس کی مثال پیش کی جا سکی نہ کی جا سکتی ہے۔

وحی متلو کے خصائص (۱) اسی لئے اس کلام کو معجزہ (عاجز کر دینے والا) کہا گیا ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے۔

(۲) یہی کلام ـ قرآن ـ متلو ہے۔ سلئے کہ آپ اور آپ کے اتباع میں پوری اُمت اسکی مامور ہے ارشاد ہے:

وان اتلوا القرآن (النمل ع ۷)	اور مجھکو حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔

(۳) یہی مقصد ہے اس لئے کہ نماز میں اس کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے:۔

فاقرؤا ما تیسر من القرآن (مزمل ع ۲) پس جتنا میسر ہو (نماز میں) قرآن پڑھ لیا کرو

(۴) یہی اللہ کا وہ صداقت اور عدل و مساوات پر مبنی تام اور کامل و اکمل کلام ہے جس میں رہتی دُنیا تک کسی بھی زمانہ میں کسی بھی قسم کے تغیر و تبدل کا امکان نہیں ارشاد ہے:۔

وتمت کلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل لکلماته الله (الاعراف ع ۱۴)	اور تیرے پروردگار کا کلمہ (کلام) صداقت اور عدل (و مساوات) کے اعتبار سے تام (اور کامل) ہو چکا اللہ کے کلمات (کلام) میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔

(۵) اور نہ ہی اس کلام میں کوئی بھی فرد یا جماعت تغیر و تبدل کی مجاز ہے ارشاد ہے:۔

واتل ما اوحی الیك من کتاب ربك لا مبدل لکلماته ولن تجد من دونه ملتحدا (الکہف ع ۴)	(اے نبی) تم اپنے رب کی کتاب کی جو تم پر بصورت وحی اُتاری گئی ہے (لوگوں کے سامنے) تلاوت کرو جس کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہو سکتا اور تم اس پروردگار کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہ پاؤ گے۔

(۶) جس طرح اس وحی — کلام اللہ — کے الفاظ — جو آپ نے اُمت کو پہونچائے — اللہ کی طرف سے اُتارے ہوئے ہیں اسی طرح آپ نے اُن کے جو معنی و مفہوم اور مراد و مصداق اُمت کو بتلائے وہ بھی خود اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے ہیں ارشاد ہے:

لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علینا جمعه وقرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه (القیامة ع ۱)	تم جلدی (یاد کر لینے) کی غرض سے اپنی زبان کو حرکت نہ دو (ساتھ ساتھ نہ پڑھو) بیشک ہمارے ذمہ ہے اس کو (تمہارے دل میں) محفوظ کر دینا اور (زبان سے) اس کو پڑھا دینا لہٰذا جب ہم اسکو پڑھیں تو تم اس کو کان لگا کر سنتے رہو۔ پھر اس (کے معنی و مراد) کا بیان کر دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

اور یہی کلام الٰہی کے نازل کرنے کے ساتھ ساتھ نبی کو مبعوث کرنے کا منشا ہے کہ نبی "انسان" ہے

انسانوں کو اُن کے انداز میں اللہ کے کلام کے معنی و مطلب، مراد و مصداق سمجھا دے اُس پر عمل کر کے دکھلا دے ارشاد ہے :۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (النحل ع ۶)

اور ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کو واضح طور پر اس (دین) کو بیان کر دو جو ان کے لئے اتارا گیا ہے۔

اس تبیین کی مزید تفصیلات آیت مذکورہ بالا کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

(۷) یہی وہ اللہ کا کلام ہے جس کے خود اللہ تعالیٰ محافظ ہیں ارشاد ہے :۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (الحجر ع ۱)

ہم ہی نے اس نصیحت (کی کتاب) کو اتارا ہے ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

(۸) یہی وہ اللہ کا کلام ہے جس کے لفظاً اور معناً غیر اللہ کی در اندازی بلکہ دسترس سے محفوظ ہوتے کی خبر ذیل کی آیت میں دی گئی ہے ارشاد ہے :

ان الذین کفروا بالذکر لما جاءھم وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (السجدۃ ع ۵)

بیشک وہ لوگ (بھی ہم سے مخفی نہیں ہیں) جنہوں نے اس نصیحت (کی کتاب) کا انکار کر دیا جب وہ ان کے پاس آئی۔ حالانکہ وہ ایک محکم کتاب ہے اس میں باطل نہ آگے سے راہ پا سکتا ہے نہ پیچھے سے۔

لغت اور عربیت کے مشہور امام زمخشری اپنی تفسیر کشاف میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

مثل کان الباطل لا یتطرق الیہ ولا یجد سبیلا من جھۃ من الجھات حتی یصل الیہ ویتعلق بہ

یہ ایک تمثیل ہے گویا باطل اس قرآن میں مطلق راہ نہیں پا سکتا اور نہ اسے اس کتاب میں رخنہ اندازی کے لئے کسی بھی جہت سے اور کسی بھی صورت سے کوئی راستہ نہیں مل سکتا کہ قرآن تک اس کی رسائی ہو سکے اور اس میں رخنہ اندازی کر سکے۔

اس کے بعد ایک علمی اعتراض نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں :۔

فان قلت : أما طعن فيه الطاعنون وتاول المبطلون

قلت : بلى ولكن الله قد تقدم في حمايته عن تعلق الباطل بان قيض قوما عارضوهم بابطال تاويلهم وافساد اقاويلهم فلم يخل طعن طاعن الا ممحوقا ولا قول مبطل الا مضمحلا ونحوه قوله تعالى انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون ۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ طعن و تشنیع کرنے والوں نے ہمیشہ قرآن کو نشانہ بنایا ہے اور باطل پرستوں نے نت نئی تاویلیں کی ہیں ؟

جواب :- کیوں نہیں لیکن اللہ جل حکمتہ نے پہلے سے قرآن کو باطل کی دسترس سے محفوظ رکھنے اور بچانے کا یہ انتظام فرمایا ہے کہ ہر زمانہ میں ان (شرپسند) اہل باطل کی خود ساختہ تاویلوں اور بے سروپا اقوال کی بیخکنی کے لئے علماء ربانیین کی ایسی جماعتیں پیدا فرمائی ہیں جنہوں نے ہر طعن و تشنیع کی جڑیں اکھاڑ پھینکی ہیں اور ہر بے سروپا اعتراض کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ہے یہی حقیقت ہے اللہ کے اس وعدہ کی کہ ہم ہی نے یہ قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۔

الحاد و ملحد

بلطور تمثیل "آگے سے باطل کے راہ پانے سے" علانیہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کا انکار[1] کرنے والے یا اس میں کمی بیشی کا دعویٰ[2] کرنے والے باطل پرست مراد ہیں اور "پیچھے سے باطل کے راہ پانے" سے مراد قرآن کو اللہ کا کلام مان کر غیر محسوس طریق پر اس کی بیخکنی کرنے والے وہ باطل پرست مراد ہیں جو قرآن کریم کی صریح اور قطعی آیات اور منصوص احکام میں "خانہ ساز" علل و اغراض اختراع کر کے نت نئی تاویلیں اور ترمیم و تصرف کرتے ہیں[3] اسی کا نام قرآن کی اصطلاح میں الحاد ہے جس کا ذکر اسی آیت کریمہ کے ابتدائی حصہ میں ذیل کے الفاظ میں فرمایا ہے :-

---

[1] جیسے تمام مستشرقین یورپ [2] جیسے غالی شیعہ ۱۲ [3] جیسے عہد حاضر کے "سرکاری" محقق فرماتے ہیں : "درحقیقت ابدیت ان علل و غایات کو حاصل ہے جو قرآنی احکام کی تہ میں ہیں اور ہمیشہ قرآن سے صراحتاً یا کنایتاً یا سیاقاً اخذ کی جا سکتی ہیں (نہ کہ قرآنی احکام کو)" ملاحظہ فرمایئے مقالہ قرآن کی ابدیت ماہنامہ فکر و نظر ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۵ء شمارہ ۴ ج ۳ ص ۲۳۰ - ۱۲

ان الذین یلحدون	بیشک وہ لوگ جو ہماری آیات کا بیان کرنے میں
فی آیاتنا لایخفون علینا	ٹیڑھے چلتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں (ہم ان
(السجدہ ۵ ع ۵)	کو خوب جانتے ہیں)

مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے معروف و مشہور تابعی شاگرد حضرت مجاہد الحاد فی الآیات کی تفسیر ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں:

هو ان یوضع الکلام	حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ کلام کو بے جگہ
علی غیر موضعه وکذا	استعمال کرنے کا نام الحاد ہے حضرت مجاہد سے بھی الحاد
عن مجاهد	کی تفسیر اسی طرح مروی ہے۔

علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں حضرت ابن عباس کے مذکورہ بالا قول کی تشریح ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں:

ینحرفون فی تاویل القرآن	اہل باطل قرآن کی مراد بیان کرنے میں صحت اور استقامت
عن جهة الصحة والاستقامة	کی راہ سے انحراف کرتے ہیں اور قرآن کی آیتوں کے
فیحملونها علی المحامل الباطلة وهو	باطل اور بے اصل مصداق بتلاتے ہیں حضرت
مراد ابن عباس بتولہ یضعون	ابن عباس کا مطلب یہی کلام کو بے محل استعمال کرنے
الکلام فی غیر موضعه یقال	سے یہی ہے چنانچہ لغت میں الحد کا لفظ اعتدال اور استقامت
الحد اذا مال عن القصد	سے ہٹ جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
والاستقامة (روح المعانی جزء ۲۴)	

علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں الحاد فی الآیات کے معنی حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

الانحراف فی تاویل القرآن عن	الحاد کے معنی ہیں قرآن کی آیات کی مراد بیان کرنے میں
جهة الصحة والاستقامة	صحت اور استقامت کی راہ

علامہ افریقی لسان العرب میں لغت کے مشہور امام ابن السکیت (متوفی سنہ) سے ملحد حسب ذیل نقل کرتے ہیں:

قال ابن السکیت: الملحد العادل	ابن سکیت نے کہا ہے ملحد وہ شخص ہے جو حق سے

عن الحق المدخل فیہ مالیس فیہ یقال قد الحد فی الدین ولحد ای حاد عنہ

انحراف کرکے جو حق نہیں ہے اس کو حق میں داخل کردے (حق بنا دے)، چنانچہ لغت میں الحد اور لحد کے الفاظ دین سے ہٹ جانے اور منحرف ہو جانے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

ائمہ تفسیر ولغت کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ قرآن عظیم کی کسی بھی آیت کا، از روئے لغت وعربیت یعنے صحت اور از روئے دین وشریعت حقہ یعنے استقامت کی راہ سے ہٹ کر کوئی ایسا مفہوم ومعنی یا مراد ومصداق بتلانا — جو نہ از روئے لغت وزبان عربی صحیح اور درست ہو اور نہ اصول دین وشریعت کے مطابق وموافق ہو نہ سلف سے لیکر خلف تک کسی نے بتلایا ہو — قرآن کی اصطلاح میں الحاد[1] ہے اور وہ شخص ملحد ہے۔

---

[1] قرآن کریم کی ان صریح آیات کے ہوتے جو مسلمان "بدلے ہوئے زمانے اور حالات" اور اُن کے "جدید تقاضوں" کی آڑ لیکر قرآن کریم کی قطعی آیات اور منصوص احکام میں ترمیم وتصرف اور تغیر وتبدل کرنے کے درپے ہیں یا قرآن کریم کی تشریح وتعبیر کا خود کو یا کسی بھی فرد یا جماعت کو مجاز قرار دیتے ہیں وہ قطعاً ملحد ہیں۔

آنا نہیں سوچتے کہ انسانوں کا علم تو بیشک اپنے زمانہ، ملک، معاشرہ اور اُس کے ظروف واحوال تک محدود ہوتا ہے وہ اُسی کے تقاضوں اور ضرورتوں کو سامنے رکھکر قانون بناتے ہیں اسکے لئے ان کا بنایا ہوا قانون یقیناً بدلے ہوئے زمانے، ملک وقوم، معاشرہ اور حالات میں ناکارہ، ناقابل عمل اور محتاج تغیر وتبدل اور اُنکی اصلاح وترمیم ہو جاتا ہے اسی لئے انسانی بنائے ہوئے قوانین میں ہمیشہ تغیر وتبدل، اصلاح وترمیم کا عمل جاری رہا ہے اور رہے گا انسانی قانون سازی کی تاریخ اس کی شاہد ہے۔

لیکن وہ ازلی وابدی علم کا مالک عالم الغیب رب العالمین جس کے علم کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل سب برابر ہیں، موجود، معدوم اور حاضر وغائب سب یکساں ہیں ابتداء آفرینش سے اب تک جو کچھ کائنات میں ہو چکا ہے، ہو رہا ہے اور قیامت تک جو کچھ ہوگا، وہ سب اس کے سامنے یکساں ہے وہ رب اسی کے ساتھ ساتھ وہ قادر مطلق اور لامحدود قدرت وتصرف کا بھی مالک اور فعّال لما یرید" ہے اس لئے اس رب العالمین کا بنایا ہوا قانون یقیناً ہر زمانے، ہر قوم، ہر ملک، ہر معاشرہ اور سارے بدلتے ہوئے حالات میں یکساں قابل عمل اور تمام گزشتہ، موجودہ اور آئندہ ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کا ضامن ہونا چاہیے خصوصاً جبکہ وہ اپنے پسندیدہ قانون — دین اسلام — (باقی صفحہ ۲۲۷ پر)

وحی غیر متلو احکام شرعیہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر امر، نہی، قول، فعل اور بیان سکوتی بھی اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جس کی شہادتیں قرآن کریم کی آیات میں آپ بکثرت پڑھ چکے ہیں اس لئے آپ کی ہر قولی، فعلی اور سکوتی حدیث بھی "وحی الٰہی" ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶ سے آگے) کے ناقابل تغیر و تبدل اور کامل و اکمل ہونے کا اعلان بھی کر رہا ہے اور اپنے کلام - قرآن - کے معنی و مراد بیان کرنے کا ذمہ بھی خود لے رہا ہے اور صاحب وحی و الہام نبی معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے آگاہ کر کے اس کی تبیین - تشریح و تعبیر - کا منصب بھی ان کو سپرد کر رہا ہے ایسی صورت میں جب نبی بھی اپنی طرف سے اور اپنی خواہش سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا تو کسی دوسرے شخص کی تو کیا مجال ہے کہ اس قانون الٰہی میں کسی بھی قسم کے تغیر و تبدل کا نام لے سکے۔

ورنہ احکام اسلام - قرآن کو بدلے ہوئے زمانے جدید معاشرے اور ان کے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنے اور تبدیلی کی ضرورت کا نام لینے والے **جواب دیں**

اگر اس زمانے کے بدلے ہوئے حالات، سائنسی، صنعتی اور اقتصادی ایجادات و ترقیات اور معاشرے کے جدید تقاضوں کی بنا پر قرآنی قوانین و احکامات اس وقت موزوں اور قابل عمل نہیں اور ان میں تغیر و تبدل اور ترمیم و تجدید کی ضرورت ہے تو

(۱) کیا اللہ تعالیٰ شانہٗ کو اس کا علم نہ تھا کہ فلاں زمانہ میں ایسی ایسی سائنسی صنعتی اور اقتصادی ایجادات و ترقیات وجود میں آئیں گی اور ان کے تقاضوں کے پیش نظر یہ قوانین و احکام ناکارہ ناقابل عمل، اور ترمیم و تجدید کے محتاج ہو جائیں گے اور اس لاعلمی کی بنا پر ان ناکارہ ہو جانے والے قوانین و احکام کے تام، کامل اور ناقابل تغیر و تبدل ہونے کا اعلان کر دیا؟

(۲) یا علم تو تھا مگر ان ناکارہ اور محتاج اصلاح ہو جانے والے قوانین و احکام میں ایسی اصلاح و ترمیم کی قدرت نہ تھی کہ ان کو ایسا تام اور کامل بنا دیتے۔ کہ کسی بھی زمانہ میں وہ ناکارہ اور محتاج ترمیم و تجدید نہ ہوتے؟

(۳) یا علم بھی تھا اور قدرت بھی تھی اس کے باوجود ایسے ناقص و ناکارہ ہو جانے والے قوانین و احکام کے تام، کامل اور ناقابل تغیر و تبدل ہونے کا اعلان کر دیا؟

پہلی صورت میں اس عالم الغیب خدائے پاک و برتر کی جانب جہل اور لاعلمی کی نسبت لازم آتی ہے جو کھلا ہوا کفر ہے

دوسری صورت میں اس قادر مطلق فعال لما یرید کی جانب کسی بھی زمانہ میں ناکارہ نہ ہونے والے کامل و اکمل قانون بنانے سے عاجز ہونے کی نسبت لازم آتی ہے جو بدترین کفر ہے۔

تیسری صورت میں جان بوجھ کر ناقص و ناکارہ ہو جانے والے احکام و قوانین کے تام، کامل اور ناقابل تغیر و تبدل

(باقی صفحہ ۲۲۸ پر)

وحی متلو و غیر متلو میں فرق

مگر فرق یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہوتے ہیں مفہوم اور معنی کا القاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جاتا ہے اس لئے اگرچہ وہ بھی وحی الٰہی ہے اور مفہوم و معنی کے اعتبار سے اللہ کا کلام ہے مگر نہ متلو ہے نہ مقرو نہ ہی وہ آپ کا معجزہ ہے اور نہ ہی متحدّی بہ (چیلنج کے طور پر پیش کیا گیا) ہے یہی قرآن و حدیث میں فرق مراتب و مدارج ہے۔

وحی متلو اور غیر متلو میں ایک اور فرق

وحی متلو یعنے قرآن عظیم وحی کی تیسری قسم او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء یعنے وحی بواسطہ فرشتہ کی ہر دو صورتوں کے تحت داخل ہے اور پورا قرآن کریم جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس لیکر آتے ہیں بسورۂ نحل میں ارشاد ہے:۔

قل نزّلہ روح القدس من ربك بالحق (النحل ۱۴)	(اے نبی) تم کہدو اس (قرآن) کو اتارا ہے پاک فرشتے (جبرئیل) نے تمہارے رب کی جانب سے برحق۔

سورۃ شعراء میں ارشاد ہے:۔

وانہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبك لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین (ع ۱۱)	اور یہ (قرآن) پروردگار عالم کی طرف سے اتارا ہوا ہے اس کو تمہارے دل پر اتارا ہے امین فرشتہ (جبرئیل) نے تاکہ تم بھی خبردار کرنے والے (نبیوں) میں شامل ہو صاف اور شستہ عربی زبان میں

سورۃ والنجم میں ارشاد ہے:۔

علمہ شدید القوی ذو مرۃ (النجم ۱۸)	اس وحی کو سکھلایا (پڑھایا) ہے ایک بڑی طاقتوں والے باوجاہت فرشتہ (جبرئیل) نے

سورۃ تکویر میں ارشاد ہے:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰ سے آگے) ہونے کا اعلان کر دینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ اور دھوکہ دہی کی نسبت لازم آتی ہے جو صریح کفر ہے۔ لہٰذا براہِ کرم بتلائیں کہ وہ ان تینوں قسم کے کفروں سے کونسا کفر اختیار کرتے ہیں یا اپنی جہالت و حماقت سے تائب ہو کر خدا سے مغفرت اور عفو کی دعا مانگتے ہیں۔ ہدیکم اللہ ویتجاوزنا عن سفاھتکم۔

انه لقول رسول کریم ذی قوة	بیشک یہ (قرآن) ایک معزز ایلچی کا قول (پیغام) ہے جو بڑی
عند ذی العرش مکین ، مطاع	قوت والا ہے اور عرش کے مالک کے ہاں اس کا بڑا رتبہ
ثم ، امین .	ہے وہ وہاں (سب فرشتوں کا) سردار ہے، امین ہے۔

قرآن عظیم کی ان نصوص — صریح آیات — سے ثابت ہے کہ پورا قرآن آپ کے پاس حضرت جبرئیل امین لیکر آئے ہیں باقی کبھی تو حضرت جبرئیل اپنی اصلی ملکی صورت سے منسلخ (الگ) ہوکر انسانی شکل میں آتے اور اللہ کا کلام — قرآن کی آیات — آپ کے سامنے پڑھتے اور فوراً خرق عادت کے طور پر آپکو یاد ہو جاتا اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح شاعرہ کو آپ کے مادی جسم سے منسلخ اور مسخر کرتے اور اللہ کا کلام اس پر القاء کرتے اور وہ فوراً آپکی روح شاعرہ میں نقش اور ثبت ہوجاتا ظاہر ہے کہ یہ دوسری صورت آپ کے لئے جسمانی اعتبار سے کافی شدت اور مشقت کا موجب ہوتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری کے باب بدء الوحی کی دوسری حدیث میں حارث بن ہشام کے سوال کیف یاتیك الوحی کے جواب میں آپ نے یہ دونوں صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ اور دوسری صورت — جو مذکورہ حدیث میں اوّل مذکور ہے — کے متعلق فرمایا ہے وھو اشدہ علی۔ اس نزول وحی کی شدت — جو اس کے اللہ کا کلام ہونے کی دلیل ہے — کی تفصیلات کے لئے کتب حدیث کی مراجعت کیجئے۔

ہمارے اُستاذِ حدیث حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ شعراء کے فوائد کے ذیل میں مذکورہ بالا آیت کریمہ کے فائدہ کے تحت لکھتے ہیں

> علی قلبك کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہیں — یعنے کبھی صلصلۃ الجرس کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آکر بات کرنا ان میں سے قرآن کی وحی اغلباً پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی کیونکہ دونوں حالتوں میں محققین کے نزدیک فرق یہ تھا کہ پہلی حالت میں پیغمبر کو بشریت سے منخلع ہوکر ملکیت کی طرف جانا پڑتا تھا گویا اس وقت آلات جسدانیہ کو بالکل معطل کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے دل کے کانوں سے وحی کی آواز کو سنتے اور دل کی آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے تھے اور دل کی الٰہی قوتوں سے ان علوم

کی تلاوت کرتے اور محفوظ رکھتے تھے بخلاف دوسری حالت کے کہ اس میں فرشتہ کو ملکیت سے نزول کر کے بشریت کی طرف آنا پڑتا تھا۔ اس وقت پیغمبر اپنی ظاہری آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور انہی ظاہری کانوں سے آواز سنتے تھے یہی وجہ ہے کہ پہلی قسم کو احادیث میں فرمایا کہ ھو اشدہ علی (وہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے) کیونکہ اس میں بشریت سے ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ شیخ عثمانی رحمہ اللہ وحی الٰہی کی تین صورتوں میں سے پہلی صورت الا وحیا کو بھی وحی بواسطہ فرشتہ قرار دیتے ہیں۔

باقی وحی غیر متلو یعنے قرآن عظیم کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر تشریعی احکام اور لسانی یا سکوتی اقوال و افعال جن کے وحی الٰہی کے تحت سرزد ہونے کی شہادت قرآن عظیم دے رہا ہے یہ وحی آپ کے پاس فرشتہ کے واسطے کے بغیر بھی آتی ہے یعنے بصورت القاء فی القلب جس کو حدیث میں نفث فی الروع (دل میں ڈال دینے) سے تعبیر فرمایا ہے اور فرشتہ کے ذریعہ بھی آتی ہے بالفاظ دیگر یہ وحی غیر متلو وحی کی پہلی دو صورتوں کے تحت داخل ہے۔ اکثر و بیشتر آپ نے اس کے منجانب اللہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ جس کو اصولیین کی اصطلاح میں وحی جلی غیر متلو کہتے ہیں اور بسا اوقات اس کی تصریح نہیں بھی فرمائی ہے۔ جس کو اصولیین کی اصطلاح میں وحی خفی غیر متلو کہتے ہیں ــــ اور بسا اوقات انتظار کے باوجود وحی نہ آنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ "اصول تشریع" کے تحت اپنے اجتہاد یا صحابہ کے مشورے سے بھی آپ نے احکام شرعیہ نافذ کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو برقرار رکھا ہے۔ جس کو اصولیین کی اصطلاح میں وحی مآلاً کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل آپ عنقریب پڑھیں گے۔

وحی متلو اور غیر متلو کے احکام میں فرق

وحی متلو قرآن عزیز جو اللہ کا کلام ہے یہ ایسا بدیہی اور یقینی امر ہے کہ کسی بھی ثبوت اور دلیل کا محتاج نہیں بلکہ "آفتاب آمد دلیل آفتاب"۔ نہ اس کے ثبوت کے لئے کسی سند کی ضرورت ہے اور نہ راویوں (حفاظ قرآن) کے نام بتلانے کی۔ نزول قرآن کے وقت سے اس وقت تک قرنا بعد قرن ــــ عہد بعہد ــــ ہر زمانے کے لوگ اس قرآن کو اللہ کا کلام مانتے، پڑھتے پڑھاتے اور یاد کرتے کراتے چلے آئے ہیں۔ علمی

اصطلاح میں اس کا نام "تواتر طبقہ" ہے اور یہ تواتر کی قوی ترین قسم ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کی کسی ایک آیت کا تو ذکر کیا کسی ایک لفظ کا انکار یا اس میں کمی بیشی کا دعویٰ یا شک و شبہ کرنا کفر ہے کوئی مسلمان ایسا کرے تو وہ مرتد ہے

وحی غیر متلو۔ حدیث ـــ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل ہے اس کے قول و فعلِ رسول ہونے کے لئے سند یعنے راویانِ حدیث، ان کی تعداد نیز ان کی عدالت و ثقاہت کا حال معلوم ہونا ضروری ہے اس لئے حدیث کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔

(۱) ایک وہ احادیث جن کے روایت کرنے والوں کی تعداد ہر زمانہ میں اتنی اور ایسی رہی ہو کہ ان سب کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بے اصل حدیث کو منسوب کرنے اور جھوٹ بولنے پر اتفاق ـــ سازش ـــ کر لینا عادتاً محال ہو۔ اس کو محدثین کی اصطلاح میں تواترِ سند کہتے ہیں۔

یا وہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لیکر اس وقت تک طبقتاً عن طبقۃٍ ـــ عہد بعہد ـــ اس قدر مشہور و معروف رہی ہوں اور ہر عہد کے مسلمان ان کو اپنے سے پہلے عہد کے مسلمانوں سے اس طرح روایت کرتے چلے آئے ہوں کہ ان احادیث کے متعلق بے اصل ہونے کا عادتاً امکان نہ ہو۔ محدثین کی اصطلاح میں اس کو تواتر طبقہ کہتے ہیں۔

یا ان احادیث پر رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک ہر عہد کے مسلمان سُنّتِ رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے اس طرح عمل کرتے چلے آئے ہوں کہ ان کے متعلق بے اصل ہونے کا گمان عادتاً محال ہو۔ محدثین کی اصطلاح میں اسکو تواترِ عمل یا توارث کہتے ہیں۔

یہ تینوں قسم کی متواتر احادیث بھی قطعی اور یقینی ہیں مگر قرآن سے دوسرے درجہ پر۔ ان کا انکار کرنے والا ان کے ثبوت میں شک و شبہ کرنے والا بھی کافر ہے۔

(۲) ان متواتر حدیثوں[1] کے علاوہ باقی احادیث ـــ جنکو محدثین کی اصطلاح میں اخبارِ آحاد یا خبرِ واحد کہتے ہیں یعنے وہ احادیث جن کے روایت کرنے والوں کی تعداد حدِ تواتر کو نہ پہونچی ہو۔ ظنی ہیں یعنے ان کے راویوں کی صداقت، دیانت، امانت اور قوتِ حفظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے گمان غالب یہی ہے کہ یہ حدیثیں صحیح اور سچی اور سہو و نسیان سے پاک ہیں اگر ان حدیثوں میں سے کسی حدیث

[1] یاد رکھئے محدثین اور اصولیین کی اصطلاحات میں تواتر کی ان پہلی قسم کی حدیثوں کو متواتر کہا جاتا ہے۔

کا کوئی شخص کسی معقول وجہ کی بنا پر یا راوی کے کسی بھی اعتبار سے ضعیف یا غیر ثقہ ہونے کی بنا پر انکار کرے اور کہے کہ "میرے نزدیک یہ حدیث فلاں وجہ کی بنا پر صحیح نہیں ہے" تو وہ کافر نہ ہوگا۔ لیکن کسی قسم کی تمام حدیثوں کا — مثلاً تمام فقہی یا کلامی یا فتن کی حدیثوں کا یا جمع قرآن سے متعلق تمام حدیثوں کا — سرے سے انکار کرے اور کہے کہ یہ سب حدیثیں زمانہ مابعد کے فقہا یا متکلمین یا ارباب فتن یا حفاظ قرآن کی بنائی ہوئی ہیں اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بھی غرض سے منسوب کر دیا گیا ہے تو وہ بھی کافر ہے۔

وحی متلو اور غیر متلو میں اس فریق کا خلاصہ یہ ہے کہ وحی متلو یعنی قرآن عظیم کُل کا کُل قطعی اور یقینی ہے اور وحی غیر متلو یعنی احادیث میں متواتر کے علاوہ باقی اخبار احاد ظنی ہیں۔

ائمہ مجتہدین۔ فقہا اور اصولیین کے نقطہ نظر سے وحی کی تقسیم

یہ مسلم اور دلائل و براہین شرعیہ و عقلیہ سے ثابت شدہ ہے کہ احکام شرعیہ تکلیفیہ — جن کا ہر عاقل و بالغ مسلمان مکلف اور پابند ہے — کا ماخذ اوّل کتاب — قرآن عظیم — ہے اور ماخذ دوم سنت — حدیث — ہے۔ ان دونوں ماخذوں میں کسی حکم کے منصوص — تصریح — نہ ہونے کی صورت میں اجماع — اجماع صحابہ و ائمہ مجتہدین — ماخذ سوم ہے۔ اور ان تینوں ماخذوں میں کسی حکم کے منصوص نہ ہونے کی صورت میں قیاس — اجتہاد — ماخذ چہارم ہے جس کی شرعی حقیقت جو کتاب و سنت سے ثابت ہے صرف غیر منصوص مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنا ہے۔

لہٰذا ائمہ مجتہدین — فقہا و اصولیین — کا فن اور موضوع بحث ادلہ شرعیہ — کتاب و سنت اور اجماع و قیاس — میں منصوص احکام شرعیہ تکلیفیہ کی تعیین و تشخیص اور منصوص احکام سے غیر منصوص احکام کا استخراج و استنباط اور ان کی صفات و کیفیات — فرض، واجب، رکن، شرط، حلال، حرام، جائز، ناجائز، صحیح، فاسد وغیرہ کو کتاب و سنت سے ثابت کرنا ہے۔

اس لحاظ سے ان حضرات کے نزدیک وحی الٰہی کی جو اصل الاصول اور احکام الٰہیہ کا ماخذ حقیقی ہے چار قسمیں ہیں:۔

---

۵ بعض علم مصطلح حدیث سے ناواقف محققین خبر واحد کی تعریف کرتے ہیں کسی ایک شخص کی روایت، حالانکہ یہ تعریف تو شاذ یا فرد کی ہے جو خبر واحد کی ایک قسم ہے ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ [illegible]

(۱) وحی جلی ۔ ظاہر متلو وہ اللہ کا کلام جو متحدی بہ ہے ۔ جس کو بطور چیلنج پیش کیا گیا ہے ۔ جبرئیل اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیکر آتے ہیں، جس کی تلاوت اور نماز میں "قرأت" فرض ہے ۔ پورا قرآن کریم اس کا مصداق ہے

(۲) وحی جلی غیر متلو وہ تمام احادیث صحیحہ جن میں مذکورہ احکام کے منجانب اللہ ہونے کی آپ نے تصریح فرمائی ہے خواہ وہ احکام فرشتہ جبرئیل وغیرہ کے ذریعہ آئے ہوں ۔ خواہ القاء فی القلب کی صورت میں ۔ خواہ وہ احکام قرآن کریم میں مذکور ہوں مگر اجمالاً یا اشارۃً ۔ خواہ مذکور نہ ہوں ۔

(۳) وحی خفی وہ تمام احادیث جو ایسے احکام شرعیہ پر مشتمل ہیں جو آپ نے پیش آمدہ مسائل میں اصول تشریع کے تحت غور وخوض کے بعد اس علم و یقین کے ذریعہ نافذ فرمائے ہیں جو آپ کے قلب میں اللہ جل شانہٗ پیدا فرمادیتے تھے اور آپ بدوں کسی تردد و تذبذب کے اللہ کا حکم سمجھ کر ان کو نافذ فرماتے تھے ۔ یہ علم و یقین ہی وحی خفی ہے ۔

(۴) وحی مآلاً ۔ انجام کار کے اعتبار سے وحی ہر سہ قسم کی وحی نہ ہونے کی صورت میں نزول وحی کا انتظار کرنے کے بعد جو احکام آپ نے اپنی رائے ۔ اجتہاد ۔ سے یا صحابہ کے مشورے سے نافذ فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو برقرار رکھا ، یہ تقریر ۔ اللہ تعالیٰ کا برقرار رکھنا ۔ ہی وحی الٰہی ہے ۔

مزید تفصیل کے لئے مراجعت کیجئے اصول سرخسی ج ۲ ص

حدیث قدسی وہ احادیث جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہٗ کا قول نقل فرمائیں مثلاً :

(۱) عن ابی ھریرۃ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی ولعبدی ما سئل الحدیث ۔

(۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یقول انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا دعانی ۔

احادیث قدسیہ بھی وحی غیر متلو کے تحت داخل ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول ہونے کی تصریح فرما دیتے ہیں۔ اب ہو سکتا ہے کہ وہ بعینہٖ اور بلفظ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور یہ ہو سکتا ہے کہ روایت بالمعنیٰ ہو یعنی الفاظ رسول اللہ کے ہوں اور معنیٰ منجانب اللہ القاء کیے گئے ہوں۔

نفث فی الروع۔ دل میں پھونک دینا یہ بھی وحی غیر متلو کے تحت داخل ہے اسی کو القاء فی القلب اور وحی بقظہ (بیداری کی وحی) بھی کہتے ہیں یہ القاء بلا واسطہ بھی ہوتا ہے اور فرشتے (جبرئیل) کے واسطے سے بھی چنانچہ کی حدیث میں آیا ہے

نفث جبرئیل فی روعی — جبرئیل نے میرے دل میں پھونک دیا۔

الہام کی حقیقت تقریباً تمام ائمہ لغت وتفسیر الہام کی حقیقت حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

فالالهام ان یلقی الله فی النفس امرا یبعثه علی فعل او ترك وهو نوع من الوحی.

الہام کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (انسان کے) نفس میں ایسی بات ڈال دیں جو اس کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر آمادہ کردے۔ یہ الہام بھی وحی کی ایک قسم ہے۔

امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں:۔

ویختص ذلك بما كان من جهة الله تعالیٰ وجهة الملأ الاعلیٰ

اور یہ (دل میں ڈال دینا اس (الہام) کے ساتھ مخصوص ہے جو اللہ کی جانب سے اور ملأ اعلیٰ کی جہت سے ہو

قرآن وحدیث کے استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہام اور القاء فطری اور طبعی بھی ہوتا ہے اور ہنگامی اور خصوصی بھی بہر حال الہام کسبی اور اختیاری چیز نہیں بلکہ وہبی اور خداداد ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

ونفس وما سوّٰها فالهمها فجورها وتقوٰها (الشمس پ ۳۰)

اور قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے (قوتوں اور کیفیتوں کے لحاظ سے) برابر رکھا پھر اس کے دل میں ڈال دی بدکاری بھی ... اور پرہیزگاری بھی۔

یہ الہام تو فطری اور خلقی ہے۔ صحیح مسلم ج ا میں "شفاعت کبریٰ" سے متعلق حضرت انس رضؓ کی مرفوع حدیث میں ہے:۔

فاحمدہ بمحامد لا اقدر علیھا الآن یلھمنیہ اللہ تعالیٰ الخ۔ — پس میں اللہ کی ایسی خوبیوں سے تعریف کروں گا جن کی اس وقت قدرت نہیں، اسی وقت مجھے اللہ ان کا۔۔۔ الہام کرے گا۔

یہ الہام وقتی اور خصوصی ہے۔ اسی طرح ادعیہ ماثورہ میں آتا ہے۔

اللھم الھمنی رشدی — اے اللہ تو میری بھلائی کو میرے دل میں ڈال دے۔

یہ الہام بھی غیر فطری اور خصوصی ہے۔ بہر حال الہام میں کسب و اختیار کو مطلق دخل نہیں ہوتا۔

الہام اور وحی میں فرق

وحی متلو اور الہام میں فرق یہ ہے کہ وحی متلو بعینہٖ اور بلفظہٖ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے جو مذکورہ بالا طریق پر بواسطہ فرشتہ نبی پر القاء کیا جاتا ہے اور الہام میں اللہ تعالیٰ کے کلام کا مفہوم نبی کی روح مبارک پر القاء کیا جاتا ہے الفاظ عموماً نبی کے ہوتے ہیں گویا نبی کا الہام وحی غیر متلو کے تحت داخل ہے اسی لئے اس کو نوع من الوحی کہا گیا ہے۔

دوسرا فرق

علاوہ ازیں الہام نبی کے ساتھ مخصوص بھی نہیں بلکہ نبی کے علاوہ اللہ کے اور نیک بندوں کو بھی الہام ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ نبی کا الہام دین میں حجت ہے، اس کی مخالفت حکم خداوندی کی نافرمانی ہے۔ غیر نبی کا الہام یا کشف دین میں حجت نہیں ہے۔

وحی منام یا رؤیاء انبیا

انبیا علیھم الصلوٰۃ والسلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ الآیۃ (الفتح ع ۴) — بیشک اللہ نے سچا کردیا، اپنے رسول کے برحق خواب کو تم ضرور مسجد حرام (مکہ) میں داخل ہوگے۔ انشاء اللہ

اسی بات ارشاد ہے:۔

وما جعلنا الرؤیا التی اریناک — اور جو خواب (جیسا وقعہ) ہم نے تجھکو دکھلایا اس کو ہم نے ۔۔۔ لوگوں

الا فتنة للناس (بنی اسرائیل ع ۶) کی آزمائش بنایا ہے

پہلی آیت میں بصورت خواب صلح حدیبیہ کے بعد ۷ھ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر عمرہ کرنے کی اطلاع دے دی گئی ہے کہ گھبراؤ نہیں عنقریب تم مکہ مکرمہ جاؤ گے اور عمرہ کرو گے۔

دوسری آیت کے بارے میں حضرات مفسرین میں اختلاف ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ رؤیا "رؤیای عین" (آنکھوں سے مشاہدہ) ہے اور اس سے مراد لیلة الاسراء (شب معراج) کا واقعہ ہے جو باجماع امت بیداری کا واقعہ ہے چونکہ یہ واقعہ اور مشاہدہ بالکل خارق العادة (غیر معمولی اور بعید از عقل و قیاس) ہے اس لئے رؤیا سے تعبیر فرمادیا ہے اریناک کا لفظ اس کی دلیل ہے

چنانچہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ وما جعلنا الرؤیا التی اریناك الا فتنة للناس قال هی رؤیا عین اریها رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة اسری به الی بیت المقدس (صحیح بخاری ج ا ص ۵۵۰)	حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قول وما جعلنا الرؤیا الآیۃ کی تفسیر میں بتلایا کہ یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے جو آپ کو اس رات کو دکھلایا گیا تھا جس میں آپ کو رات کے وقت (مکہ سے) بیت المقدس تک (اور اس کے بعد سدرة المنتہیٰ تک) لیجایا گیا ہے۔

بعض محققین کے نزدیک اس رؤیا سے مراد وہ خواب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار کے متعلق دیکھا تھا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے وہ ہاتھ کو ہلانے سے دفعتاً ٹوٹ گئی مگر پھر فوراً ہی جڑ گئی اور اس کی تعبیر وہ شکست ہے جو وقتی طور پر جنگ اُحد میں پیش آئی تھی اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ شکست فتح سے بدل گئی تھی۔

پہلی آیت میں جس خواب کا ذکر ہے وہ بغیر کسی تعبیر کے ہو بہو وحی الہٰی ہے قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے دوسری آیت میں اگر رؤیا کا مصداق واقعہ اسراء ہے تو وہ بعینہٖ وحی خداوندی ہے قرآن کی سورۃ والنجم کا پہلا رکوع اس کی تصدیق کرتا ہے ہاں اگر اس کا مصداق جنگ اُحد ہو تو وہ خواب محل تعبیر تھا ایسے ہی مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی دو جھوٹے مدعیان نبوت اور ان کے زوال سے متعلق خواب۔ اسی طرح مدینہ کی "وبا" اور اس کے ازالے سے متعلق خواب، شیخین، حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق

۱؎ چنانچہ حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے اس رؤیا کا ترجمہ "دکھاوا" کرتے ہیں۔

رضی اللہ عنہا۔۔ کے عہد خلافت سے متعلق خواب اور ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب جن کا تذکرہ ہر حدیث کی کتاب میں کتاب الرؤیا کے تحت موجود ہے یہ سب محل تعبیر تھے اور ان کی تعبیریں بھی آپ کو منجانب اللہ بتلائی گئی تھیں۔

نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خواب وحی الٰہی تھے بلکہ آپ کی تو وحی کے نازل ہونے کی ابتداء ہی ہو بہو سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:-

کان اول ما بدئ به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من الوحی الرؤیا الصادقة فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح (صحیح بخاری و مسلم)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء ہی سچے خواب تھے چنانچہ جو خواب بھی آپ دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح ہو بہو سچا نکلتا۔

قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ خوابوں کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک خواب کا بھی ذکر آیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اکلوتے محبوب بیٹے حضرت اسمٰعیل کو بتلاتے ہیں:-

یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری (صافات ع ۳)	اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے

حضرت اسمٰعیل جواب دیتے ہیں:-

یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین (ایضاً)	اے میرے پیارے باپ جو آپ کو حکم دیا گیا ہے وہ کیجئے آپ مجھے انشاء اللہ ثابت قدم پائیں گے۔

عام مفسرین حضرت ابراہیم علیہ السلام اس خواب کو حکم الٰہی قرار دیتے ہیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اس خواب کو ما تؤمر کے لفظ سے تعبیر کرنا اس کی دلیل قرار دیتے ہیں اسی لئے باپ بیٹے دونوں کسی ادنی تردد یا احتمال تاویل (تعبیر) کے بغیر مستعد ہو کر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہ خلیل اللہ کی خلّت کا امتحان تھا وہ اس میں پورے اُترے اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق فرماتے ہیں:

و ناد یناہ ان یا ابراھیم	اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم بیشک تم نے خواب کو

قد صدقت الرؤیا (ایضاً) سچا کر دکھایا

اور حضرت اسمٰعیل کے فدیہ (بدلے) میں عظیم ذبیحہ (جنت کا مینڈھا) بھیج دیا ارشاد ہے:-

وفدینا ہ بذبح عظیم — اور ہم نے ایک عظیم قربانی کا جانور اسمٰعیل کے بدلے میں دے دیا۔

اس بیان کے اعتبار سے یہ خواب محل تعبیر نہ تھا بلکہ بعینہٖ امر الٰہی تھا۔ لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ خواب محل تعبیر تھا اور بیٹے کو ذبح کرنے سے مراد عزیز ترین جانور کی قربانی کرنا اور قربانی کی سُنت قائم کرنا تھا ابتلا صرف یہ تھا کہ خواب کی یہ تعبیر بتلائی نہیں گئی اس لئے باپ بیٹے دونوں نے خواب کو حقیقت پر محمول کیا اور مقدور بھر اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غیر اللہ کی محبت سے دل کے پاک وصاف ہونے کا عملی ثبوت پیش کر دیا تو تعبیر بتلا دی گئی واللہ اعلم

بہر حال انبیا کے خواب یقیناً وحی الٰہی ہوتے ہیں اگر محل تعبیر ہوتے ہیں تو منجانب اللہ ان کی تعبیر بتلا دی جاتی ہے اور یہ رؤیا وحی غیر متلو کے تحت داخل ہیں۔

تنبیہ! ہمارے شیخ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق آیت کریمہ میں بیان شدہ تین صورتوں کی تشریح یعنے الا وحیا کا مصداق وحی بلا واسطہ فرشتہ قرار دینے کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس صورت میں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے رؤیا (خواب) اور الہام جو یقیناً وحی غیر متلو ہیں الا وحیا کے تحت داخل ہو جائیں گے اور آیت کریمہ تمام انحاء و اقسام وحی پر مشتمل ہو جائے گی یہی آیت قرآنیہ کی جامعیت کا تقاضہ ہے ورنہ تمام محدثین کی تحقیق کے مطابق رؤیاء انبیا اور الہام اور وحی کی وہ صورتیں جن میں فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا اس آیت کے تحت داخل نہ ہو سکیں گی۔

بقیہ حواشی

حاشیہ صفحہ (۱۱۲)

لہ یہ حدیث قطعاً صحیح ہے اور قرآن عظیم کی آیت کریمہ ذیل:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد افتریٰ اثما عظیما۔

میں واقع کلمہ ما دون ذالک کا بیان ہے کہ شرک کے علاوہ بڑے سے بڑا گناہ حتیٰ کہ زنا اور سرقہ جیسے کبیرہ گناہوں سے توبہ کئے بغیر کوئی مسلمان مرجائے تو ان کے بھی معاف ہونے کا امکان ہے اس لئے کہ یہ گناہ بھی ما دون کے تحت آتے ہیں اور اللہ کی مشیت کے تحت داخل ہیں ان شاء غفر وان شاء عذب بخلاف شرک کے کہ وہ تو افتراء ہے اگر مشرک شرک سے توبہ کئے بغیر مرگیا تو اس کی مغفرت کا کوئی امکان نہیں وہ یقیناً مخلد فی النار ہوگا۔ یہی تمام صحابہ کرام و تابعین عظام اور ائمہ اہل سنت وجماعت کا چودہ سو سالہ متفقہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے اور مذکورہ بالا حدیث وان زنیٰ وان سرق میں ان وصلیہ ہے جس کا اردو ترجمہ اور اگرچہ ہے۔ عربی کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ان وصلیہ وقوع کو ہرگز نہیں چاہتا بلکہ صرف استبعاد استعجاب، کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ حدیث، حدیث قدسی ہے جس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رب غفور ورحیم کا یہ بیان پہونچایا ہے تو سنتے ہی اول خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل وعلیٰ کی شان کریمی پر بڑا تعجب ہوا کہ زنا جیسا گناہ اور جرم کہ جس کو خود قرآن میں فاحشۃ کہا ہے اور شرک وقتل کے بعد تیسرے درجہ پر رکھا ہے اور دنیا میں موجب حد قرار دیا ہے وہ توبہ کے بغیر معاف ہوسکتا ہے؟ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے استفسار کیا ہے وان زنیٰ وان سرق؟ اور جبرئیل امین نے آپ کو جواب میں وان زنیٰ وان سرق (اگرچہ زنا کرلے اگرچہ چوری کرلے) کہکر مطمئن کیا ہے اس کے بعد جب آپ نے صحابہ کے سامنے بیان فرمایا تو راوی حدیث حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اسی استعجاب کی بنا پر آپ سے استفسار کیا ہے وان زنیٰ وان سرق اور آپ نے وہی جواب دیا ہے جو حضرت جبرئیل نے آپ کو دیا تھا ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پھر دوبارہ اور سہ بارہ دریافت کیا ہے تو تیسری مرتبہ جواب کے بعد فرمایا وان رغم انف ابی ذر (اگرچہ ابو ذر کو گوارا نہ ہو) ہمیں حیرت ہے استشراقی فکر کی مدینہ شکن وہ اس حدیث صحیحہ کو قرآن کی نصوص کے خلاف اور زنا وغیرہ بدکاری پھیلانے والا صرف اس لئے قرار دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کا وقوع ایمان اور عمل صالح کے

تشابک و تلازم کے منافی ہے" (ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر و نظر ص ۵۱۶ شمارہ ۸ ج ۲ بابت فروری ۱۹۶۵ء) حالانکہ یہ ان وصلیہ ہے جو وقوع کو ہرگز نہیں چاہتا جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں علاوہ ازیں جبکہ نہ صرف حدیث و تفسیر بلکہ عہد نبوی کی تاریخ بھی شاہد ہے کہ عہد نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں حدِ زنا کا بھی نفاذ و اجرا ہوا ہے اور حدِ سرقہ کا بھی ایمان اور عمل صالح کے تشابک و تلازم اور خوف و خشیہ کی شدت کا نتیجہ یہ ہے کہ مجرموں نے خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جرم کا اقرار اور حد نافذ کرنے پر شدید اصرار کیا ہے اور دنیا کے عذاب کو آخرت کے عذاب پر ترجیح دی ہے حالانکہ اگر وہ اقرار نہ کرتے اور صدق دل سے توبہ کر لیتے تب بھی مغفرت ہو سکتی تھی۔

نمبر ۹ فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر فضل الرحمٰن اپنے مقالہ سنت و حدیث میں بار بار تمام احادیث خصوصاً فقہی اور کلامی احادیث کی "تاریخی معیار" پر از سر نو جرح و تعدیل کی ضرورت کا بڑی شدت کے ساتھ اظہار فرماتے ہیں (دیکھئے ماہنامہ فکر و نظر ج ۱ ش ۷، ۸ بابت جنوری فروری ۱۹۶۴ء مقالہ سنت و حدیث)

اول اول ہم نے یہ سمجھا کہ موصوف واقعی "تاریخ" اور حقیقی "واقعات تاریخ" کے معیار پر احادیث کو پرکھنے کی دعوت دیتے ہیں مگر ان کے اس تین چار سال میں شائع شدہ مختلف مقالات کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ ان کی مراد "تاریخ" اور "تاریخی واقعات" سے وہ "نظریات و مفروضات" ہوتے ہیں جو وہ استشراقی مفکرین کے انداز پر کسی بھی اسلامی موضوع پر اسلامی مراجع (کتابوں) کا مطالعہ کرنے سے بہت پہلے قائم کر لیتے ہیں اور پھر ان اپنے "مفروضہ نظریات" کو اسلامی ماخذوں سے ثابت کرنے کے لئے کتابوں کی ورق گردانی کرتے ہیں، مثلاً انھوں نے اپنے پیر و مرشد اگنس گولڈ تسیہر کی پیروی میں اول یہ مفروضہ قائم کر لیا کہ "تمام فقہی اور کلامی احادیث اسلام کے فقہی اور کلامی اختلافات کے زمانہ (دوسری اور تیسری صدی ہجری) کی پیداوار ہیں، ہر فریق نے اپنے اپنے مسلک کے ثبوت اور استحکام کی غرض سے مرفوع حدیثیں مع السند گھڑ لی ہیں اور مسلمانوں کے سامنے متصل السند مرفوع احادیث کے فریم میں فٹ کر کے پیش کر دیا ہے" (ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ بینات بابت ماہ دسمبر ۱۹۶۶ء جلد ۹ ش ۲، اقتباسات گولڈ تسیہر)

لیکن ان کی حالیہ تصنیف تاریخ اسلام میں ـــ جس کا اردو ترجمہ ماہنامہ فکر و نظر میں اگست ۱۹۶۶ء سے بالاقساط شائع ہو رہا ہے ـــ ایک ـــ ہمارے لئے خوش آیند ـــ تبدیلی ان کے علمی اور "تحقیقی" طرز استدلال میں آئی ہے وہ یہ کہ وہ اپنے "مزعومات و مفروضات" کے اثبات کے لئے مفید مطلب روایات کا سہارا لینے لگے ہیں اگرچہ وہ کتنی ہی گری پڑی اور ساقط روایت کیوں نہ ہو چنانچہ انھوں نے وحی الٰہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "اخلاقی اور مذہبی تجربہ" یعنے داخلی ارتقاء ثابت کرنے کے سلسلہ میں ایک شاذ اور ناقابل اعتبار روایت کا ـــ جو طبقات ابن سعد میں آیا ہے اس کے بعد میں پیدا ہوا "قرآن کی پہلی وحی سورہ علق کی پانچ آیات کو خواب کا واقعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے (ملاحظہ فرمائیے فکر و نظر بابت ماہ اگست ۱۹۶۶ء ج ۵ ش ۲ ص ۹۳)

لہٰذا اب ہم بھی انشاء اللہ ان کے مزعومات و مفروضات کی تردید میں ـــ ساقط اور گری پڑی روایات نہیں بلکہ کھری اور واقعی تاریخی معیار پر پرکھی ہوئی روایات پیش کر سکیں گے۔ وباللہ التوفیق